

1920

اسلام اور مسیحیت



۱۰۱

جناب مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهٖ



جمعیت اہل حدیث • لاہور

59892

ناشر ————— محمد رمضان ناظم جمعیت اہل حدیث لاہور

طبع ————— بار دوم

تعداد ————— ۱۲۰۰

مطبع ————— دین محمدی پریس لاہور

قیمت ————— دو روپے آٹھ آنے

شوال ۱۳۷۹ھ
اپریل ۱۹۶۰ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقریب

جناب مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب مرحوم امرتسری نے نصف صدی سے زائد عرصہ اسلام کی جو عظیم القدر تبلیغی خدمات سر انجام دی تھیں، ان میں ان کا کوئی معاصر شخص تو کیا کوئی رزا ادارہ بھی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَن يَّشَاءُ۔ آپ کی تبلیغ کا خاص موضوع یہ تھا کہ اسلام، قرآن یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ رومی پر کسی بھی قسم کے اعتراض اور حملہ کا دفاع کیا جائے۔

ابتداءً نصیحت نے سیاسی اغراض کے لئے اسی قسم کا غیر معقول بلکہ دل آزار سلسلہ برصغیر ہندوپاک میں شروع کیا تھا۔ پھر ان کی دیکھا دکھی آریوں نے اس کو مشتعل بنا لیا اور اپنے سیاسی مقاصد کے لئے اس کا عام استعمال شروع کر دیا، ادھر مسلمان کچھ اپنی غفلت کچھ اپنی گونا گوں پریشانیوں میں مبتلا ہونے کے باعث اس طرف عموماً توجہ نہیں دے رہے تھے۔ سارے برصغیر میں مولانا مرحوم گویا تنہا تھے جن کے ہاتھ میں اسلام کی دفاعی کمان تھی اور اکیلے ہی اس فرض کفایہ سے عہدہ براہو رہے تھے اور عبد اللہ اس مقدس مشن میں کامیاب تھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پیدا ہی اسی لئے کیا تھا۔

آریہ پرچارک اور عیسائی مشنری عام طور پر اسلام کے خلاف کوئی نہ کوئی کتاب یا رسالہ وقتاً فوقتاً شائع کراتے رہتے تھے جس کا انداز اکثر اشتعال انگیز اور دل خراش ہوتا۔ لیکن مولانا مرحوم بہر ایسی ہی کتاب یا رسالے پر نہایت ہی سنجیدگی اور متانت سے تنقید لکھ ڈالتے اور وہ جواب لیا ہوتا جو انہوں ہی نہیں بیگانوں میں بھی وقعت سے دیکھا جاتا اور پسند عام کی سند حاصل کرتا۔

پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے قبل کے دس سال ہندوستانی مسلمانوں کے لئے بڑے

پراشوب تھے مسلمان من حیث القوم اپنی سیاسی قوت کے حصول کے لئے جدوجہد میں منہمک تھے جو فیصلہ کن مراحل میں داخل ہو رہی تھی۔ مسلمانوں کی اس قومی مصروفیت کو شاید مسیحی مشنزوں نے غنیمت جانا اور انہوں نے اسلام، قرآن اور عامل قرآن علی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی ذات گرامی پر تنقیدی کتابوں کا سلسلہ بھی تیز کر دیا۔ ان ہنگامہ خیز حالات میں مولانا مرحوم تھے کہ ان کو تبلیغ کی دھن تھی۔ آپ نے فوراً دفاعی کمان سنبھالی، قلم ہاتھ میں لیا اور ہر معترضانہ کتاب کا احسن طریقہ سے ترکی بہ ترکی جواب لکھ کر شائع کرادیا۔

”اسلام اور مسیحیت“ اور جوابات نصاریٰ“ دو کتابیں اسی دور کی یادگار ہیں۔ جن میں مسیحی مبلغین صاحبان کی تقریباً نصف دہن کتابوں کا جواب آگیا ہے۔

اوپر کی سطور میں مسلمانوں کی جس قومی جدوجہد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ بالآخر اپنی حکومت پاکستان کے بن جانے پر نتیجہ ہوئی۔ اس کے بعد ساری قوم قدرۃ نوزائیدہ مملکت کی تعمیر اور اس کے استحکام میں لگ گئی کہ یہ بات سب سے زیادہ مقدم ہے۔ اس سے مسیحی دوستوں نے پھر فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ وہ دور دراز کے ناخواندہ علاقوں میں ایسے لٹریچر کی اشاعت کر رہے ہیں جس میں اسلام پر وہی پرانے اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے تاکہ تعلیمات اسلام بلکہ اسلام کے بنیادی عقائد میں شک پیدا کر کے سیاسی مقاصد کی غرض سے مسیحیت کو پھیلا یا جا سکے۔

پاکستان جمہوری ملک ہے جس میں ہر شہری کو پوری ثقافتی اور مذہبی آزادی حاصل ہے اور بحمد اللہ مسلمان حکومت ہونے کی وجہ سے حکومت پاکستان کا روٹیہ اقلیتوں سے حد درجہ روادارانہ ہے نظر بریں اقلیتوں کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں۔ ان کو مسلمانوں کے فیاضانہ سلوک کا یہ مطلب نہیں لینا چاہیے کہ وہ مسلمان عوام میں اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کر دیں اور عقائد میں شک پیدا کرنے والے پھلٹے پھیلائیں۔

خیر یہ سوچنا تو ان کا کام ہے۔ مسلمانوں کے لئے مناسب ہے کہ ایسی صورت حال سے باخبر رہیں اور اس کے تدارک کے مناسب طریقے اختیار کرنے میں کوتاہی نہ کریں لیکن اس وقت صورت حال یہ ہے کہ مخالف اسلام لٹریچر تو پھیل رہا ہے لیکن اس کا توڑہیا کرنے کی طرف سے مسلمان غافل ہو رہے ہیں۔

ایسے حالات میں جمعیت اہل حدیث لاہور نے ضروری سمجھا ہے کہ بجائے نیا کچھ لکھنے کے حضرت مولانا شام اللہ صاحب مرحوم کی اس سلسلہ کی کتابیں شائع کر دی جائیں جو بہم و جوہ مناسب اور مفید ہیں جمعیت اہل حدیث لاہور اس سے قبل مولانا ممدوح کے متعدد درسا لے۔ اہل حدیث کا مذہب "اسلام اور اہل حدیث" وغیرہ شائع کر چکی ہے جن سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کے بندوں کو بہت فائدہ ہوا۔ ﷻ الحمد

بر دست مولانا کی ایسی کتاب شائع کی جا رہی ہے جو مولانا کی اس سلسلے میں محبوب ترین تصنیف تھی۔ امید ہے جس غرض سے اسے طبع کیا جا رہا ہے وہ انشاء اللہ اس سے پوری ہوگی اللہ کرے یہ آرزو رکھے اور اخلاص فی العمل کی توفیق مرحمت اور ثمرت قبول حاصل ہو۔ راتہ قریب عجیب۔

ناظم اعلیٰ

جمعیت اہل حدیث لاہور

رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ
۴ رجب ۱۹۶۰ء

برادرانِ اسلام سے خطاب

میں بامرہ تعالیٰ اپنی عمر طبعی کو پورا کر چکا ہوں۔ میری عمر کی یہ آخری منزل ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کسی اور کتاب کا تصنیف کرنا میرے لئے مقدر ہے یا داعی اجل کو لبیک کہنے کا وقت آ گیا ہے۔ یہ کتاب 'اسلام اور مسیحیت' عیسائیوں کی تین کتابوں کے جواب میں ہے۔ ان میں سے ہر ایک کتاب اسلام اور قرآن کے حق میں بصورتِ جدید سخت ترین حملہ ہے۔ خدا نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے ان کا جواب دینے کی توفیق بخشی ورنہ طبیعت کی کمزوری اور عوارض کی کثرت اور سامانِ طباعت کی گرانی اس کتاب کی اشاعت میں مانع تھیں۔ باوجود اس کے یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔ میں اپنے دل خیال کا اظہار کرتا ہوں کہ اپنی جلد تصنیفات میں سے دو کتابوں کی نسبت مجھے زیادہ یقین ہے کہ خدا ان کو میری نجات کا ذریعہ بنا لے گا۔ ان میں سے ایک کتاب 'مقدس رسول' ہے جو رنگیلہ رسول کے جواب میں ہے دوسری کتاب 'پہلی اسلام اور مسیحیت' ہے۔ پہلی کتاب میں میں نے توفیقہ تعالیٰ ذاتِ رسالت آپ سے دفاع کیا ہے اور دوسری میں اسلام اور قرآن مجید سے واہت کی ہے۔ اس لئے میں کہہ سکتا ہوں

۵ روز قیامت ہر کے در دست گیر د نامہ

من نیز حاضرے شوم تاہید قرآن در غسل

اب اس کی اشاعت میں کوشش کرنا برادرانِ اسلام کا فرض ہے تاکہ ہر ایک موافق اور مخالف کے پاس پہنچ جائے۔ عام شائقین متفرقہ طور پر اپنے لئے منگائیں اور اہل ثروت حضرات متعدد نسخے طلب کر کے مفت تقسیم کریں جو ارشادِ خداوندی تعاونا علی السبر والتقویٰ کے تحت موجب ثواب ہے

خادمِ دینِ اللہ

ابوالوفاء ثناء اللہ کفہ اللہ

فہرست مضامین

صفحہ	نام مضامین
۱۱ تا ۲۴	ویساچہ اور تمہید
	باب اول
۲۵ تا ۶۴	تشریح القرآن بحجواب توضیح البیان
۲۶	آبے اور رب کی بحث
۳۰	بندوں کے ساتھ خدا کی محبت کا ثبوت
۳۲	بحث اصول نبوت اور تصور خدا
۳۴ - ۱۰۸	جہاد، مال غنیمت اور قصاص پر اعتراض مع جواب
۱۰۹ - ۱۴۸	بحث اصول مسادات
۳۶	اسلامی پردے پر اعتراض مع جواب
۳۹	اصول عبادت (اسلامی طریق عبادت پر بحث)
۴۲	اسلامی روزہ اور قربانی پر اعتراض مع جواب
۴۶ - ۴۹	اسلامی احکام عالم گیر نہیں (اعتراض مع جواب)
۵۰	حرمیت خمر و خنزیر پر اعتراض مع جواب
۵۲	دولت مند کے متعلق مسیح کا ارشاد
۵۲	غنا، عقیقہ، طواف کعبہ وغیرہ پر اعتراض اور جواب
۵۴	اسلامی احکام ہر جگہ نافذ العمل ہیں۔
۵۸	باب دوم
۶۵	مسیحیت کی عالم گیری پر ایک نظر

۶۶	۸۰۰-۶۶
۸۴	۲۱۳
۹۰-۸۵	۸۴
۹۲	۹۰-۸۵
۹۲	۹۲
۱۰۳-۹۷	۱۰۳-۹۷
۱۱۰-۱۰۹	۱۱۰-۱۰۹
۱۵۰	۱۵۰
۱۱۳	۱۱۳
۱۱۷	۱۱۷
۱۲۱	۱۲۱
۱۲۳	۱۲۳
۱۲۵	۱۲۵
۱۲۶	۱۲۶
۱۲۷	۱۲۷
۱۳۳	۱۳۳
۱۳۷	۱۳۷
۱۳۹	۱۳۹
۱۴۰	۱۴۰
۱۴۳	۱۴۳
۱۴۶	۱۴۶

عالمگیر مذہب کے شروط و لوازم
بحث تثلیث و تحتم مسیح بالتفصیل
مسیح نے اپنے کو بحیثیت رسول پیش کیا

خدا کی صفاتِ قاہر اور جابر اور بے نیاز ہونے پر اعتراض مع جواب
از روئے انجیل گناہ کی سزا کا ذکر

کیا خدا گناہ کا بانی ہے (آیت ولقد ذانا اننا کی تشریح)

حج، قربانی، حلال و حرام، بہشت میں شراب، حور و غلمان وغیرہ پر اعتراض مع جواب
اسلام اور مسیحیت میں عورت کی حیثیت

خدا اور بندے کے درمیان خلیج مائل نہیں ہے۔

کیا مسیح دنیا کے لئے مکمل نمونہ ہے؟

مسیح کی تصویر صلیب پر

خدا کے واحد و برحق کے متعلق اسلامی تعلیم

مسیحیت کا دوسرا بنیادی پتھر کفارہ مسیح

شرعی احکام پر عمل کی تاکید مسیح کے کلام سے

ہدایت و نجات کے لئے قرآن کی مختصر تعلیم

کیا بائبل جامع صفات کتاب ہے؟

باب سوم

بحث دینِ فطرت

کیا دینِ مسیحی جلی توئی کی تکمیل کر سکتا ہے؟

قرآن مجید واقعی آنحضرت کو صرف منصبِ نبوت پر فائز ٹھیرا ہے۔

خوف کی جبلت پر بحث

کیا خدا گنہگار کی کئی پشتوں سے بدلہ لیتا ہے؟

صفحہ	نام مضامین
۱۴۶	کیا اسلام میں تصورِ خدا دہشت انگیز ہے؟
۱۵۳ تا ۱۵۰	مشکل طلاق اور تعددِ زوجہ پر مفصل بحث
۱۵۵	یسع ساری عمر مجرّد کیوں رہے؟
۱۵۶	نکاحِ تعدد اور والدینی جنت پر بحث۔
۱۶۳	خالق و مخلوق کے تعلق کو مخلوق کے باہمی تعلقات پر قیاس کرنا غلط ہے۔
۱۶۹	رحم، معافی، درگزر اور صبر اور مصارتِ مذکورہ پر اعتراض اور جواب
۱۶۴	جنگجوی کی جنت پر بحث۔
۱۶۵	عضو اعدائے لحاظ سے آنحضرتؐ اور یسع میں مقابلہ
۱۶۸	استفسار و حتمی کی جنت پر بحث
۱۸۰	یسع نے نشان مانگنے والوں کو بد اور حرام کار کہا
۱۸۵ تا ۱۸۶	مشکل تقدیر و مشکل اجتہاد پر اعتراض اور جواب
۱۸۶	انجیل میں ایمانداروں کی عجیب نشانیاں
۱۸۸	اہل عرب نے یورپ کو علوم و فنون سکھائے
۱۸۹	ترکوں پر بے دینی کا الزام مع جواب
۱۹۵	قانونِ قدرت سے متعلق بعض مشکل آیات کا حل
۲۰۲	قتل مرتد پر اعتراض مع جواب
۲۰۲	جنت اجتماع پسندی اور امانیت پر بحث
۲۰۴	اجتماعی قومی کاموں کے متعلق قرآنی تعلیم
۲۱۰	پادری برکت اللہ کا سورہ اخلاص سے اخلاص
۲۱۱	یسع کے متعلق پادری برکت اللہ کا عقیدہ
۲۱۲	پادری برکت اللہ کے نزدیک پادری عبدالحق کا عقیدہ تثلیث ناقابل قبول ہے
۲۱۳	خدا کی وحدت کا جو مفہوم انجیل میں ہے وہی قرآن میں ہے

صفحہ	نام مضامین
۲۱۴	قرآن مجید بھی انسان کو ذمہ دار ہستی قرار دیتا ہے۔
۲۱۵	جنتِ حکم اور جنتِ عجز پر بحث
۲۱۶	غیر مسلم کو سلام کہنے پر بحث
۲۱۸	اللہ رسول کی اطاعت پر اعتراض مع جواب
۲۲۲	اپنے حقوق سے دستبردار ہونے کے متعلق قرآنی تعلیم
۲۲۳	جنتِ حصول و اکتساب پر بحث
۲۲۴	سجیت کی رد سے کسی مالدار کا نجات پانا ممکن نہیں
۲۲۵	سرف قرآن مجید کی تعلیم اقتصادیات کے موافق ہے۔
۲۲۶	انجیل کی تعلیم متعلقہ صدقہ خیرات پر عقلی اعتراض۔
۲۲۸	قرآن مجید انسان کو ہر کام میں خدا کی طرف متوجہ کرتا ہے۔
۲۲۹	ردی اشتر اکیٹ کا ذکر۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمد الله ونستعينه

ونصلي على النبي واهله

پہلے مجھ دیکھئے

مرزا صاحب قادیانی نے بڑی وضاحت سے اس دعوے کا اعلان کیا تھا کہ :-
 مسیح سے مجھے ایک خاص مناسبت ہے اور اس فطرتی مشابہت کی وجہ سے مسیح
 کے نام پر یہ عاجز بھیجا گیا ہے تاکہ صلیبی اعتقاد کو پاش پاش کر دیا جائے سو میں
 صلیب کے توڑنے اور ختمزیریوں کے قتل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

(رسالہ فتح اسلام، بارہم ص ۱)

آپ نے مزید فرمایا تھا کہ :-

میرے آنے کے دو مقصد ہیں۔ مسلمانوں کے لئے یہ کہ اصل تقویٰ اور طہارت پر قائم
 ہو جائیں، اور عیسائیوں کے لئے کہ صلیب ہوا اور ان کا مصنوعی خدا نظر نہ آئے۔
 دنیا اس کو بھول جائے اور خدائے واحد کی عبادت ہو۔

(اخبار الحکم قادیان ۱۹ جولائی ۱۹۰۵ء ص ۱)

آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ :-

میں علیے پرستی کے ستون کو نہ توڑ دوں تو بھڑا ٹھیکروں گا (دبر ۱۹ جولائی ۱۹۰۶ء)

ان مواعید موثوقہ پر بھروسہ کرنے والے کو اطمینان ہو جاتا ہے یا ہو سکتا ہے کہ مرزا صاحب کی برکت سے مذہب عیسوی دنیا سے ناپید ہو گیا ہو گا مگر ناظرین یہ سن کر حیران ہوں گے کہ علیی پرستوں کا نہ صرف شمار بڑھ رہا ہے بلکہ ان کی طرف سے حملے بھی آئے دن تعداد میں زیادہ اور کیفیت میں سنگین ہو رہے ہیں۔ غضب یہ ہے کہ یہ حملہ آور حضرات مسلمانوں کی اولاد میں، جن کے باپ و دادا اسلام کے کلمہ گو اور فدائی تھے۔

آج ہمارے ملک پنجاب میں اسلام کی ترویج میں لکھنے والے عیسائیوں میں زیادہ شہرت یافتہ مندرجہ ذیل اصحاب ہیں:-

(۱) پادری سلطان محمد خاں صاحب (۲) پادری برکت اللہ صاحب (۳) پادری عبدالحق صاحب
(۴) مسٹر موسیٰ خاں ایڈیٹر المائدہ وغیرہ

اس وقت عیسائیوں کی جو کتابیں ہمارے زیر نظر ہیں اور جن کے جواب کے لئے ہم نے قلم اٹھایا ہے ان کے نام یہ ہیں:-

(۱) "توضیح البیان فی اصول القرآن" (اس میں اس امر پر بحث کی گئی ہے کہ اسلام کے اصول میں عالمگیر ہونے کی صلاحیت نہیں ہے) صفحات ۹۴
(۲) "مسیحیت کی عالمگیری" (اس کا مضمون نام ہی سے ظاہر ہے) صفحات ۲۲۲
(۳) "دین فطرت اسلام یا مسیحیت؟" (اس میں مسیحیت کو مطابق فطرت اور قرآن کو مخالف فطرت دکھلانے کی کوشش کی گئی ہے) صفحات ۲۴۸

ان تینوں کے جواب کے لئے ہم نے اس کتاب میں تین باب تجویز کئے ہیں۔ پہلے باب میں ہماری طرف سے مدافعت ہوگی۔ دوسرے میں تنقید اور تیسرے میں موافقت کے علاوہ حسب ضرورت تنقید بھی ہوگی۔

مسلم اور مسیحی ناظرین سے ہمیں امید ہے کہ وہ ہر قسم کے تعصب اور جانبداری سے بالاتر ہو کر ہماری معروضات پر توجہ فرمائیں گے۔

گر نہ آید برغبت گوش کس
بر رسولان بلاغ باشد ولس

ہم ان کتابوں کو دیکھ کر متناظر تھے کہ مرزا صاحب کے اتباع کی طرف سے ان کے جواباً بہت
بلکہ شائع ہو کر پبلک کے ہاتھوں میں آجائیں گے گریڈ تک انتظار کرنے کے بعد بڑے افسوس کے
ساتھ ہمیں یہ کتاب پڑا۔ اے بسا آرزو خاک شدہ

آخر میں یہ خیال آیا کہ مرزا صاحب کے دعوے کے مطابق مسیحی مذہب فنا ہو چکا ہے اور مسیحی
لوگ مرچکے ہیں۔ اس لئے جماعت احمدیہ نے ان کو مخاطب کرنا مستحسن نہیں سمجھا ہو گا لہذا انہوں نے
اپنے خیال کے مطابق ان کتابوں کے جواب پر توجہ نہیں کی مگر ہم چونکہ اپنے مشاہدہ میں مسیحیوں کو زندہ
دیکھتے ہیں اور ان کی کتب متعلقہ تردید اسلام ہمارے سامنے ہیں اس لئے ہم بھی اگر خاموش رہتے
تو عند اللہ اپنے فرض کی ادائیگی سے قاصر سمجھے جاتے پس ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہونے کے
لئے جواب دینے کو ظم اٹھاتے ہیں۔ کیوں؟

اگر بنیم کہ نابینا دچاہ است
وگر خاموش بنشینم گناہ است

جن کتابوں کا نام اوپر بتایا گیا ہے وہ پادری برکت اللہ صاحب کی تصنیف ہیں۔ پادری
صاحب نے ان کتب میں جو طریق اختیار کیا ہے بغرض تفہیم ناظرین ہم اس کی ایک مثال پیش کرتے ہیں۔
شراب کو جو لوگ براتے ہیں وہ اس کے برے اثرات سے ہٹانے کے لئے جو کچھ کہا
کرتے ہیں اس کا خلاصہ اس رباعی میں ہے

ہو بادہ کشی پر نہ جو اولو! منقوں
گزن پہ نہ لو عقل خدا داد کا خون
خود عہد شباب اک جنوں ہے اب تم
کرتے ہو فنروں جنوں پہ اک اور جنوں (حالی)

اس رباعی میں شاعر نے بڑی خوبی کے ساتھ شراب نوشی سے ہٹایا ہے کیونکہ وہ انسان
کو بے عقل کر دیتی ہے۔ اس کے برعکس شراب نوشی اسی بدستی کو شراب نوشی کا مستحسن ذریعہ
بتاتے ہیں۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے

مہینہ برتناب ہے مزے آتے ہیں میخواروں کو
حق نے کیا مرتبے بنائے ہیں گنہ گاروں کو
ہاتھ گرتے کا مت پکڑ ساقی
سجدہ شکر میں جانے دے گنہ گاروں کو

غور فرمائیے کہ شراب میں ایک صفت بدستی ہے جو موجب نفرت ہے یہی وصف پینے
والوں کی نظر میں موجب رغبت ہے۔ ٹھیک اسی طرح مسیح کی ذات کا نوٹو (عکس) جو عیسائی مصنف

پیش کرتے ہیں کہ

آپ فاعل مختار اور قادرِ قیوم تھے بلکہ خود خدا تھے۔ آپ جو تعلیم دیتے تھے اپنے اختیار سے دیتے تھے۔

اسی عقیدہ کی وجہ سے یہود، مسلمان اور دیگر اہل ادیان مسیحی مذہب کو نفرت سے دیکھا کرتے ہیں۔ پادری برکت اللہ صاحب نے اسی عقیدہ کو مسیحی مذہب کی برتری کا موجب لکھا ہے پس ان ساری کتابوں کا لب لباب یہی ہے۔ سچ ہے ۷

مجھے تو ہے منظور مجنوں کو سیلی نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی
آپ کی تصنیف میں دوسرا وصف ہم نے یہ دیکھا ہے کہ آپ طول کلامی میں لاثانی ہیں
مرزا غالب مرحوم نے ایک مطلب کے لئے طول کلامی کی خواہش کرتے ہوئے کہا ہے ۷
مے تو حشر میں لے لوں زبان ناصح کی عجیب چیز ہے یہ طول دعا کے لئے
گر پادری صاحب کی طول کلامی مرزا غالب کی خواہش سے بھی بڑھ کر لال خاطر کی حد تک
پہنچ چکی ہے جس کی ایک مثال درج ذیل ہے۔

”پس عالمگیر مذہب کی پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے اصول ارفع اور اعلیٰ ترین ہوں ان اصول
میں یہ صنعت ہو کہ دنیا کے سب لوگوں کی ضمیریں ان کو مان سکیں، بالفاظ دیگر یہ اصول
ایسے اعلیٰ وارفع ہوں کہ تمام دنیا کے لوگ بلا لحاظ رنگ، نسل، قوم وغیرہ ان کو قبول
کر سکیں۔ اگر کسی مذہب کی تعلیم ایسی ہے کہ صرف کسی خاص قوم یا زمانہ یا قبیلہ کے لوگوں
کی نظروں میں ہی مقبول ہے لیکن دیگر اقوام یا دیگر زمانہ کے افراد اس کے اصولوں کی
وجہ سے اس کو قبول نہیں کر سکتے تو وہ مذہب ہرگز عالمگیر مذہب کہلانے کا مستحق نہیں
ہو سکتا۔ اگر کوئی مذہب ایسا ہے جو خدا کی نسبت ایسی تعلیم دے جو نفع انسانی کی ترقی
کے ابتدائی منازل سے ہی متعلق ہو اور نفع انسانی تہذیب یافتہ ہو کہ اس منزل سے
آگے بڑھ گئی ہو اور وہ اس کے پیش کردہ تصویرِ الہی کی نکتہ چینی کر سکے تو وہ مذہب
عالم گیر نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اگر کسی مذہب کا معبود چوری یا زنا کاری کا مرتکب ہوا ہو تو
ایسا معبود دورِ حاضرہ میں ہرگز قابلِ پرستش نہیں ہو سکتا۔ ایسے معبود کی تعظیم نفع انسانی

کی ترقی کی ابتدائی منازل سے متعلق ہے لیکن اب نسل انسانی نے اس قدر ترقی کر لی ہے کہ وہ ایسے معبود کی تکریم تو درکنار اس کو حقارت کی نظر سے دیکھے گی x x

پس لازم ہے کہ عالمگیر مذہب کے اصول نہایت اعلیٰ، ارفع اور بلند پایہ کے ہوں۔ یہ لازمی امر ہے کہ عالمگیر مذہب خدا کی نسبت ایسی تعلیم دے جس کے سامنے ہر زمانہ، ملک اور قوم کی گردنیں جھک جائیں۔ عالمگیر مذہب کا تصور خدا ایسا ہونا چاہیے کہ نوع انسانی اپنی ترقی کی انتہائی منازل میں بھی اس سے بالاتر تصور خیال میں نہ لاسکے۔ انسانی قوت مخیدہ اس سے زیادہ بلند پروازی نہ کر سکے بلکہ اس تصور کو فہم میں لانے سے قاصر ہے اور چاروں اچار اپنے عجز اور ناطاقتی کا اقرار کرے۔

اے زخیال مابروں۔ در تو خیال کے رسد باصفت تو عقل را لان کمال کے رسد
کنگر گریبانے تو بہت فسد از لامکان طاثر ما در آں ہوا بے پرو بال کے رسد
صرف ایسا مذہب ہی انسان کے سامنے بلند ترین اخلاقی نصب العین رکھ سکتا ہے کیونکہ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ کوئی قوم اپنے معبود کے اوصاف سے آگے نہیں بڑھ سکتی جس مذہب میں خدا کا تصور اعلیٰ ترین پایہ کا ہوگا۔ اس مذہب میں انسان کے متعلق بھی اعلیٰ ترین قسم کی تعلیم ہوگی۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں نہایت گہرا رشتہ ہے۔ حقوق العباد کا انحصار خدا کے تصور پر موقوف ہے۔ اگر کسی مذہب میں خدا کا تصور ادنیٰ قسم کا ہے تو اس مذہب میں انسانوں کے باہمی سلوک کی نسبت جو تعلیم ہوگی وہ بھی نہایت ادنیٰ پایہ کی ہوگی۔ اگر کسی قوم کا معبود شرابی، چور یا زنا کار ہوگا تو یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ اس مذہب کا اخلاقی نصب العین اعلیٰ قسم کا ہو۔ اس مذہب کی تعلیم میں شراب، چوری، زنا کاری وغیرہ اعمال سنہ شمار کئے جائیں گے۔ لیکن اگر کسی مذہب میں خدا کا تصور اعلیٰ ترین پایہ کا ہوگا تو اس کا اخلاقی نصب العین اعلیٰ پایہ کا ہوگا۔ عالمگیر مذہب کے لئے ضروری ہے کہ نہ صرف اس میں خدا کا تصور ہی ایسا ہو جس کے سامنے ہر زمانہ، قوم اور ملک کے افراد کی گردنیں جھک جائیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا اخلاقی نصب العین

کے ناظرین! پادری صاحب کے اس مقولہ کو یاد رکھیے (مجیب)

ایسا ہو کہ نبی نوع انسان اپنی ترقی کی دوڑ میں اس سے آگے نہ گزر سکے۔ بلکہ چون چون انسان ترقی کرتا جائے یہ نصب العین افتق کی طرح اس کی نظر کے آگے آگے چلتا جائے یا جس طرح کوئی شخص ایک پہاڑی کی بندی پر پہنچ جاتا ہے تو اس سے آگے بندی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ ایک اور پہاڑی کی بندی اس کو نظر آتی ہے۔ اسی طرح جب نوع انسان اخلاقی ترقی کے زینہ کی ایک بندی کو حاصل کرے تو وہاں بھی اس کو اخلاقی نصب العین کی بندی نظر آئے جو راہنما کا فرض ادا کرے۔ عالمگیر مذہب کا اخلاقی نصب العین ایسا بلند اور ارفع ہونا چاہیے کہ نوع انسانی اپنی ترقی کی مختلف منازل میں جس اور ج پہ بھی پہنچے اس کی رفعت اور بندی کو ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے رکھ سکے۔ پس عالمگیر مذہب کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ اس میں ذات الہی کی نسبت ایسی تعلیم ہو جس کے سامنے ہر ملک قوم، نسل اور زمانہ کے ہر مسلم ختم ہو جائیں اور اس مذہب کا اخلاقی نصب العین ایسا اعلیٰ اور بلند پایہ کا ہو کہ نوع انسانی اپنی ترقی کے اعلیٰ زینہ پر بھی اس کو پیش نظر رکھ سکے اور وہ اس کا دائمی راہنما ہو سکے۔

عالمگیر مذہب کے اصول عالم گیر ہوں | اس پہلی شرط کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عالمگیر مذہب کے اصول عالمگیر ہوں۔ کوئی مذہب عالمگیر کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا جس کے اصول عالمگیر نہ ہوں۔ جس مذہب کے اصولوں میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ ہر ملک قوم، زمانہ اور نسل کے لوگوں پر عادی ہو سکیں۔ وہ مذہب صرف ایک قوم یا ملک یا زمانہ یا پشت کے لوگوں کے لئے ہی مفید ہو سکتا ہے لیکن اس کے اصول کا اطلاق کسی دوسری قوم یا پشت کے لوگوں پر نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ دونوں قوموں اور پشتوں کے حالات یکساں نہیں ہوتے اور جو مذہب صرف ایک قسم کے حالات کے لئے مفید ہے وہ دوسری قسم کے حالات کے لئے مفید نہیں ہوتا۔ بعض مذاہب ایسے ہیں جو گذشتہ زمانہ میں خاص حالات کے ماتحت نہایت کامیاب ثابت ہوئے لیکن جب وہ حالات بدل گئے اور زمانہ نے پٹا کھایا تو وہ مذاہب نئے حالات اور خیالات کے سامنے

لے ناظرین! پادری صاحب کے اس مقولہ کو یاد رکھئے (عجیب) لے دور! (عجیب)

قائم نہ رہ سکے۔ پس مابعد کے زمانہ اور پشت کے لئے وہ مذاہب کسی کام کے نہ رہے۔ جس طرح پرانے سالوں کی جنتریاں بے کار ہوتی ہیں۔ بقول شخصے ع
کہ تقویم پارسی نہ آید بکار

اسی طرح یہ مذاہب بھی بے سود ہو جاتے ہیں اور پرانے زمانہ کی داستانوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ دورِ حاضرہ کے لئے ان کا وجود اگر ضرورساں نہیں ہوتا تو کم از کم عدم وجود کے برابر ہوتا ہے۔

پس لازم ہے کہ عالمگیر مذاہب کے اصول ایسے ہوں جو یہ صلاحیت رکھتے ہوں کہ ہر ملک، قوم، نسل، اور زمانہ پر حاوی ہو سکیں۔ کسی ملک یا قوم یا زمانہ کے لئے اس مذاہب کے اصول دقیقاً نوسی، بوسیدہ یا فرسودہ خیال نہ کئے جائیں۔ مثلاً اگر کوئی مذاہب ایسا ہے جو درجہ بندی یا ذات پات یا مناقشتِ جنگ و جدل، عداوت وغیرہ کی تعلیم دیتا ہے تو یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ کسی ایک ملک و قوم کے خاص حالات کے اندر کسی خاص زمانہ میں کامیاب ثابت ہوا ہو لیکن ایسا مذاہب دیگر قوموں، نسلوں اور زمانوں کے لئے ہرگز راہ نما کا کام نہیں دے سکتا۔ یا اگر کوئی مذاہب ایسا ہے جس میں بچوں، عورتوں، غلاموں، مظلوموں وغیرہ سے برسلو کی روارکھی گئی ہے تو اسے مذاہب کے اصول کسی خاص پشت یا زمانہ یا ملک پر ہی حاوی ہو سکتے ہیں ان میں یہ اہمیت ہرگز نہیں کہ اقوامِ عالم اور کل دنیا کے ملک و ازمنہ پر حاوی ہوں، کوئی مذاہب عالمگیر نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ اس کے اصول اپنے اندر اقوام و ممالک پر حاوی ہونے کی صلاحیت نہ رکھیں۔

(۱۲) پس لازم ہے کہ عالمگیر مذاہب کے اصول نہ صرف زمانہ ماضی کے لئے کسی خاص قوم یا پشت یا ملک یا زمانہ کے صحیح رہبرہ چکے ہوں بلکہ یہ بھی ضروری امر ہے کہ ان اصولوں کا اطلاق بعدِ حاضرہ کے تمام ممالک و قبائل و اقوام پر ہو سکے جو دورِ صدی میں اور گذشتہ صدی میں جو تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئی ہیں وہ سب

گذشتہ تاریخ دیکھنے کو کھرا رہتی ہیں (محبیب)

پر عیاں ہیں۔ اور اربابِ دانش سے یہ معنی نہیں کہ موجودہ پشتِ مذہب کے اصول کو اس نکتہ نظر سے نہیں دیکھتی جس سے اس کے آباؤ اجداد مذہب کو دیکھتے تھے۔ عالمگیر مذہب کے لئے لازم ہے کہ اس کے اصول دورِ حاضرہ کے لوگوں کی اسی طرح کامیابی کے ساتھ رہنمائی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں جس طرح کسی گذشتہ پشت کے لوگوں کی رہنمائی کرنے میں وہ کامیاب ہوئے تھے۔ اگر ان اصولوں میں یہ اہلیت موجود نہیں تو وہ اصول عالمگیر نہیں ہو سکتے اور نہ وہ مذہب عالمگیر کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے پس اگر کوئی مذہب عالمگیر ہونے کا اس بنا پر دعوے کرے کہ کسی گذشتہ زمانہ میں وہ کسی ملک یا قوم کے مسائل کی گتھیاں سلجھانے میں کامیاب رہا ہے عین دورِ حاضرہ پر اپنے اصول کا اطلاق نہ کر سکے۔ تو اس مذہب کا دعوے پھر سلطانِ بود سے زیادہ وقت نہیں رکھ سکتا۔ لہذا کوئی مذہب محض اپنی قدامت کی وجہ سے یا کوئی دعوے محض سناتنی ہونے کی بنا پر عالمگیر نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ وہ یہ ثابت نہ کر سکے کہ اس کے قدیم یا سناتنی اصول دورِ حاضرہ کے تمام ممالک و اقوام کے مختلف مسائل کو کامیابی کے ساتھ حل کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

(۳) عالمگیر مذہب کے لئے یہ لازم ہے کہ نہ صرف اس کے اصول زمانہ گذشتہ اور دورِ حاضرہ کے ممالک و اقوام کے رہنما ہو سکیں بلکہ مستقبلِ زمانہ کے تمام ممالک و اقوام ازمنہ کے لئے بھی وہ مشعلِ ہدایت ہو سکیں۔ یہ اشد ضروری امر ہے کہ عالمگیر مذہب کے اصول نہ صرف نوری انسانی کی گذشتہ دور میں کام آئے ہوں یا موجودہ ترقی کی منزلوں میں کام آسکتے ہوں۔ بلکہ یہ زیادہ ضروری ہے کہ آئندہ زمانہ میں بھی جوں جوں نسل انسانی ترقی کرتی جائے یہ اصول اس کی ترقی کی راہ کو اپنے نور سے روشن کرتے جائیں تاکہ نسل انسانی روز بروز ترقی پذیر ہو کر کامل ہوتی جائے اور خالق کے اس ارادہ کو پورا کر سکے جس کے واسطے خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ انسان کا خلق ہونا اور نوری انسانی کا وجود یہ ثابت کرتا ہے کہ ازل سے خدا نے کسی خاص مقصد کو مد نظر

ملہ ناظرین! پوری صاحب کی طول کلامی سے گھبرائیے نہیں بلکہ دیکھتے چلیے (معیب)

رکھ کر انسان کو پیدا کیا تھا۔ عالمگیر مذہب کا یہ کام ہے کہ اس منشا سے الہی کو پورا کرے اور نوع انسانی کو اس کی ترقی کی مختلف منازل میں ایسی شاہراہ پر چلائے جس پر چل کر وہ خدا کے ازلی مقصد کو پورا کرے۔ پس لازم ہے کہ عالمگیر مذہب نہ صرف نوع انسانی کے ابتدائی مرحلوں میں اس کا ساتھ دے اور زمانہ گذشتہ میں اس کا صحیح رہنما رہا ہو بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ دورِ حاضرہ میں ماورائے آئندہ زمانوں میں بھی کل انسان اس مذہب کے ذریعہ اپنی نوع کی ترقی کی آخری منزلوں کو طے کر کے خدا کے ازلی ارادہ کو پورا کر سکیں۔ اگر کوئی مذہب نوع انسانی کی تمام منزلوں میں اس کا ساتھ نہیں دے سکتا تو وہ مذہب یقیناً عالم گیر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ بالفاظ دیگر جو مذہب زمانہ ماضی میں ہی نوع انسانی کے کام آیا ہو یا صرف دورِ حاضرہ کے سیاسی یا معاشرتی مسائل کو عارضی طور پر ہی حل کر سکے لیکن زمانہ مستقبل میں نوع انسانی کی ترقی کی آخری منزلوں میں اس کا ہادی اور راہ نما نہ ہو سکے وہ مذہب کسی صورت میں عالمگیر مذہب نہیں ہو سکتا۔ ایسا مذہب تاریخ کے صفحوں میں اپنے لئے جگہ حاصل کرے گا کیونکہ نوع انسانی کی تاریخ میں وہ کسی زمانہ میں انسان کے کام آیا تھا لیکن چونکہ وہ آئندہ زمانہ میں انسان کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ کوئی زمانہ ایسا آئے گا جب وہ زندہ مذہب نہیں رہے گا۔ بلکہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ہی وہ مذہب بھی مردہ ہو جائے گا۔ عالمگیر مذہب وہ ہے جس پر نوع انسانی کی بقا کا انحصار ہو اور آئندہ زمانہ میں بھی اس پر بنی نوع انسان کا دار و مدار ہوتا کہ کل ممالک و اقوام کی آئندہ نسلیں اس کی راہنمائی کے ماتحت اپنی ہستی کے تمام مراحل کو طے کر کے منشا الہی کو پورا کر سکیں۔ (سیمیت کی عالمگیری ص ۱۶۴)

مجیب | ناظرین کرام! عبارت مرقومہ کو بغور ملاحظہ فرمائیے کہ کس قدر حشو و زوائد سے پر ہے سارا مضمون چند سطروں کا ہے جس کے لئے انہوں نے اپنی کتاب کے قریباً آٹھ صفحے چرکے ہیں۔ باوجودیکہ ہم نے منقولہ عبارت سے کچھ حذف بھی کر دیا ہے تاہم یہ اتنی لمبی ہے کہ ٹائلرِ خاطر کی موجب ہو رہی ہے۔

پادری صاحب کی مثال | انجیل یوحنا کے اخیر میں لکھا ہے کہ :-

اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع نے کئے ہیں اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی جاتی ہیں ان کے لئے دنیا میں گنجائش نہ ہوتی۔ ریحنا انجری

نقرات

ہم نے جب کبھی اس عبارت کو پڑھا اس کا مطلب ہماری سمجھ میں نہ آیا۔ ہم یہ بھی نہ کہہ سکتے تھے کہ یہ شاعرانہ مبالغہ ہے۔ کیونکہ ایسے مبالغے شاعر لوگ کیا کرتے ہیں۔ مرزا غالب مرحوم کہتے ہیں۔

س میں نے رو کا رات غنالب کو گر نہ دیکھتے

اس کے اشک چشم سے گردوں کف سیلاب تھا

لیکن ہم یوحنا کی عبارت مذکورہ کو مبالغہ پر محمول نہ کر سکتے تھے کیونکہ الہامی نوشتوں میں ایسے مبالغے نہیں ہوا کرتے۔ پادری بکت اللہ کی تصنیفات دیکھ کر ہمارا استعجاب دور ہو گیا۔ ہم سمجھ گئے کہ مقدس یوحنا کے زمانہ میں بھی موصوف جیسے لوگ ہوں گے جو اگر حضرت مسیح کی عمر کے چند سالہ واقعات لکھنے بیٹھتے تو واقعی اس قدر زیادہ تعداد میں کتابیں لکھی جاتیں کہ بقول مقدس یوحنا

روئے زمین پر نہ سما سکتیں۔ سچ ہے سہ

لے تو بخت میں لے لوں زبان برکت کی

عجیب چیز ہے یہ طول دعا کے لئے

نوٹ :- پادری صاحب موصوف کی تصنیفات میں ہم نے جس بات کی کمی دیکھی ہے

وہ قوت استدلالیہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ قوت اگر کسی میں ہو بھی تو بھی ایسے بدیہی المبتلان دعوئے (الوہیت انسان) کو کہاں تک ثابت کر سکتا ہے۔ دو دو کو پانچ ثابت کرنے کے لئے قوت استدلالیہ کام نہیں دے سکتی۔ ہاں شاعرانہ طریق پر کوئی شخص اپنا خیال ظاہر کر دے تو الگ بات ہے جس کی مثال یہ ہے کہ

حکمائے یونان اور متکلمین اسلام میں جزو لایعجزی کی تقسیم پر بڑی بسیط بحثیں ہوئیں ہر ایک

لہ متکلمین کا مذہب ہے کہ پیدائش عالم اجزائے لایعجزی سے ہوئی ہے۔ جزو لایعجزی اس چھوٹی سی چیز کو کہتے ہیں جو کٹ نہ سکے۔ حکمائے یونان اس کے وجود سے انکاری ہیں ہر حال یہ مسئلہ ان دونوں گروہوں میں تنازعہ ہے

فریق نے اپنا اپنا زور دکھایا مگر ایک شاعر نے آسانی سے جزو لایہ تجزی کو تقسیم کر کے دکھادیا
چنانچہ وہ کہتا ہے ۵

تقسیم جزو لایہ تجزی کی ہو گئی
سہواً سخن جوان کے دہن سے نکل گیا

ہندوستان میں پادری فنڈر سے لے کر آج تک جتنے عیسائی مصنفین گزریے ہیں کم و بیش
سب کی تصنیفات ہم نے دیکھی ہیں مگر جو طریقہ تصنیف پادری برکت اللہ صاحب نے اختیار کیا ہے
وہ کسی اور پادری کی تصنیف میں نہیں ملتا۔ حالانکہ یہی عقیدہ کے لحاظ سے وہ بھی غلطی پر ہیں
پادری صفدر علی ہوں یا مسٹر اکبر مسیح، پادری فنڈر ہوں یا پادری عماد الدین وغیرہ یہ سب اپنے
اپنے طریق پر لکھنے والے تھے، مگر پادری برکت اللہ کا طرزِ تحریر ان سب سے زالا ہے۔ فرق صرف
اتنا ہے کہ ان کے الفاظ بامعنی ہوتے تھے مگر ان کے الفاظ کے معانی کھوج لگانے سے بھی
نہیں ملتے۔ چہ ہے ۵

ہوا تھا کبھی سرِ مسلم قاصدوں کا
یہ تیرے زمانہ میں دستور نکلا

خادمِ دین اللہ

ابوالوفاء ثناء اللہ کفاح اللہ امرتسری

مارچ ۱۹۴۱ء
صفر ۱۳۶۰ھ

تشریح

قاضی برکت اللہ صاحب نے اپنی ان تصنیفات میں بہت سی باتوں کا اظہار کیا ہے۔ جو بحقیقت اہل مذہب ہونے کے ان کو زیبا نہ تھا۔ دنیاوی عدالتوں میں فریقین کے اس فعل کو مستحسن سمجھا جاتا ہے مگر مذہبی مناظرات میں جو خدا کی عدالت میں پیش ہوتے ہیں۔ واقعات صحیحہ کا اظہار کسی طرح جائز نہیں ہے۔ اسی بنیادی پتھر کی طرف راہنمائی کرنے کو خدا نے ہدایت فرمائی ہے۔ وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ رِبًّا عَاقِبَاتِهَا

(اہل کتاب کے ساتھ بہترین طریق سے مناظرہ کیا کرو)

اظہار کے حق اور واقعات کو چھپانا کوئی احسن طریق نہیں ہے۔ پادری صاحب نے جن جن واقعات کو چھپایا ہے۔ موقع موقع ہم ان کو ظاہر کرتے جائیں گے۔ یہاں بطور تمہید ایک امر کا اظہار کرتے ہیں جو یہ ہے کہ :-

موسوی شریعت عیسائی مذہب میں واجب العمل ہے۔ اس کے علاوہ عیسائی مذہب میں شریعت کی کوئی کتاب نہیں ہے۔ حضرت مسیح کا قول انجیل میں مرقوم ہے آپ فرماتے ہیں :-

یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو فسخ کرنے آیا ہوں۔ فسخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ تورات سے ہرگز نہ ملے گا۔ جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا اور پی آدمیوں کو سکھائے گا وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا (متی باب ۵ فقرہ ۱۷ تا ۱۹)

محبیب | یہ مسیحی ارشاد ایک اصل الاصول (بنیادی پتھر ہے) کسی مسیحی مصنف کے کلام کی صحت جانچنے کے لئے موسوی تورات یا نبیوں کے صحیفوں کی شہادت ضروری ہے

59892

پادری صاحب خود بھی اس بنیادی اصول کو تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے الفاظ اس بارے میں یہ ہیں۔

بائبل شریف کی عالمگیری | دنیا میں بائبل مقدس ہی ایک واحد کتاب ہے جو صدیوں سے ہزاروں ملکوں اور قوموں کے کروڑوں افراد کے نزدیک آج بھی ویسی ہی وقعت کے قابل ہے جیسی وہ اس زمانہ میں تھی جب وہ تحریر میں آئی۔ حق تو یہ ہے کہ جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے یہ کتاب نیا وہ قابل احترام خیال کی جاتی ہے۔ اقوام عالم گھاس کی طرح مرجھا جاتی ہیں اور دنیا کی پشتیں اور نیسلیں پھول کی طرح کسلا جاتی ہیں۔ لیکن ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے۔ (مسیحیت کی عالمگیری صفحہ ۱۰۰)

مجیب | پادری صاحب کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ باوجود اس اعتراف کے کہ بائبل ایک عالمگیر مذہبی کتاب ہے اپنے ستم مسیحی مذہب کی نسبت یوں رقمطراز ہیں۔

آپ مسیح کی تعلیم میں اور عہد عتیق کی تعلیم میں درحقیقت کوئی نسبت ہے نہیں۔ آپ صاحب اختیار کی طرح فراتے تھے۔

”تم سن چکے ہو کہ انگوٹوں سے کہا گیا..... لیکن میں تم سے کہتا ہوں“

آپ مسیح کے خیالات یہودیت کی عین ضد تھے (مسیحیت کی عالمگیری صفحہ ۱۰۰)

ناظرین کرام | اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ پادری صاحب مسیحی تعلیم کو یہودی تعلیم (موسیوی) شریعت سے بالکل جدا بلکہ مخالف بتاتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ چند صفحات آگے چل کر پھر اس بات کو بھول جاتے ہیں اور اس بھول میں آپ لکھتے ہیں:-

پولوس رسول نے ثابت کیا کہ مسیحیت یہودیت کی تکمیل ہے ہر سالہ مسیحیت کی عالمگیری صفحہ ۱۰۰)

کوئی طالب علم جس نے عربی میں منطق یا کالج میں لاجب پڑھی ہو، میں بتائے کہ ایک

لے بائبل حضرت موسیٰ اور ملیکی کے مصنف کے علاوہ تمام انبیاء نے نبی اسرائیل کے صحیفوں پر نازل ہے۔ انجیل کو عہد نامہ جدید اور پہلے صحیفوں کو عہد نامہ قدیم کہا جاتا ہے (مجیب)

خند دوسری خند کی تکمیل ہو سکتی ہے۔ سیاہ اور سفید رنگ یا کبیرا اور سرخ رنگ ایک دوسرے
 کی خند ہیں۔ پھر کیا یہ رنگ ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں یا فنا کرتے ہیں؟ سفید کپڑے پر
 سیاہ رنگ چڑھایا جاتے تو سفید کی تکمیل ہوگی یا فنا ہو جائے گا۔ پادری صاحب کے ایسے دعاوی
 من کر لے ساختہ ہمارے منہ سے نکل جاتا ہے۔

ہوا تھا کبھی کس قلم قاصدوں کا
 یہ تیرے زمانہ میں رکتور نکلا

باب اول

تشریح القرآن بجواب لوین توضیح البیان

سب سے پہلے ہمارے زیر نظر وہ رسالہ ہے جس کا نام آپ نے توضیح البیان فی اصول القرآن رکھا ہے۔ اس میں آپ نے جو امر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے یا زعم خود ثابت کر دیا ہے وہ اس عبارت سے ظاہر ہے جو بالفاظ ذیل اس رسالہ کے سرورق پر مرقوم ہے۔

”اسلام کے اصول میں عالمگیر ہونے کی صلاحیت نہیں ہے۔“

کیوں نہیں؟ اس کی تفصیل اس رسالہ میں بتائی گئی ہے۔

چونکہ یہ لازمی امر ہے کہ آپ جس چیز کی اسلام سے نفی کریں پہلے اس کی تعریف بتائیں ایسا کرنا آپ کا فرض تھا۔ اسی لئے آپ نے اس فرض کو اچھی طرح دیکھا ہے چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

”عالمگیر مذہب کی لازمی شرط یہ ہے کہ اس کے اصول دنیا کے کل ممالک اور اقوام پر عادی ہو سکیں۔ اور اس کا پیغام یہ اہمیت رکھتا ہو کہ زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہو اور کسی خاص قوم یا زبان یا ملک سے متعلق نہ ہو تاکہ ہر قوم اور ملک اور زمانہ کے افراد اپنے خاص حالات پر اس کا اطلاق کر کے اس کی تعمیل کر سکیں۔“

(توضیح البیان ص ۱۵)

مجیب | عالمگیر مذہب کی یہ تعریف ہمیں بھی مسلم ہے اور آئندہ بھی مستم رہے گی مگر اس کے ساتھ ہی ہم آپ کا یہ قول بھی منضم کرتے ہیں کہ۔

”جس مذہب کے اصولوں میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ ہر ملک، قوم، زمانہ اور نسل کے لوگوں پر عادی ہو سکیں وہ مذہب صرف ایک قوم یا ملک یا زمانہ یا نسل کے لوگوں کے لئے

ہی مفید ہو سکتا ہے (سعیت کی عالمگیری ص ۱۱)

اس کے ساتھ ہی آپ کا یہ فقرہ بھی ملتے ہیں کہ۔

”عالمگیر مذہب کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ اس میں ذات الہی کی نسبت ایسی تعلیم ہو

جس کے سلسلے ہر ملک، قوم، نسل اور زمانہ کے تیسرے تسلیم ہو جائیں (حوالہ مذکور)

اظہار تعجب | پادری برکت اللہ کے نام کے ساتھ تعلیم لے کر ڈگری لکھی ہوئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ذی علم صاحبِ قلم ہیں۔ آپ نے عربی میں منطق نہ پڑھی ہو تو انگریزی میں لاجب ضرور پڑھی ہوگی۔ اس لحاظ سے میں آپ کا ایک فقرہ نقل کرتا ہوں جو اس سے پہلے طول کلامی کی مثال میں بھی آچکا ہے وہ یہ ہے کہ

”پہلی شرط کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عالمگیر مذہب کے اصول عالمگیر ہوں۔ کوئی مذہب

عالمگیر کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا جس کے اصول عالمگیر ہوں۔“

عجیب | منطق کی ہر چھوٹی بڑی کتاب میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ کسی چیز کی تعریف (ڈیفینیشن) دوری نہیں ہونی چاہیے۔ دوری تعریف اس کو کہتے ہیں جس میں معرف یا اس کا کوئی جزویا یا اس سے مشتق کوئی لفظ تعریفی الفاظ میں کر دیا جائے جیسے انسان کی تعریف یوں کریں کہ انسان وہ ہے جس میں انسانیت ہو۔ یا حیوان کی تعریف میں کہیں کہ حیوان وہ ہے جس میں حیوانیت پائی جائے۔

پادری صاحب کے مذکورہ فقرہ میں یہ دوری تعریف صراحتاً پائی جاتی ہے ایسے حکم کے تحت میں اہل منطق کہا کرتے ہیں۔

تو آشنائے حقیقت نہ خطا میں جا است

پادری صاحب کی غلطی | اصولِ مناظرہ کے متعلق چاہیے تو یہ تھا کہ پادری صاحب اپنی کتاب کے عنوان کو ملحوظ رکھ کر صرف اصولِ قرآن پر بحث کر کے اس جامع تعریف کے لحاظ سے ان کا کم درجہ ہونا ثابت کرتے مگر آپ نے جو کچھ کہا ہے وہ نہ صرف علمِ مناظرہ کے خلاف ہے بلکہ موجودہ عدالتوں میں مروجہ طریق گفتگو کے بھی مخالف ہے

عدالتی مثال | ایک شخص دعوے کرتا ہے کہ میرا غلام مقرض اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اس

دیوالیہ قرار دیا جائے۔ عدالت کہتی ہے کہ اس کا ثبوت کیا ہے؟ تو جواب میں شخص مذکور کہتا ہے کہ میری دوکان خوب چلتی ہے اور میرے باپ دادا کا کارخانہ بڑا بارونق ہے۔

ناظرین انصاف سے بتائیں کہ عدالت اس جواب پر توجہ کرے گی؟ اس کے مطابق پادری صاحب کی تفریح منٹے! آپ عالمگیر مذہب کی تعریف بنا کر لکھتے ہیں کہ:-

”ہم نے اپنی کتاب مسیحیت کی عالمگیری کے باب دوم میں یہ ثابت کیا ہے کہ مسیحیت کی تعلیم کی اساس خدا کی محبت اور اہلبوت اور انسانی اخوت اور مساوات ہیں۔ اس حقیقت سے کسی صاحب عقل کو انکار کی مجال نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ مسیحیت کے یہ اصول اعلیٰ ترین ہیں اور زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہیں۔ لہذا ہر زمانہ میں ہر ملک اور

قوم کے افراد ان پر عمل کر سکتے ہیں۔ (توضیح البیان ص ۱۰)

ناظرین ذرا غور کریں کہ مسیحی مذہب کی عالمگیری کا ثبوت دینے کے لئے یہ کتاب نہیں لکھی گئی بلکہ قرآن مجید کی تعلیم سے عالمگیری کی نفی کرنے کے لئے لکھی گئی ہے۔ پھر شروع ہی میں مسیحیت کا ذکر کیوں کیا ہے۔

(نوٹ) اس اقتباس میں آپ نے جو اپنی کتاب مسیحیت کی عالمگیری کا ذکر کیا ہے۔ ہم بھی آگے چل کر باب دوم میں اس کتاب کا ذکر کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس کے بعد اسلام کے متعلق آپ لکھتے ہیں:-

”اسلام میں خدا کے ننانوے نام ہیں لیکن ان ننانوے ناموں میں ”اب“ یعنی باپ کا نام موجود نہیں اور نہ اس لفظ کا لطیف اور پاکیزہ مفہوم کسی اور نام سے قرآن میں موجود ہے۔ خدا کے تصور ”اب“ یا ”رب“ ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ پہلا تصور کلمۃ اللہ کا ہے دوسرا تصور اسلامی تصور ہے جو اسلام کی طبیعت، اصول اور شیوہ کا مظہر ہے یہی تصور اسلام کے عالمگیر مذہب ہونے کے مانع ہے۔ رب کا تصور اسلام کی روح رواں ہے اور آنحضرت نے دیر و دانستہ اس کو ”باپ“ کے تصور کی بجائے قائم

کیا تاکہ خدا کے ”باپ“ ہونے کا تصور لوگوں کے دلوں سے نکل جائے (ص ۱۰)

مجیب | بالکل صحیح فرمایا ہے اب کے معنی باپ کے ہیں۔ باپ کے لفظ کی تشریح کی

ضرورت نہیں سب کے معنی میں دو بلکہ تین مفہوم داخل ہیں۔ مثلاً اگر زید کسی کا آب ہے تو اس کا تصور تین مفہوموں پر مشتمل ہوگا (۱) زید کی ذات (حقیقت ذواضافت ۲) زید کی بیوی (۳) وہ ولد جس کا زید باپ ہے۔ جب تک کسی شخص کی اہوت میں ان تین مفہوموں کا تصور نہ ہو وہ کسی کا آب نہیں کہلا سکتا۔ آپ نے سچ فرمایا ہے کہ آنحضرت نے بلکہ خدا نے اب کے تصور سے ہٹانے کے لئے رب کا لفظ استعمال کیا کیا آپ کے خیال میں اسلام نے اب کا لفظ بلاوجہ ترک کیا، بلاوجہ نہیں بلکہ اس کی دلیل ایسی بتائی جو اب کہنے والوں کے خیالی قلعے پر ہم کا سا اثر کر گئی۔ چنانچہ ارشاد ہے

اَللّٰی یَكُوْنُ لَهٗ وَاٰلِهٖ سَمٰوٰتٌ سٰمٰوٰتٌ
 (خدا کی اولاد کیسے ہوگی اس کی تو بیوی ہی نہیں)

(خدا کی اولاد کیسے ہوگی اس کی تو بیوی ہی نہیں)

کیسی فلسفیانہ اور دقیق دلیل ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ٹرائیکل (تین پہیوں والا سائیکل) کا ایک پہیہ ٹوٹ جائے یا توڑ دیا جائے تو دوسرے دو پہیے خود بخور بیکار ہو جائیں گے۔

ازالہ شبہ شاید پادری صاحب اور ان کے ہم نواؤں کو خیال گزرے کہ ہم خدا کو ان معنی میں اب نہیں جانتے جن معنی کے لحاظ سے اب کے اندر تین مفہوم داخل ہیں تو جواب یہ ہے کہ وہ کونسی ضرورت داعی ہے کہ آپ اب کا لفظ استعمال کریں جو موسم غلطی ہے اور اب کا لفظ چھوڑ دیں جو بالکل صاف ہے۔

اب کا لفظ صرف موسم غلطی ہی نہیں بلکہ عیسائیوں کے ایک بڑے گروہ کو غلطی میں ڈال چکا ہے۔ پادری علی بخش صاحب لکھتے ہیں کہ:-

”بعض مسیحیوں نے مریم کو ملکہ آسمانی اور خدا کی جو رو کہا ہے (معاذ اللہ)
 (تفسیر مصنفہ پادری علی بخش صاحب جلد اول ص ۳۲۱)

خدا بھلا کرے | پادری سلطان محمد خاں کا جنہوں نے رب اور اب کے معنی بتا کر پادری برکت اللہ کی غلطی کی اصلاح کر دی۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ:-

”خدا کو باپ کہنے کا یہ مطلب ہے کہ خدا ہمارا خالق، مالک اور پروردگار ہے وہ تمام کائنات کا حقیقی بادشاہ اور فرماں روا ہے (انوت لاہور بابت دسمبر ۱۹۳۹ء ص ۲۱)

مجیب | اب کے معنی کی یہ تشریح ایسی ہے جو فیصلہ کن ہے مگر چونکہ ہر ایک شخص کا دماغ اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا جہاں تک پادری سلطان محمد خاں کا پہنچا ہے۔ اس بنا پر اب کے لفظ سے غلطی لگ جانا ممکن ہے بلکہ واقعہ ہے اس لئے اسلام نے اس لفظ (اب) کے استعمال سے مسلمانوں کو منع کر دیا۔ پس پادری برکت اللہ کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ:-

۲ حضرت نے دیرہ دانتہ اس لفظ (رب) کو باپ (اب) کے تصور کی بجائے قائم کیا۔ پس اسلام آپ کے الزام کا التزام کرتا ہوا کہتا ہے

مجھ میں اک عیب بڑا ہے کہ وفادار ہوں میں

مزید برآں دنیا کے کسی ملک میں چلے جائیے ان کی زبان کا استعمال دیکھئے کہ وہ خدا کو اب (باپ) کہتے ہیں یا رب (پروردگار) کہتے ہیں۔ اس تحقیق کے بعد آپ کو یقیناً معلوم ہو جائیگا کہ دنیا کی اکثر آبادی خدا کو رب کہنا پسند کرتی ہے اور یہی اس کے عالمگیر ہونے کا ثبوت ہے۔

دوسرا اعتراض | آپ لکھتے ہیں کہ:-

اسلام کا اللہ ہی القیوم، قادر مطلق، تبار اور تبار ہے۔ اس کا اور خلق کا باہمی تعلق خود مختار سلطان اور رعیت، آقا اور غلام کا تعلق ہے۔ خدا اور اس کی مخلوق میں باپ اور بیٹے کا تعلق نہیں۔ اگر اللہ ہر بان، ہنغار اور الرحمن الرحیم ہے تو اپنی پدرانہ شفقت اور ازلی محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ خسر و از غنایات کی وجہ سے ہے۔ اگر آقا چاہے تو اپنے غلام کو معاف کرے اگر چاہے تو سزا دے۔ سب کچھ اللہ کی مطلق العنان مرضی پر موقوف ہے جس کو چاہے معاف کرے جس کو چاہے عذاب دے۔

(بقرہ آیت ۲۸۴- آل عمران ۲۵، ۲۵، ۲۴ وغیرہ) (توضیح البیان ص ۱۱۶)

مجیب | آپ نے پدرانہ شفقت کو خدائی ربوبیت سے بالاتر سمجھا ہے۔ یہ غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پدرانہ شفقت رب کی غیر محدود شفقت میں سے شمر بھر ہے اور وہ بھی اسی کی دی ہوئی۔ دیکھئے شیخ سعدی جیسا معلم اخلاق دونوں شفقتوں کا مقابلہ کرتا ہوا

کتاب ہے،

اگر باپ پر جنگ جوید کسے پدربے گماں خشم گیر دے بسے
 ولیکن خنداوند بالاد پست بھصیاں در رزق بر کس نہ بست
 اس اعتراض کا دوسرا حصہ آپ کے الفاظ میں یہ ہے۔

”قرآن کا اللہ ایک قادر مطلق سلطان ہے جو ایک ذمہ دار ہستی نہیں بلکہ اللہ جو چاہے حکم دے“ (۱) (آیت ۱) لہذا قرآنیوں کے وسیلہ سے اس کو خوش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن مسیحیت کا خدا محبت کا خدا ہے وہ گنہگار کی موت نہیں چاہتا؛ بلکہ یہ چاہتا ہے کہ گنہگار اس کی جانب رجوع کرے جس طرح دنیاوی باپ کی محبت اور دنیاوی ماں کی ممتا اس بات کی متقاضی ہے کہ ان کا نافرمان بیٹا ان کی جانب رجوع کرے اور اس بات کے لئے وہ ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اسی طرح خدا کی محبت اس بات کی متقاضی ہے کہ وہ ہر ممکن طور سے گنہگاروں کو اپنی جانب لائے
 (پوچھنا ۳: ۱۶ - متی ۱۸: ۱۴ - مرقس ۱۶: ۱۲ وغیرہ)

مجیب | بندوں کے ساتھ خدا کی محبت کا ثبوت قرآن مجید کی آیات سے بکثرت ملتا ہے مثلاً۔
 (۱) اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَسَرُوۡنٌ سَرِيۡمٌ دِيۡ - (ع) (اللہ تعالیٰ لوگوں کے حال پر نہایت مہربان ہے)

(۲) اِنَّ اللّٰهَ لَكَدُوۡ فَضِيۡلٍ عَلٰی النَّاسِ وَلٰكِنۡ اَكۡثَر النَّاسِ لَا يَشْكُرُوۡنَ دِيۡ - (ع)
 (اللہ تعالیٰ لوگوں کے حال پر مہربان ہے مگر لوگ شکر نہیں کرتے)

(۳) اِنَّ رَبَّكَ لَكَدُوۡ مَعۡفِرٍ لِلنَّاسِ عَلٰی ظُلۡمِهِۦۭمْ دِيۡ - (ع) (توہا رب لوگوں کی خطاؤں کو معاف کرتا ہے)

بس آپ کا یہ فقرہ کہ اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہستی نہیں بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ذمہ دار ہستی اس بادشاہ کی ہوتی ہے جو عدل و انصاف کرے اور اپنی مرضی سے کسی کی حق تلفی نہ کرے قرآن مجید نے اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ شَيْۡۡا دَرِيۡطَةً وَّرٰنۡ تَكُ حَسِنَةً بِيۡضًا عَفۡفًا وَيُؤۡتِ
 مِّنۡ لَّدُنۡہٗ اَجۡرًا عَظِيۡمًا دِيۡ - (ع) (اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔ اگر کوئی نیکی

ہو اس کو کئی گنا بڑھا دیتا ہے اور اپنی طرف سے بہت بڑا اجر دیتا ہے

ایسا ہی آپ کا یہ فقرہ بھی غلط اور تعلیم انجیل کے سراسر خلاف ہے کہ۔

مسیحیت کا خدا محبت کا خدا ہے وہ گنہگار کی موت نہیں چاہتا (مٹا)

اگر یہ بات صحیح ہے تو اس مسیحی ارشاد کے کیا معنی ہوں گے۔

(۱) جو کوئی اپنے بھائی کو احمق کہے گا وہ آگ کے جہنم کا سزاوار ہوگا۔

(۲) جو بری خواہش سے کسی عورت پر نظر کرے گا وہ جہنم میں ڈالا جائے گا (انجیل متی باب ۵)

اللہ سے اتنی خضکی کہ احمق کہنا یا (تغییر از تکاب فعل) محض بری نظر سے دیکھنا اتنا بڑا گناہ

قرار دیا گیا ہے کہ گنہگار تا ابد یا مدت دراز تک جہنم کا سزاوار ٹھہرتا ہے اس کے ساتھ ہی آپ کا یہ فقرہ بھی لائے دیتا ہوں کہ۔

”مسیحیت کا خدا چاہتا ہے کہ گنہگار اس کی طرف رجوع کرے“

مسیحی خدا کی محبت کی مثالیں تو اوپر مذکور ہو چکی ہیں اب اللہ کی محبت کی مثال بھی سنئے! ارشاد ہے

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ اسْرَفُوا عَلَىٰ انْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَتِ

اللَّهِ ط إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ط إِنَّهُ هُوَ الْعَفُوُّ الرَّحِيمُ

(پہ - ۳) میرے جن بندوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کئے ہیں ان کو کہہ

دو کہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔ کیونکہ تمہاری ذرا سی انابت پر اللہ سب

گناہ بخش دے گا۔

پادری صاحب | یہ ہے خدا کی محبت اور وہ ہے خدا کی غضب جس قدر سختی انجیل کے

مذکورہ فقروں میں ہم نے دکھائی ہے وہ استناد داغ مرحوم کے کلامت بھی بڑھ کر ہے۔ جو

کہتے ہیں۔

ایک ہی بات پہ داغ! تم ان سے بگڑ بیٹھے

اسی کا نام الفت ہے محبت اس کو کہتے ہیں

پس آپ کا یہ عقوبہ پیدا کرنا سراسر غلط ہے کہ۔

دور حاضرہ کے لوگ صرف ایسے خدا کو ہی مان سکتے ہیں جس کی ذات محبت ہے۔ پس

اسلامی تصور موجودہ نسل کے لئے ناقص ہے لیکن مسیحی تصور خدا ایک کامل تصور ہے (مت ۱۱)
 عجیب! کیا خوب! انجیل کی مذکورہ تعلیم سے چشم پوشی کر کے تو ہم ایسا کہہ سکتے ہیں گرا انجیلی تعلیم
 کی روشنی میں دیکھنے والا مسیحیت کے خدا کو اس شعر سے مخاطب کرے گا کہ
 کتنے دکھوں ستم اس پیار میں بھی آپ نے ہم پر
 خدا نہ خواستہ اگر خشکیں ہوتے تو کیا کرتے

اصول اخوت

پادری صاحب نے اس سرخی کے نیچے قرآن اور انجیل کی تعلیمات متعلقہ اخوت میں
 فرق بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ انجیل کی اخوت انسانی ہے اور قرآن کی اخوت اسلامی ہے۔
 اس بارے میں آپ کے الفاظ یہ ہیں:-

ہم نے اپنی کتاب مسیحیت کی عالمگیری کے باب دوم میں اس موضوع پر منسل بحث کر کے
 یہ بتلایا ہے کہ انجیل جلیل اخوت انسانی کا سبق دیتی ہے اور مساوات کی تعلیم دیتی ہے
 چونکہ خدا کل نبی نوع انسان کا باپ ہے لہذا سب نبی آدم ایک دوسرے کے بھائی
 ہیں۔ کلمۃ اللہ نے حکم دیا کہ سب انسان بلا امتیاز رنگ، نسل، مذہب، درجہ یا قوم
 وغیرہ ایک دوسرے سے اپنے برابر محبت رکھیں (توضیح البیان ص ۱۹)

عجیب! اس بیان میں پادری صاحب نے قرآن اور انجیل دونوں کا خلاف کیا ہے۔ قرآن کی
 مخالفت تو آپ کو چنداں مورد الزام نہیں بنا سکتی کیونکہ آپ کی غرض ہی یہ ہے کہ انجیل کی
 مخالفت کرنے کی تو آپ کو کسی طرح اجازت نہیں ہے۔ سنئے! قرآن مجید اخوت انسانی کا صرف
 قائل ہی نہیں بلکہ اس کی رقم دلیل بھی بتاتا ہے چنانچہ فرماتا ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ رِجًا

یعنی اے انسانو! تم آپس میں بھائی بھائی ہو کیونکہ ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت
 سے پیدا کیا ہے۔

نیز ارشاد ہے:- وَبَيَّنَّا مِنْهُمْ جُلُودًا مِّنْ لَّدُنَّا وَرِجَالًا مِّنْ لَّدُنَّا

یعنی آدم و حوا سے ہم نے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں۔
اس آیت میں بھی نسل انسانی کے اتحاد کی طرف توجہ دلا کر اخوتِ انسانی کی تعلیم دی گئی ہے
اسی لئے قرآن مجید میں سب انسانوں کو یا نبی آدم کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔ تاکہ ان کو اخوت
انسانی یاد آجائے۔ مسلمانوں کو اسی انسانی برادری کے حق میں ارشاد ہوا ہے:-

مَوَدَّةَ لِلنَّاسِ حَسَنًا رَّيًّا

سب لوگوں کے ساتھ خوش کلامی سے پیش آیا کرو

اس سے بڑھ کر انسانی اخوت کا ثبوت اور کیا ہوگا۔

اس کے مقابلہ میں انجیل نے جن نفلوں میں غیر اسرائیل کو یاد کیا ہے ہم گمان نہیں کرتے
کہ کوئی شریف آدمی دوسری قوموں کو ایسا کہے یا کوئی شریف انسان اسے اپنے حق میں سننے کا
لوا دار ہو۔ ہم مجبور ہیں کہ پادری صاحب کے جواب میں اس کو نقل کریں ورنہ ہمارا دل اس
کراہت محسوس کرتا ہے کیونکہ وہ الفاظ مبارکہ ہمارے مخاطب پادری برکت اللہ صاحب اور ان
کے ہمنواؤں کو بلکہ ہم کو بھی شامل میں پس صلیئے!

ایک کنعانی عورت آئی اور کہا کہ اے خدایا (سیح) مجھ پر رحم کر کہ میری بیٹی ایک

دیو کے غلبہ سے بے حال ہے۔ اس نے جواب میں کہا میں اسرائیل (نبی اسرائیل)

کی کھرتی ہوئی بھڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ مناسب نہیں کہ شکوں کی

روٹی لے کر کتوں کو دے دیں" (متی باب ۱۰، ورس ۲۱)

پادری صاحب! ایک دفعہ پھر سارا قرآن پڑھ جائیے اور اپنے ساتھیوں کو بھی کہئے

کہ وہ بھی پڑھ جائیں۔ پھر اس مضمون کی کوئی آیت ملے تو بتائیے جس میں آنحضرت کی نوم

تسلیش کے سوا دوسری قوموں کو کتے کہا گیا ہو۔ اگر باوجود تلاش بسیار کے آپ لوگ

کوئی ایسی آیت نہ پائیں تو پھر انصاف کیجئے کہ آپ نے نہ کوہ اقلباس میں جو کہا ہے۔

وہ کہاں تک واقعات کی رو سے درست ہے۔ اور غور کریں کہ کہاں تک آپ نے واقعات

کے انحصار سے کام لیا ہے۔ ع

ہم اگر عرض کیجئے تو شکایت ہوگی

اسی نمبر میں پادری صاحب نے قرآن کے جہادی حکم کو بڑی رنگ آمیزی سے کئی صفحات میں بیان کیا ہے جس کا لب لباب ان الفاظ میں آجاتا ہے :-
 ہر شخص اس امر کو تسلیم کرے گا کہ انجیل جلیل اور کلمۃ اللہ کے خطبات کی بنا پر کوئی شخص لوگوں کو لڑائی کے لئے ابھار نہیں سکتا۔ لیکن قرآن شریف میں خاص طور پر رسول عربی کو حکم ملتا ہے کہ "مسلمانوں کو لڑائی پر ابھار اور کافروں اور منافقوں پر سختی کر" اور ان کو یہاں تک قتل کر کہ قتلہ یعنی غلبہ کفر جاتا رہے اور تمام دین اللہ کا ہو جائے" (توضیح البیان ص ۲۲)

محبیب | ہم شروع میں پادری صاحب کی شکایت کر آئے ہیں کہ آپ اخلاقی واقعات کے عادی ہیں۔ مگر منصف مزاج لوگ مذہبی مباحثات میں خاص کر اخلاقی واقعات کرنا جرم عظیم سمجھتے ہیں اور تمہید میں ہم یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ موسوی شریعت عیسائیوں کے لئے واجب العمل ہے، ہم تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں مسئلہ جہاد نہ صرف مذکور ہے بلکہ واجب العمل ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ جہاد اسلام کی روح رواں ہے جس کی بابت ارشاد ہے ذرۃ الاسلام الجہاد۔ لیکن جہاد کوئی ڈراؤنی چیز نہیں ہے بلکہ ایک شائستہ اور مقدس جنگ کا نام ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ

یعنی جو لوگ تم سے مقابلہ میں لڑیں تم بھی ان سے لڑو

نتیجہ یہ ہے کہ جو لوگ تمہارا مقابلہ یا ایذا رسانی نہ کریں تم بھی ان سے کوئی تعرض نہ کرو۔ اب سنئے تو رات شریف کا حکم جو عیسائیوں کی مقدس کتاب شریعت ہے جناب موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے :-

جبکہ خداوند تیرا خدا تجھ کو اس سرزمین میں جس کا وارث تو ہونے جاتا ہے داخل کرے اور تیرے آگے سے ان بہت سی قوموں کو دفع کرے یعنی خلیوں اور جرجاسیوں اور اوربوں اور کنعانیوں اور فرزیوں اور حویوں اور یوسویوں کو جو سات قومیں کہ بڑی اور قوی تھیں تھیں اور جب کہ خداوند تیرا خدا انہیں تیرے حوالے کرے تو تو انہیں مارو اور

قوم کجیو نہ تو ان سے کوئی عہد کر لیا اور نہ ان پر رحم کر لیا۔ نہ ان سے بیاہ کرنا۔ اس کے بیٹے کو اپنی بیٹی نہ دینا نہ اپنے بیٹے کے لئے اس کی کوئی بیٹی لینا۔ کیونکہ وہ تیرے بیٹے کو میری پیروی سے پھرائیں گے تاکہ وہ اور مسعودوں کی عبادت کریں اور خداوند کا غصہ تجھ پر بھڑکے گا اور وہ تجھے یکایک ہلاک کر دے گا۔ سو تم ان سے یہ سلوک کرو تم ان کے مذبحوں کو ڈھا دو۔ ان کے بتوں کو توڑو۔ ان کے گھنے باغوں کو کاٹ ڈالو اور ان کی تراشی ہوئی صورتیں آگ میں جلا دو۔ کیونکہ تو خداوند اپنے خدا کے لئے پاک قوم ہے (استثنا باب، - ۶۱۱)

ناظرین! حضرت مسیح کی مصدقہ موسوی شہریت میں تیں کو پادری صاحب نے مخفی رکھا ہے جہاد کے متعلق کس قدر تیر و تندی کا حکم موجود ہے۔ ایسا حکم یورپ کی گذشتہ اور موجودہ جنگ میں بھی کسی جابر سے جابر فاتح نے اپنے مفتوح کے حق میں جاری نہ کیا ہوگا۔ الامان! کیسے سخت احکام ہیں کہ مارو اور ان کے مسعودوں کو توڑ دو۔ ان کے مسعودوں کو گرا دو، ان کے باغوں کو جاڑ دو، ان سے کسی قسم کا تعلق پیدا نہ کرو۔

اوان! قہر الہی تھا یہ غصہ اس کا

آج قافلے نے نہ اپنا پر ایا دیکھ

میں حیرت زدہ ہو گیا جب میں نے پادری صاحب کا یہ فقرہ نہ دیکھا۔

انجیل جلیل اور کلمۃ اللہ کے خطبات کی بنا پر کوئی شخص لوگوں کو لڑائی کے لئے ابھار نہیں سکتا۔

میں یہ تو نہیں کہتا کہ پادری صاحب انجیل کی تعلیم جبرل چکے ہیں۔ نہیں بلکہ وہی عادت مستمرہ اخفائے واقعات اپنا اثر دکھا رہی ہے۔ سنئے! انجیل جلیل میں کلمۃ اللہ (المسیح) کا ارشاد ہے۔

یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا ہوں نہیں بلکہ تلوار چلانے کو آیا ہوں کیونکہ میں (اس لئے) آیا ہوں کہ مرد کو اس کے باپ اور بیٹی کو اس کی ماں اور بہو کو اس کی ماس سے جدا کروں (متی باب - فقرہ ۳۴)

یہ عبارت حضرت حکمتہ اللہ کی زندگی کا پروگرام بتا رہی ہے اور یہ بھی صراحتاً بتاتی ہے کہ آپ کی تعلیم میں تلوار چلانا بھی داخل تھا۔ چونکہ تلوار چلانے کے لئے جمعیت اور سامان جنگ کی ضرورت ہے جو بیس کو حاصل نہ ہوا اس لئے یہ ارادہ عملاً ظہور پذیر نہ ہو سکا۔ اس سے نفی ثابت نہیں ہوتی۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی مسلمان کہے کہ میں نے اس دفعہ سال بھر کی رخصت اس لئے حاصل کی ہے کہ میں مقابلات مقدسہ کی زیارت کراؤں مگر علالتِ طبع یا سفر کی صعوبت اس کو مانع ہو تو یہ چیز اس کے ارادہ کی تقبیل نہیں ہے۔ سردان مجید کا جہادی حکم بہ نسبت تواریات کے بہت نرم ہے کیونکہ اس میں یہ بھی ارشاد ہے۔

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ رَبِّهِمْ

(یعنی حالتِ جنگ میں ذریعہ محارب اگر صلح پر آمادہ ہو جائے تو نرم بھی ہو جاؤ)

پادری صاحب! ان دونوں جہادوں (دوسوی اور محمدی) کا مقابلہ کر کے انصاف سے کہئے کہ ان میں سے کون سی جہاد انسانی فطرت پر مبنی ہے۔

پادری صاحب نے رسالہ زیر جواب کے صفحہ ۲۵ پر سید مقبول احمد کی کتاب فلسفہ مذہب سے کچھ عبارت نقل کی ہے ہم اس عبارت کے جوابدہ نہیں ہیں کیونکہ یہ صاحب نہ کوئی مذہبی پیشوا ہیں نہ مستند عالم ہیں کہ ان کی بات مسلمانوں کے لئے سند ہو۔ وہ اپنی بات کے ذمہ دار خود ہیں

فصل چہارم۔ اصول مساوات

اس فصل کے پہلے نمبر میں پادری صاحب یوں گویا ہوتے ہیں۔

”ہم نے اپنے رسالہ ”مسیحیت کی عالمگیری“ کے باب دوم کی فصل اول میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ انجیل حلیل کا ایک ایک ورق مساوات کے نہرے اصول سے مزین ہے۔ انجیل کے عالمگیر اصول محبت، اخوت و مساوات سے کوئی شخص یا طبقہ مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔ انجیلی اصول مساوات نے ہر طرح کی تفریق اور درجہ بندی کو مٹا دیا۔ غلام اور آزاد، غریب اور دولت مند، اعلیٰ اور

نہ اس رسالے کا جواب کتاب ہذا کے دوسرے باب میں دیا جائے گا (محبوب)

ادنی۔ عالم اور جاہل، مرد اور عورت کا امتیاز غرضیکہ ہر قسم کے امتیازات اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ (متی ۵، ۱۷، باب ۲۲ توضیح البیان ص ۳۲۰)

محبیب ہم پہلے کتاب ہذا کے صفحہ ۲۲ پر کلمۃ اللہ المسیح کا قول نقل کر چکے ہیں۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ اسرائیل کے سوا باقی قوموں کے افراد تنہ ذلیل ہیں گویا کتے ہیں۔ اس مسیحی ارشاد کی موجودگی میں کوئی مسیحی انسانی مساوات کا دعوے کیڑ کر سکتا ہے۔ ہاں اسلام کتاب سے کہ تم سب بنی آدم ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو (قرآن) نہ عربی کو غمبی پر کوئی فضیلت ہے نہ سفید کو سیاہ پر کوئی برتری۔ کلک و بنو آدم و آدم من

لست ارب والمحدث) تم سب آدم کی اولاد ہو آدم کی پیدائش مٹی سے ہے

آپ کا یہ کہنا کہ انجیل کی تعلیم سے نیا سے آزاد اور غلام کا امتیاز اٹھ گیا

انجیل کی تعلیم سے نہیں بلکہ یورپ کی آزاد نشی اور الحاد پسندی سے اٹھا ہے۔ در نہ آج

سے سو سال پہلے مسیحی ممالک میں بھی غلامی کا ثبوت ملتا ہے۔ اپنی کتاب مقدس نورات

کا حکم بیٹھے جس کے مطابق یہ رسم چلی آ رہی تھی۔

جب تو کسی شہر کے پاس اس سے لڑنے کے لئے آہنچے تو پہلے اس سے صلح کا پیغام

کو تب یوں ہو گا کہ اگر وہ تجھے جواب دے کہ صلح منظور اور دروازہ تیرے لئے کھول دے

تو ساری ختمی جو اس شہر میں باقی جاوے تیری خراج گزار ہوگی اور تیری خدمت کریگی

اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے جنگ کرے تو تو اس کا محاصرہ کر اور جب

خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دیوے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھما

سے قتل کر۔ مگر عورتوں اور بچوں اور مویشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو اس کا سارا

لوٹ اپنے لئے لے اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے

تجھے دی ہے کھاؤ۔ اسی طرح سے تو ان سب شہروں سے جو تجھ سے بہت دور

ہیں اور ان قوموں کے شہروں میں سے نہیں ہیں کعبیو۔ لیکن ان قوموں کے شہروں

میں جنہیں خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے۔ کسی چیز کو جو سانس لیتی ہے جتنا

نہ چھوڑو بلکہ تو ان کو حرم کعبیو۔ حتیٰ اور امودی اور کنعانی اور فرزی اور حوی اور

یہی کہ جیسا کہ خداوند تیرے خدا نے تجھے حکم کیا ہے تاکہ دے اپنے سارے
 کریمہ کاموں کے مطابق جو انہوں نے اپنے معبودوں سے کئے۔ تم کو عمل کرنا نہ سکھائیں
 کہ تم خداوند اپنے خدا کے گنہگار ہو جاؤ (استثنا باب ۲۰: ۱۰ تا ۱۸)

جب تو لڑائی کے لئے اپنے دشمنوں پر خروج کرے اور خداوند تیرا خدا ان کو تیرے
 ہاتھوں میں گرفتار کرے اور تو انہیں اسیر کر لے اور ان اسیروں میں خوب صورت
 عورت دیکھے اور تیرا جی اسے چاہے کہ تو اسے اپنی جوڑو بنا لے تو تو اسے اپنے
 گھر میں لا۔ اس کا سر منڈا اور ناخن کٹو۔ تو وہ اپنا اسیری کا لباس اتارے اور تیرے
 گھر میں رہے اور ایک ہینسہ بھرا اپنے باپ اور اپنی ماں کے سوگ میں بیٹھے
 بعد اس کے تو اس کے ساتھ خسرت کر اور اس کا خصم بن اور وہ تیری جوڑو
 ہے (استثنا باب ۲۱: ۱۰ تا ۱۳)

اللہ کے خفگی! کس قدر سختی ہے کہ کسی سانس لینے والی چیز کو نہ چھوڑیو۔ یہ سچ ہے
 ناک نے تیرے صبر نہ چھوڑا زمانے میں
 تڑپے ہے مرغ قبلہ نما اشیانے میں

ناظرین! پادری صاحب کو خفائے واقعات کی عادت ہے اسی لئے وہ دلیری سے ہر
 ایک واقعہ کا انکار کرتے ہیں۔ مگر تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔ ان کا دعوے
 ہے کہ ع

من انداز قدرت رائے شناسم
تعجب! پادری صاحب تو انسانی مساوات یہاں تک بڑھا رہے ہیں کہ انجیل نے ہر
 ایک قسم کے امتیازات اٹھا دیئے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ آج تک یہ امتیاز باقی ہے کہ دیسی
 عیسائیوں اور یورپین عیسائیوں کے گرجے الگ الگ ہیں۔ عبادت گزاری کے وقت اگر خدا
 کے سب بندوں کو یکساں حالت میں دیکھنا ہو تو مسجد میں اگر دیکھئے۔ یہ سچ ہے۔
 ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و یازد نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

۱۲۔ تعلیم تو مزدور ہے۔ عمل ہو تو جائیں۔

اسی ذیل میں پادری صاحب نے کئی ایک باتیں ایسی لکھی ہیں جو ان کے سابقہ بیان

کے سراسر خلاف ہیں۔ مثلاً

قریش کا تمام قوموں سے شریف النسب خیال کیا جانا کسی موالی کا یہ جرأت نہ کرنا

کہ خالص عربی نثر ادب کی سے بیاہ کی درخواست کرے وغیرہ۔ (ص ۳)

مالانکہ آپ اسی کتاب کے شروع میں لکھ آئے ہیں کہ۔

مہم اپنے استدلال کی بنا قرآن اور صرف قرآن پر ہی رکھیں گے۔ (ص ۵)

اگر حافظہ کی کمزوری نہیں ہے تو اتنی جلدی بھول جانا قابل مصنف کی شان سے بعید ہے۔

اگر آپ بھولے نہیں تو ان دعاوی کا ثبوت قرآن مجید سے دیویں۔ ہاں ہم مانتے ہیں کہ اگر

قریش یا سید وغیرہ اقوام عزت کے لائق ہیں لیکن یہی قریش اگر بدراہی اختیار کریں تو آئیہ کر یہ

تَبَّتْ بَيْدَا اَبْنِي كَلْبِ اَن كَلْتُمْ نَازِلَ هُوَ مَكِّي بَعْدَ غَرَضِ اِسْلَامِ فِي مَدَارِ كَارِ

اعمالِ حسنہ ہیں۔ اسی لئے قریش کے سردار اور مسلمانوں کے امیر خلیفہ ثانی حضرت عمر

رضی اللہ عنہ بلال جیسے حبشی غلام کے حق میں سیدنا بلال فرمایا کرتے تھے۔ شیخ سعدی

مرحوم سچ کہہ گئے ہیں۔

ہنر نہا اگر داری نہ جو ہر گل از خار است ابراہیم از آزر

آگے چل کر پادری صاحب نے اسلامی پردے پر بھی اعتراض کیا ہے اور یہ اعتراض کوئی

نیا نہیں ہے بلکہ ہمیشہ سے پردہ دروں کی طرف سے یہ اعتراض ہوتا آیا ہے مگر مقررین

اعتراض کرتے ہوئے قانون قدرت کو بھول جاتے ہیں۔ قانون قدرت یعنی نیچرل لا

یہ ہے کہ عورت مرد کے لئے جاذب توجہ ہے۔ اسی جذب کی حالت میں مرد کے دل

میں بُرے بُرے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں یا ہو جانے ممکن ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام

نے ان برے خیالات کو روکنے کے لئے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ۔

جو کوئی بوسے خیال سے عورت کو دیکھے وہ اپنی آنکھیں نکال پھینکے (متی باب ۵)

ہو سکتا ہے کہ یہ حکم زاہدانہ روش کے مطابق ہو مگر عام بشری تمدن میں ناممکن العمل ہے۔

اس لئے بانٹی فطرت جل مجدہ نے انسانی فطرت کو ملحوظ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ عورت

اپنے چہرے کو بالغ مردوں سے چھپایا کرے؛ کتنا چھپائے؟ صرف اس قدر کہ اس کا چہرہ مرد کے لئے باعث کشش ثابت نہ ہو، بس اتنی عورتوں کی سی پابندی کے ساتھ عورت کو اپنے خاندان یا پاپ بیٹے وغیرہ کے ساتھ چلنا پھرنا یا بغرض تفریح میں کرنا منع نہیں ہے۔ اس پر بھی پادری صاحب کو اعتراض ہو تو نیچرل شاعر کے اس شعر پر غور کریں۔ جو انسانی فطرت کا اظہار کرتا ہوا کہتا ہے۔

بل بے خود بینی زائد کہ تیرے دیکھنے کو
منع کرتا ہے لویہ اور تماشادیکھو

صرف اتنے سے پردے پر کسی آزاد منش کا اعتراض کرنا اور پادری صاحب کا اس کو اپنی تائید سمجھنا ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم بھی ملحدیں یورپ بریڈ لا وغیرہ کی تحریرات متعلقہ بائبل اور دین مسیحی پیش کر کے پادری بگت اللہ صاحب کو بتائیں۔

مشکل بہت بڑیگی برابر کی چوٹ ہے
آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھو عجب سال کہ

قلبی شہادت | ہمارا دعویٰ ہے کہ جو لوگ برہنہ رُو عورتوں کو دیکھتے ہیں وہ اپنے ضمیر کی حالت کا اندازہ کریں تو ایسے لوگ اگر نفسانیت سے مغلوب نہیں ہیں بے اختیار پکار اٹھیں گے کہ اسلامی پردہ واقعی ایک فطری امر ہے جس کا اظہار کسی نیچرل شاعر نے یوں کیا ہے۔

دیوارے نمائی و پرہیزمے کنی
بازار خوش و آتش ماترہیزمے کنی

آریہ سماجی | پردہ درمی میں آریہ سماجی بھی سچیوں سے کم نہیں ہیں۔ بات بات میں پردہ کو لعنت لعنت کہنے کے عادی ہیں۔ مگر وہ یہ نہیں بتا سکتے کہ ان دو گروہوں کو سماوی دین اور منوجی نے نابالغ لڑکوں کو لڑکیوں کے سکول میں جانے سے بالاتفاق منع کیوں کیا ہے۔ پادری صاحب اگر آریوں سے ہمارے سوال کا جواب دلوادیں گے تو ہم ان کا موٹہ مٹھائی سے بھر دیں گے۔

اسی ضمن میں پادری صاحب نے مرد و عورت میں عدم مساوات کا الزام بھی اسلام پر لگایا

ہے چنانچہ آپ کا فقرہ ذیل مضمون کی جان ہے۔

”ایام جاہلیت میں عورتوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اسلام نے اس حالت کو کسی قدر بہتر بنا دیا۔ لیکن ہم کو آیام جاہلیت اور اسلام کا موازنہ اور مقابلہ کرنا مقصود نہیں بلکہ ہم کو دیکھنا ہے کہ آیا اسلام میں بلکہ نسواں کی حیثیت ایسی ہے کہ وہ بمقابلہ مسیحیت ایک عالمگیر مذہب ہونے کی صلاحیت رکھ سکے،“

ایام جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ بیاہ کے لئے عورتیں خریدی جاتی تھیں۔ زہر مہر دہن کو دیا جاتا تھا اور عورت شوہر کا مال تصور ہوتی تھی۔ اسلام میں یہ قانون بسال رکھا گیا چنانچہ قرآن میں داروہ ہے کہ عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو (نساء آیت ۳) اس زہر مہر کو ادا کرنے کی وجہ سے عورتیں آدمیوں کی نسبت کم درجہ خیال کی جاتی ہیں چنانچہ قرآن میں ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لئے کہ اللہ نے ایک کو ایک پر فضیلت بخشی ہے اور اس لئے بھی کہ مردوں نے عورتوں پر اپنا مال زہر مہر اور نان و نفقہ دیکھ کر ترجمہ نذیر احمہ خرچ کیا ہے پس نیک نخت عورتیں اپنے شوہروں کی اطاعت کرتی ہیں پس قرآن کے مطابق عورتیں پست درجے کی ہیں چنانچہ صاف لکھا ہے کہ مردوں کا عورتوں کے اوپر درجہ ہے (توضیح البیان ص ۲۸ - ۲۹)

معیب | اس الزام کا جواب دینے سے پہلے مرد و عورت میں قدرتی تعلق کا دیکھنا ضروری ہے اس میں شک نہیں کہ مرد اور عورت انسان کی دو صنفیں ہیں جن میں سے ایک سینئر (اعلیٰ) اور دوسری جونیئر (ادنیٰ) ہے۔ نظام عالم میں دنیا میں مختلف چیزوں کی طرف نظر کرنے سے یہ بات صاف سمجھ میں آتی ہے کہ خالق کائنات نے ان سب چیزوں میں سے بعض کو مستعمل رکام میں لانے والی یا بننے والی بنا لیا ہے، اور بعض کو مستعملہ (قابل استعمال) بنا لیا ہے۔ بے جان چیزوں میں تو کچھ خفا نہیں ہے مثلاً پتھر اور برتن وغیرہ سب چیزیں مستعملہ قابل استعمال ہیں۔ جانداروں میں بھی قریباً تمام حیوانات انسان کے لئے مستعملہ ہیں۔ مثلاً گھوڑا، اونٹ، باغی، گائے، بیل، بھینس وغیرہ۔ اسی طرح انسان کی دونوں صنفوں (مرد و عورت) کو بھی دیکھیں کہ ان میں بھی یہ دستور جاری

ہے یا دونوں مساوی ہیں؛ بعد غور اس نتیجہ پر پہنچنا کچھ مشکل نہیں کہ بے شک مرد مستعمل (۱) اور عورت مستعملہ (قابل استعمال) چیز ہے۔ اس دعوے پر مندرجہ ذیل فطری دلائل ملاحظہ کریں۔

دلائل فطریہ (۱) تزویج کی یہ غرض بالکل ظاہر ہے کہ مرد مستعمل اور عورت مستعملہ ہے۔ مرد اگر عورت سے جماع کرنا نہ چاہے تو عورت اس سے جبراً نہیں کرا سکتی۔ ہاں مرد جبراً کر تو کر سکتا ہے جس سے صاف ثابت ہوا کہ مرد مستعمل اور عورت مستعملہ ہے۔

(۲) آدھ فعل نما نے مرد کو عطا کیا ہے تو پھر مرد کے مستعمل ہونے میں کیا شک رہا؟ (۳) مرد عورت کی ظاہری شکل و ہیئت بھی اس نسبت کو بخوبی ظاہر کرتی ہے۔ مثلاً مرد چہرے پر بوقت بلوغت عموماً بالوں کا نکلنا اور عورت کا چہرہ مدت العرصہ صاف رہنا جو اس کے مرغوب الطبع ہونے کا بڑا ذریعہ ہے۔ اس نسبت کی قوی دلیل ہے۔

(۴) اولاد کے حق میں ماں کا مشقت اور سخت تکلیف اٹھانا۔ حالانکہ لطفہ یقیناً مردی ہوتا ہے۔

(۵) مرد کا عموماً تنومند اور طاقت ور ہونا یہاں تک کہ تمام طاقت کے کاموں مثلاً جنگ وغیرہ کا مکلف ہونا اور عورت کا عموماً اس سے سبکدوش رہنا اس امر کی دلیل ہے کہ مرد مستعمل اور عورت مستعملہ ہے۔

پس ان دلائل فطریہ پر بنا کر کے قرآن مجید کی تعلیم کو جانچیں تو بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے مستعمل پر فرض ہے کہ اپنے استعمال کا معاوضہ دے اور مستعملہ پر واجب ہے کہ اپنے مستعمل کی اطاعت کرے ورنہ دونوں کی زندگی دہال جان ہو جائے گی۔

اصول عبادت | اسلام کے طریق عبادت پر بھی پادری صاحب کو اعتراض ہے آپ لکھتے ہیں کہ:-

”خدا کی عبادت کے اصول پر نظر کر دو تو یہی نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ سحیت عالمگیر مذہب ہے اور اسلام قوم عرب کا مذہب ہے“ تو ضیح البیان (۱۴)

مجیب | اس موقع پر بھی ہم کو وہی شکایت ہے کہ پادری صاحب اصول مناظرہ کی پابندی

کہتے نہیں کرتے یا جانتے ہی نہیں۔ پادری صاحب اور ان کے ہمنوا اس کا فیصلہ کر کے ہیں
 ہیں۔ اہل علم حضرات غور کریں پادری صاحب کا دعوے ہے کہ
 اسلام میں عالمگیر ہونے کی صلاحیت نہیں

انچہ آپ کی کتاب کا نام توضیح البیان فی اصول القرآن یہی مدعا بتا رہا ہے کہ آپ کی حیثیت
 اس کتاب میں یہ ہے کہ آپ قرآنی اصولوں کے عالمگیر ہونے کی نفی کریں برخلاف اس کے آپ نے
 لکھے کہا ہے وہ آپ کی مندرجہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے۔

آداب و طرز عبادت کی نسبت خداوند سبح نے فرمایا ہے کہ خدا روح ہے اور ضرور ہے
 کہ اس کے پرستار روح اور سچائی سے اس کی پرستش کریں (یوحنا م: ۲) ہماری رسائی باب
 کے پاس ایک ہی روح میں ہوتی ہے (انسی ۲: ۱۸) ہم میں جو خدا کی روح کی ہدایت
 سے عبادت کرتے ہیں؟ (ظہی ۲: ۱۳) خداوند سب سے جو اس کو پکارتے ہیں نزدیک
 ہے۔ ان سب سے جو سچائی سے اسے پکارتے ہیں۔ (زبور ۱۴۵: ۱۸)

پھر اوقات عبادت کی نسبت لکھی ہدایت ہے کہ ہر وقت اور ہر طرح سے
 روح میں دعا اور منت کرتے ہوئے (انسی ۱۸: ۱۶) دعا مانگنے میں مشغول اور شکر گزاری
 کے ساتھ اس میں بیدار رہو۔ (کلیسی ۲: ۲) ہر وقت دعا مانگتے رہنا اور سمیت نہ
 ہارنی چاہئے؟ (لوقا ۱۸: ۱۸) ہر وقت جاگتے اور دعا مانگتے رہو۔ (توتنا ۲۱: ۳۶)
 دعا مانگنے میں مشغول رہو۔ (روم ۱۲: ۱۲) بلا ناغہ دعا مانگو۔ (تسلیکی ۱: ۵)

(توضیح البیان ص ۱۸)

مجیب | کوئی صاحب نظر اہل علم ہیں بتائے کہ اس عبارت اور اسی مضمون کی ایک لمبی
 عبارت (جو تریباً دو صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے) آپ کے دعوے متعلقہ اصول قرآن سے
 کی تعلق رکھتی ہے؟

آپ کی مثال | یہ ہے کہ مدعی (زید) کہتا ہے کہ میں نے بکر سے تڑور پینا ہے اور
 باوجود تقاضا پر تقاضا کرنے کے بکر نہیں دیا۔ میرا ثبوت یہ ہے کہ میں بڑا سوداگر ہوں کئی
 منڈیوں میں میری دوکانیں ہیں اور میری ساکھ بہت زیادہ ہے۔ کیا معنی؟

اچا دل سفید ہیں لہذا زمین گول ہے چنانچہ اس طویل عبارت کے نتیجہ کے طور پر لکھتے ہیں۔
 ”اب ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ عبادت کے یہ اصول عالمگیر ہیں۔ خدایک پستش روح اور سچائی
 سے کرنی چاہیے۔ عبادت کے لئے کوئی خاص اوقات مقرر نہیں اور نہ کوئی جگہ
 مقرر ہے۔ ہر وقت اور ہر جگہ انسان اپنے آسمانی باپ کی طرف رجوع کر سکتا ہے
 زمان و مکان کی قید رکھیں نہیں ہیں۔“ (توضیح البیان ص ۴۹)

مجیب آپ کی ساری عبارت سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کے نزدیک عبادت
 صرف توہم الی اللہ اور ذکر اللہ کا نام ہے جسے قرآن مجید نے ایک مختصر فقرہ میں ادا کر دیا
 ہے چنانچہ ارشاد ہے:-

وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ (اللہ کا ذکر بڑی چیز ہے)

نیز فرمایا ہے:-

فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ (پ ۵-ع ۱۲)

(کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے اللہ ہی کو یاد کیا کرو)

بس اب تو پادری صاحب خوش ہو گئے ہوں گے کہ قرآن مجید بھی بلا قید زمان و مکان ذکر الہی
 کا حکم دیتا ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ اسلام میں پنجوقتہ نماز کا حکم بھی ہے جس پر آپ کو
 اعتراض ہے چنانچہ آپ کے اعتراض کے الفاظ یہ ہیں:-

”برعکس اس کے قرآن مجید میں اسلامی آدابِ عبادت میں زمان و مکان کی قیود
 موجود ہیں جو ہمارے دعوے کی مصدق ہیں کہ اسلام عالمگیر نہیں بلکہ صرف آنحضرت
 کے ہم وطن عربوں کے لئے تھا“ (توضیح البیان ص ۴۹)

مجیب اس اقتباس میں بھی پادری صاحب کی مناظرانہ غلطی کا شکوہ ہے۔ آپ کی کتاب
 کا موضوع یہ ہے کہ اسلام عالمگیر مذہب نہیں ہے ”کیوں نہیں؟ اس لئے کہ اس میں عبادت
 مثلاً نماز کے لئے زمان اور مکان کی شرط ہے۔ بہت اچھا! لیکن آپ کا یہ کہنا کہ اسلام صرف
 عربوں کے لئے تھا، اس فقرہ کو عالمگیری کی نفی سے کیا تعلق؟ کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ عرب
 تو زمان و مکان کی پابندی سے نماز پڑھ سکتے ہیں مگر ہم غیبی لوگ نہیں پڑھ سکتے؟ اگر یہی مطلب ہے

تو آپ ہندوستان کی کسی مسجد میں جا کر دیکھ لیجئے یا کم سے کم اپنے محلہ کے تزیب کسی مسجد میں جا کر معائنہ کیجئے کہ مسلمان زمان و مکان کی پابندی سے نماز پڑھتے ہیں یا نہیں؟ اگر اس فقرہ کے معنی کچھ اور ہیں تو کھول کر بیان کیجئے۔ اگر اسلامی احکام میں عالمگیری نہیں ہے تو اس میں سب تک برابر ہونے چاہئیں۔ عرب کی اس میں کیا خصوصیت ہے۔ یہ شکایت ہمیں فن مناظرہ کی حیثیت سے ہے کہ پادری صاحب کے دعوئے اور دلیل میں تقریباً تم نہیں ہوتی۔ ہمارا یقین نہ ہو تو پادری سلطان محمد خان سے پوچھ لیجئے۔

اب ہماری دوسری شکایت سنئے کہ آپ ہمیشہ اخنائے واقعات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مسیحیوں کی نماز کی کتاب (جس کا نام دعائے عمیم ہے) مطبوعہ مطبع افتخار دہلی ۱۸۸۹ء کے صفحہ ۱۲ پر ویساچ میں لکھا ہے۔

صبح اور شام کی نماز کی ترتیب جس کو سال بھر پڑھنا اور عمل میں لانا ہے اس سے آگے صفحہ ۱۲ پر جو اصل کتاب کا صفحہ اول ہے، یوں لکھا ہے:-

فجر کی نماز کی ترتیب

سال کے ہر روز کے لئے

فجر کی نماز کے شروع میں خادم الدین (امام نماز مسیحاں) بائبل کی ان آیتوں میں جو نیچے لکھی ہیں ایک یا کئی ایک بلند آواز سے پڑھے اور اقرار عمیم جسے ساری جماعت خادم الدین سمیت گھٹنے ٹیک کر اسکے پیچھے پیچھے کہے۔ مغزوت کے کلمے یا گناہوں کی معافی کے تیس اکیلا کھڑا ہو کر فرمائے اور رگ گھٹنے ٹیکے رہیں تب خادم الدین گھٹنے ٹیک کر بلند آواز سے خداوند کی دعا پڑھے۔ آذہم سجدہ کریں اور جھکیں، اور خداوند کے حضور جو ہمارا پیدا کرنے والا ہے گھٹنے ٹیکیں کہ وہی ہمارا خدا ہے؟ اسی قسم کے فقرات اصل کتاب میں ص ۱ سے ص ۱۲ تک نماز فجر کے بیان میں درج ہیں۔ اس سے آگے ص ۱۲ پر شام کی نماز کا بیان ہے اس میں بھی یہی ترتیب ملحوظ رکھی ہے۔ ناظرین کرام! لفظوں کے ہیر پھیر کو چھوڑ کر ملاحظہ کیجئے کہ مسیحی نماز میں بھی حرکت و سکون

اور وقت کی پابندی پائی جاتی ہے یا نہیں؛ ایسی حالت میں اگر ہم پادری صاحب کو یہ مصرع
شائیں تو بالکل بجا ہے ع

این گناہیت کہ در شہر شام نیز کنند

اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ پادری صاحب کسی خاص وجہ سے اختلافی واقعات کے مرتکب
ہوتے ہیں ورنہ اگر آپ گرجا میں جاتے ہوں گے اور صبح و شام کی نماز پڑھتے ہوں گے اور اپنی نماز
میں حرکت سکون بھی کرتے ہوں گے باوجود اس کے آپ اسلامی نماز کی ہیئت اور زمان و
مکان پر اعتراض کرتے ہیں۔ سچ ہے۔ ع

منکرے بودن و ہم رنگ متاں زیستن

مختصر یہ ہے کہ اسلام نے دو قسم کی عبادت فرض کی ہے۔ ایک قسم میں زمان و مکان کی
کوئی شرط نہیں ہے۔ اس کا نام ذکر اللہ ہے۔ ہر وقت اور ہر جگہ خدا کو یاد کئے جاؤ کوئی پابندی
نہیں۔ دوسری قسم کی عبادت وہ ہے جس میں زمان و مکان کی شرط ملحوظ ہے جیسے نماز پنجگانہ
باجماعت جمعہ اور عیدین وغیرہ اور ہر شخص مشاہدہ کر سکتا ہے۔ دوسری قسم کی عبادت جو زمان و
مکان سے مشروط ہے ساری دنیا کے مسلمان بلا تکلف ادا کرتے ہیں (قلہ الحمد) کیا اس
کے باوجود اسلام کے اصول عالمگیر ہونے میں کوئی شبہ ہو سکتا ہے؛ ہرگز نہیں۔ میں پادری صاحب
کو مشورہ دیتا ہوں کہ اگر وہ اسلام کی عالمگیری دیکھنا چاہتے ہیں تو پروفیسر ارنلڈ ڈانگریز کی
کتاب "پریچنگ آف اسلام" یا اس کا اردو ترجمہ "دعوت اسلام" ملاحظہ کریں جس سے
آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اسلام دنیا کے کونے کونے میں کس طرح پہنچ گیا۔

اسی طرح پادری صاحب نے اسلامی روزہ پر بھی اعتراض کیا ہے۔ یہ اعتراض خصوصیت
سے قابل غور ہے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

"علیٰ ہذا القیاس روزہ کے فریضہ پر غور کرو جس کے باعث سحری سے لے کر
غروب آفتاب تک کھانے پینے سے پرہیز کرنا لازم ہے، اول کھانا، پینا،
اشیائے خوردنی وغیرہ سے پرہیز کرنا ایک جسمانی امر ہے۔ جس کا تعلق حقیقی روحانیت
اور قرب الہی سے نہیں ہے۔"

”کھانا نہیں خدا سے نہیں ملائے گا۔ نہ کھائیں تو ہمارا کچھ نقصان نہیں۔ اور اگر کھائیں تو نفع نہیں؟“ (اکرہ ۸: ۸) علاوہ بریں اسلامی روزہ ایسا ہے کہ کل بنی نوع انسان اس کی شرائط کی تعمیل کرنے سے قاصر رہتے ہیں (توضیح البیان ص ۵۷)

مجیب | یہاں بھی پادری صاحب کی مناظرانہ غلطی ہے کہ اپنے دعوے اور دلیل میں تقریب پیدا نہیں کرتے تعجب ہے کہ آپ اسلام کی مخالفت میں ایسا ادھار کھائے بیٹھے ہیں کہ اعتراض کرتے ہوئے زاپنی مسلمہ الہامی کتاب (تورات) کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ انجیل کا۔ یہودیوں کو موسوی تعلیم کے ذریعہ روزہ رکھنے کا حکم ہوا تھا جس میں کھانا پینا بند ہونے کی وجہ سے لازمی طور پر چہرہ ادا اس ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ ریاکاری کے طور پر چہرہ کی اداسی میں مزید ترقی دے کر دکھایا کرتے تھے ان کی اصلاح کے لئے مسیح نے فرمایا کہ :-

جب تم روزہ دکھو ریاکاروں کی مانند اپنا چہرہ ادا نہ بناؤ۔ جب تو روزہ رکھے اپنے سر پر چکنا لگا اور منہ دھو تاکہ تو آدمی پر نہیں بلکہ تیرے باپ پر جو پوشیدہ ہے

روزہ دا رظا ہر ہو (متی باب ۶: ۱۶ تا ۱۸)

مجیب | مسیح کے اس ارشاد سے کئی باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) سابقہ امم کو روزہ کا حکم ہونا (۲) یہودیوں کا روزہ میں ریاکاری کرنا (۳) مسیح کا ان کو ریاکاری سے منع فرمانا (۴) روزے کا حکم بحال رکھنا۔

کیا پادری صاحب ہیں اس روزہ کی حقیقت بتا سکتے ہیں جو مسیح نے بحال رکھا۔ اس میں کھانے پینے کے متعلق کیا حکم تھا اور اس کا وقت کون سا تھا۔ بہر حال ہم ان سوالوں کے جوابات کے منتظر ہیں۔ پادری صاحب کا یہ اعتراض بھی متعقبات سے بہت دور ہے کہ ”کل بنی نوع انسان روزہ کی شرائط کی تعمیل کرنے سے قاصر رہتے ہیں“

ہم کہتے ہیں کہ بے شک قاصر رہتے ہیں مگر کیا بنی نوع انسان کفارہ کی تعلیم قبول کرنے سے قاصر نہیں رہتے۔ اسے بھی چھوڑیے۔ کیا ترک حرام اور ترک کذب سے قاصر نہیں رہتے؟

کیا لوگ مروجہ قانون (تعزیرات ہند) کی تعمیل کرنے سے قاصر نہیں رہتے؟ اس سے

شرعیات یا قانون میں کیا نقص لازم آتا ہے؟ اہاں اگر آپ یوں اعتراض کرتے ہیں کہ :-

”نبی نوع انسان روزہ نہیں رکھ سکتے“ تو ہم آپ کو جواب دیتے کہ کل اسلامی دنیا میں روزہ رکھا جاتا ہے۔ ہاں اگر ہاشمہ و حرم پال کے ”ترک اسلام“ کا یہ اعتراض آپ کے ذہن میں کہ جہاں چھ چھ مہینے کا دن رات ہے وہاں روزہ کی کیا صورت ہے؟ تو ہم اس کا جواب وہی دیتے جو ترک اسلام میں دیا ہوا ہے کہ

وہاں روزہ رکھنا فرض ہی نہیں ہے کیونکہ وہاں سرے سے ماہ رمضان ہی نہیں ہوتا جو روزہ رکھنے کے لئے ظرف زمان ہے۔ ملاحظہ ہو۔

مَنْ شَهِدَا مَشْهُدَ الشَّهِرِ فَلْيَصُمْهُ رِبًّا - (بخ)

(جو کوئی رمضان شریف کا مہینہ پائے وہ روزہ رکھے)

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں کہ۔

”اس کے برعکس مسیحیت نے روزہ کے لئے خاص اوقات اور مہینے مقرر نہیں کئے اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے خدا کی بادشاہت کھانے پینے پر نہیں بلکہ راستبازی اور میل لاپ اور اس خوشی

پر بوقوف ہے جو روح القدس کی طرف سے ہوتی ہے (روم ۱۴: ۱۷) ص ۵

مجیب اول تو یہ مسیح کا ارشاد نہیں ہے۔ اس لئے اس کو مسیحیت میں داخل کرنا پادری صاحبان کی سینہ زوری ہے۔ علاوہ اس کے اس عبارت کو روزے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس میں کھانے پینے میں پرہیز کرنے والوں کے حق میں ارشاد ہے کہ اپنے اخلاق بھی اچھے رکھیں ایسے لوگ ہرزمانے میں ہوتے رہے ہیں اور اب بھی ہیں۔

یہودیوں اور مسیحیوں کے علاوہ مسلمانوں میں بھی ہیں جو پرہیزگاری کی راہ سے پانی بھی

چھان کر پیتے ہیں مگر مزاج کے کڑوے اور بد اخلاق ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے یہ ارشاد بالکل

بجا ہے۔ اس کو روزہ سے کوئی تعلق نہیں۔ روزے کا ثبوت متنی کی عبارت مرقومہ سے صاف

ثابت ہے۔

اگر اس عبارت کو اصطلاحی روزہ سے کچھ تعلق ہوتا تو الفاظ یوں ہوتے کہ

خدا کی رضا جوئی صرف کھانا پینا چھوڑنے سے حاصل نہیں ہوتی۔

چنانچہ ایک حدیث نبوی کا مضمون بھی یہی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

مشاور

من لم یبدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة ان
 یبدع طعامه وشرابه، الحدیث (جو شخص روزہ رکھ کر جھوٹ بولنا اور برا
 کام کرنا ترک نہ کرے خدا کو اس کی پرواہ نہیں کہ اس نے اپنا کھانا اپنا چھوڑ دیا ہے)
 اس عبارتِ مذکورہ کو روزہ کے ساتھ والبتہ کرنا آپ کی زبردستی ہے کیونکہ یہ صرف ایک عام
 اخلاقی تعلیم ہے۔

پادری صاحب! اسلام پر اعتراض کرتے ہوئے اپنی مقدس کتابوں کو بغیر غائرہ دیکھ لیا کریں
 اور دل میں یقین رکھا کریں کہ غیر مسیحی لوگ بھی ان کتابوں کی تعلیم سے واقف ہیں۔
 آگے چل کر پادری صاحب نے اسلام کے حکم متعلقہ قربانی پر بھی اعتراض کیا ہے مگر
 اعتراض بھی ایسا مزیدار ہے کہ اس کا جواب دینے کو جی نہیں چاہتا آپ لکھتے ہیں کہ
 جانوروں کی قربانی کا اصول درحقیقت مذہب کی عالمگیریت کے منافی ہے (صفحہ ۵۷)
 پادری صاحب! تورات کی قربانیاں بھی آپ کو یاد ہیں؛ (ملاحظہ ہو کتاب اجاب باب ۱۰۱) اسلام
 قربانی کیوں منافی ہے؛ کیا اس لئے منافی ہے کہ ہر جگہ قربانی کے لئے جانور نہیں ملتے؛ نہیں
 جانوروں کی کم یابی کی وجہ سے منافی نہیں بلکہ اس کی وجہ کچھ اور ہے جو نہایت معقول اور
 دلپذیر ہے چنانچہ پادری صاحب خود ہی فرماتے ہیں کہ:-

• ہندوستان کو دیکھ لو ہر سال قربانی کی عید پر فساد ہوتا ہے کیونکہ اہل اسلام کی قربانی
 سے اہل ہندو کی دل آزاری ہوتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا
 یہ اصول اور حکم ہر ملک پر مادی نہیں ہو سکتا۔ (صفحہ ۵۷)

جواب اول | پادری صاحب! آپ کو معلوم ہو گا کہ ہندو لوگ عام قربانی پر خفا نہیں ہوتے
 بلکہ خام گلے کی قربانی پر خفا ہوتے ہیں۔ اگر ہم ایسے موقع پر جہاں فساد کا خطرہ ہو جھڑپوں
 کی قربانی کریں۔ پھر تو قربانی کا حکم عالمگیر مذہب کے منافی نہ ہو گا؛
جواب دوم | کسی قوم کی بے جان ناراضگی کی وجہ سے اگر کوئی مذہبی عمل غلط ہو سکتا ہے
 تو آپ بتائیے کہ پنجاب کے دیہات میں جاٹ خصوصاً سکھ لوگ جو مسلمانوں کی مسجدوں میں
 اذان ہونے اور عیسائی گرجاؤں میں گھنٹے بجنے پر خفا ہوتے ہیں پھر کیا ان کی ناراضگی سے

یہ افعال بھی عالمگیری کے منافی ہیں۔ عالمگیر مذہب کی جو تعریف آپ نے کی ہے اس پر نظر ثانی کر کے یہ فقرہ بھی بڑھا دیجئے کہ

عالمگیر مذہب وہ ہوتا ہے جس کی تعلیم سے کوئی قوم یا شخص رنجیدہ نہ ہو۔

پھر ہم پوچھیں گے کہ مسیحی لوگ جب اپنی کسی بستی میں گائے ذبح کرتے ہیں تو اس سے بھی ہندو قوم ناراض ہوتی ہے یا نہیں؟ پس سمجھ لیجئے کہ ع

ایں گناہیت کہ در شہر شمانیز کنند

علاوہ اس کے ذرا اوپر چلئے! مسیح کی تعلیم سے یہودی ناراض ہوتے تھے یا نہیں؟ ضرور ہوتے تھے بلکہ ایسے ناراض ہوئے کہ ہندو لوگ بھی مسلمانوں کی ترسانی سے اتنے ناراض نہیں ہوتے تھے۔ یہودی تو مسیح کے حق میں اپنی ناراضگی کا اظہار ایسے سنگین لفظوں میں کرتے تھے اور کرتے ہیں کہ ع اگر گویم زباں سوزد

اس کے بعد پادری صاحب لکھتے ہیں کہ :-

”ہم نے کتاب مسیحیت کی عالمگیری کے باب دوم میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ کلمۃ اللہ (مسیح) کے اصول جامع اور عالمگیر ہیں“ (ص ۵۶)

جواب | آپ کی اس مایہ ناز کتاب کا جواب اسی کتاب کے باب دوم میں دیا جائیگا انشاء اللہ پادری صاحب اصول مناظرہ کے ماتحت اپنی پوزیشن کی پروا نہیں کرتے۔ ہم اپنی حیثیت سے کیوں گریں۔ آپ اس امر کے مدعی ہیں کہ قرآن کے اصول عالمگیر نہیں ہیں۔ ہم اتنے حصے کے جواب وہ ہیں۔ باقی رہا انجیل کا عالم گیر ہونا۔ یہ ایک الگ مضمون ہے اس لئے اس کا جواب بھی الگ ہوگا۔ آپ تو اپنی حیثیت کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ ہم آپ کے پیچھے کیوں چلیں۔

وہ اپنی خونہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں

سب سرین کے کیوں پوچھیں کہ ہم سے سرگرہ ان کیوں ہو

اس کے بعد آپ لکھتے ہیں کہ :-

”قرآن کے اصول اور اسلام کے احکام عالمگیر ہونے کی اہمیت نہیں رکھتے وہ زمانہ مکاں کی قیود سے آزاد نہیں بلکہ قیود شرعیہ کی زنجیروں اور دیگر پابندیوں سے جکڑے

ہوتے ہیں۔ وہ جامد اور ٹھوس ہیں جو ضرورتِ زمانہ اور حالتِ خاص کے مطابق نہیں
 ڈھلے جاسکتے ہیں۔ ضروریاتِ زندگی تغیر پذیر ہوتی ہیں۔ پس وہ ہر ملک، قوم اور زمانہ
 کیلئے یکساں نہیں ہوتیں۔ لیکن اسلامی احکام ان تغیرات کے مطابق حسبِ ضرورت چیا
 نہیں کئے جاسکتے۔ کیونکہ شارع کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ اس کے احکام کا
 غیر عرب پر بھی اطلاق کیا جائے گا۔ تمام دنیا کے ممالک کے لوگ اور ہر زمانہ کے
 مختلف افراد ایک ہی لائحہ عمل سے ہانکے نہیں جاسکتے۔ خود حضرت رسول عربی کی صیغہ
 حیات میں آپ کو موقع اور محل کے مطابق اور تغیر حالات کے باعث چند احکام بدلنے
 پڑے تھے۔ نامح و منسوخ کا مسئلہ مثلاً اس امر پر شاہد ہے (ص ۵۰)

مجیب اس کا جواب کتاب ہذا کے صفحہ ۳ پر آچکا ہے۔ جہاں نماز کا ذکر ہے۔ یہاں
 بھی ہم مختصر جواب دیتے ہیں کہ اسلام کا کوئی حکم بھی ایسا نہیں ہے جو کل دنیا کی اقوام پر
 حاوی نہ ہو سکے۔

سب سے پہلا حکم توحید و رسالت کا عقیدہ ہے یعنی کلمہ طیبہ (لا الہ الا اللہ محمد
 رسول اللہ) پر ایمان لانا۔ دوسرا حکم پنجگانہ نماز پڑھنا ہے۔ تیسرا حکم زکوٰۃ دانا ہے جو تھا
 حکم ماہِ رمضان کے روزے رکھنا ہے۔ پانچواں حکم عمر بھر میں ایک دفعہ حج کر لینا ہے۔ یہ سب
 حکم ایسے مانگتے ہیں کہ ان کی شہادتِ زمانہ کے واقعات دے رہے ہیں کہ آج مسلمان کو پڑنا
 کی تعداد میں ہرگز اعظم و رہبر ملک میں آباد ہیں جہاں ان احکام کی تعمیل برابر ہوتی ہے۔
 آپ مزید تحقیق کرنا چاہیں تو دو راستے کھلے ہیں (۱) دنیا کا سفر کر کے (۲) اسلامی ممالک
 کو دیکھ لیں (۱۲) ابن بطوطہ کا سفر نامہ پڑھیں یا انگریزی پر فہم سفر نامہ (۱۳) کتاب
 پرچینک آف اسلام یا اس کا اردو ترجمہ دعوتِ اسلام دیکھ لیں۔ اس کتاب میں
 مصنف نے کل دنیا میں اشاعتِ اسلام اور اہل اسلام کے مذہبی اعمال کا ذکر کیا ہے۔ ان
 دو طریقوں میں سے جو طریقہ بھی آپ اختیار کریں گے اس کے بعد امید ہے کہ آپ اس
 اعتراض کو واپس لیں گے۔

اسی ضمن میں آپ نے لارڈ میڈلے (انگریز نو مسلم) کی ایک چٹھی کا اقتباس نقل

کیا ہے کہ

انگریزوں کو سوٹرا اور شراب کے ترک کرنے اور نماز پنجگانہ پڑھنے کا حکم دینا
ان کی طبیعت کے خلاف ہے۔ (ص ۱۷۱)

مجیب | پادری صاحب! یہ احکام اسلام قبول کرنے سے مانع نہیں ہو سکتے چنانچہ
لارڈ ہیڈلے کو بھی اسلام لانے سے مانع نہیں ہوئے۔ مگر مسیح کا ارشاد ذیل ہدایت قبول
کرنے سے سخت مانع ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:-

”مال اپنے واسطے زمیں پر جمع نہ کرو جہاں کیٹرا اور مورچہ خراب کرتے ہیں اور جہاں چور
سیندھ دیتے ہیں۔ بلکہ اپنا مال اپنے لئے آسمان پر جمع کرو، جہاں نہ کیٹرا نہ مورچہ
خراب کرتے ہیں اور نہ وہاں چور سیندھ دیتے نہ چراتے ہیں۔“ (انجیل متی باب ۱۹: ۱۷)

مجیب | پادری صاحب! بتائیے کہ اس حکم پر یورپ اور امریکہ کے مکھتبی ساہوکار بلکہ ہندوستان
کلیسیا بھی عمل کر سکتی ہے اور دنیا بھر کے غیر مسیحی تجارت پیشہ لوگ ساہوکار، سیٹھ اور امیر
لوگ کہاں تک اس حکم کی تعمیل کر سکتے ہیں خود مسیح کے سلسلے میں ایک ایسا ہی واقعہ پیش ہوا تھا
جس کے اصل الفاظ یہ ہیں:-

”تب یسوع نے ایک متلاشی نجات سے کہا اگر تو کامل ہوا چاہتا ہے تو جا کے سب
کچھ جو تیرا ہے بیچ ڈال اور محتاجوں کو دے کہ تجھے آسمان پر خزانہ لے گا تب آ کے
میرے پیچھے ہوئے۔ وہ جوان یہ سن کر غلین چلا گیا کیونکہ بڑا مالدار تھا۔“

تب یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولت مند کا آسمان
کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے بلکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے
ناک سے گزر جانا اس سے آسان ہے کہ ایک دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل

ہو۔ (انجیل متی باب ۱۹: ۲۱ تا ۲۴)

مجیب | پادری صاحب! یہی مالدار متلاشی نجات اگر دربار محمدی میں حاضر ہو کر عرض کرتا
تو وہاں سے اس کو یہ حکم صادر ہوتا۔

ملہ اس سے مراد نجات ہے (مجیب)

تو ایک سال گزرنے پر اپنے بال کا چالیسواں حصہ راہِ خدا میں دے دیا اور
باقی اپنی ضروریات کے واسطے محفوظ رکھ لیا کرے!

تو شخص مذکور اس حکم پر بڑی خوشی اور آسانی سے عمل کر کے نجات اخروی کا مستحق ہو جاتا اور پہلے
کی طرح سارا مال فی سبیل اللہ خرچ نہ کرنے کی صورت میں نجات سے محروم نہ رہتا اللہ اللہ! کیسی
سخت ہدایت ہے کہ مالدار کا نجات پانا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے کہ اونٹ سوئی کے ٹاکے سے گذر جائے
مسیحی دوستو! دو عم دونوں مسیحی اور مسلم، ان دونوں تعلیموں (محمدی اور مسیحی) میں امتحان
دیں۔ پھر دیکھیں کون پاس ہوتا ہے کون نیل سے

بس ہو رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز

آیا ہے اب مزاج تیسرا امتحان پر

علاوہ اس کے خنزیر اگر حرام خور قوم کو قبولِ اسلام سے مانع ہے تو یہ قبولِ مسیحیت سے
بھی مانع ہے کیونکہ خنزیر کے متعلق جو حکم قرآن میں ہے وہی حکم تورات میں بھی ہے۔ اس
کتاب کی تمہید میں (مثلاً) پر ہم لکھ چکے ہیں کہ تورات ہی مسیحیت کے لئے شریعت کی کتاب
ہے۔ اس بارے میں تورات کی ہدایت یہ ہے۔

سوڑ کہ کھڑا اس کا دو حصہ ہوتا ہے اور اس کا پاؤں چرا ہے پر وہ جگانی نہیں کرتا

وہ بھی ناپاک ہے تمہارے لئے۔ تم ان کے گوشت میں سے کچھ نہ کھاؤ اور ان کی

لاشوں کو نہ چھوئیو کہ یہ ناپاک ہیں تمہارے لئے (احبار باب ۱۱-۱۲-۱۳)

مجیب | حرمتِ خنزیر کے متعلق یہ عبارت بالکل صاف ہے۔ اسلئے ہم پادری صاحب کو مشورہ
دیتے ہیں کہ جب تک وہ تورات کی اس ہدایت کو فسوخ کر کے نئی بائبل نہ شائع کریں، اشاعتِ اسلام
کیلئے خنزیر کو بطور کاوٹ پیش نہ کیا کریں بلکہ مناسب ہے کہ ہم دونوں آپس میں مشورہ کر لیا کریں کہ خنزیر
کے بے ان لوگوں کو کیا چیز دی جائے جسے نئے کر وہ دینِ حق کی طرف رجوع کر سکیں ہم اپنی طرف
سے گوشتِ خوروں کے سامنے ونبہ بکرے وغیرہ کا گوشت پیش کرتے ہیں اگر آپ ہم سے متفق ہیں تو ہم
کہیں گے ع شکر اللہ کہ میانِ من و تو صلح قنادر

۱۸۱۵ء حرمتِ خنزیر کے لئے دیکھو امثال ۱۰:۲۰ اور پولوس کا خط بنام انیسویں ۱۸۱۵ء

اگر آپ کے پاس کچھ اور ہے تو اپنی مذہبی تعلیم کے ماتحت اسے پیش کیجئے۔
 اسی ضمن میں آپ نے ایک آزاد روش مسلم کا کلام پیش کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔
 "اگر اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے تو کیوں ہم عربی توہمی خصائص کے لئے مثلاً ختنہ، عقیقہ،
 طوافِ کعبہ، سعی صفا و مرودہ و اشباح لحم خنزیر، احکام وراثت، نکاح طلاق و ازدواج
 بیع و شرا بلکہ ایک خاص طریقہ عبادت کے لئے جو بالخصوص عربی زبان میں ہو
 مجبور کئے جاتے ہیں (مقولہ نگار مندرجہ کتاب نیر جواب ص ۶۳)

مجیب | پادری صاحب! آپ مثل مشہور ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کیوں صحیح ثابت کر رہے ہیں
 اگر آپ ایسے آزاد لوگوں کی رائے کا سہارا تلاش کریں گے تو عم بھی مسٹر بریڈ لاجن کے نام
 سے لاہور میں بریڈ لاجن بنا ہوا ہے جیسے معزز رکن پارلیمنٹ انگلستان کی کتاب تناقضات
 بائبل پیش کر دیں گے۔ پھر شکایت نہ ہو۔

سنئے! اس عبارت میں آپ نے ختنے کا ذکر کیا ہے۔ اس کا حکم بھی تورات میں موجود ہے
 عقیقہ بھی تورات کی بے حساب قربانیوں میں داخل ہے۔ طواف کعبہ بھی اشاعت اسلام سے مانع
 نہیں ہے کیا آپ نے کبھی سنا نہیں ہے کہ جس طرح عرب لوگ اعمال حج ادا کرتے ہیں اسی طرح
 ہندوستان اجاوا، سماٹرا اور چین، روس وغیرہ ممالک کے لوگ بھی مناسک حج جلاتے ہیں
 معلوم نہیں آپ واقعات سے چشم پوشی کیوں کرتے ہیں کیا کسی دور دراز ملک کے لوگوں نے آپ
 کے پاس شکایت کی ہے کہ ہم اس لئے اسلام میں داخل نہیں ہو سکتے کہ اس کے احکام کی تعمیل
 ہم سے نہیں ہو سکتی جب کہ خدا کے فضل سے ہر ملک کے لوگ احکام اسلام کی تعمیل کر سکتے ہیں
 تو آپ قاضی صاحب کی طرح شہر کے اندیشہ سے کیوں دبے ہوئے جا رہے ہیں۔ باقی رہا یہ سوال
 کہ عبادت کے وقت عربی الفاظ کے استعمال پر کیوں مجبور کئے جاتے ہیں۔ آپ ہماری طرف سے ایڈیٹر
 نگار کو اطلاع دے دیں کہ ان کو عربی الفاظ میں نماز پڑھنی اگر مشکل معلوم ہوتی ہے تو وہ حسب فتنی
 امام ابوحنیفہ صاحب اپنی مادری زبان میں نماز پڑھ لیا کریں پس یہ وجہ بھی قبول اسلام سے مانع
 نہیں ہو سکتی۔ اگر ان کو پڑھنی ہی نہیں تو ناحق کی جتیں نہ تراشنا کریں۔

ہاں آپ نے ایک عجیب فقرہ لکھا ہے جس کی تصدیق دنیا میں شاید کوئی ایک شخص بھی نہ کرے گا۔ گو یہ فقرہ بھی کسی آزاد خیال مسلم کی رائے ہے۔ مگر آپ نے اسے اپنی تائید سمجھ کر نقل کیا ہے اس لئے اسے بھی ہم آپ ہی کی طرف منسوب سمجھتے ہیں۔ فقرہ مذکور یہ ہے:-
 میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسلام میں تغیر کا خیال ہی ندارد ہے اس لئے ترقی کا جوہر بھی مفقود ہے (ص ۶۵)

عجیب | اس کا جواب بالکل آسان ہے جس کی تفصیل یوں ہے کہ مسیحی تاریخ کی ابتدا سے پیغمبر اسلام علیہ السلام کی بعثت تک چھ صدیوں کے واقعات سامنے رکھ لیں۔ اسی طرح بعثت محمدیہ سے چھ سو سال تک کے واقعات کو ملحوظ رکھیں پھر علم تاریخ کی شہادت سے ان دونوں زمانوں کا موازنہ کرنا چاہیں تو ہم آپ کی دعوت پر آپ کے گرجے میں آکر مقابلہ کر کے دکھانے کو تیار ہیں۔ بے شک آپ سارے یورپ کی مسیحی تاریخ کو سامنے رکھیں اور ہم مختلف ممالک میں اشاعت اسلام کی تاریخ کو آپ کے سامنے رکھ دیں گے اور اپنی تقریر کو اس شعر سے شروع کریں گے:-

ادھر آ پیارے ہنر آزما ہیں تو تیز آزما ہم جگر آزما ہیں

اگر آپ اس مقابلہ کی تکلیف برداشت نہ کر سکیں یا آپ کے احباب اس سے مانع ہوں تو ہم آپ کو شہرہ دیتے ہیں کہ آپ انگریز پروفیسر آرنلڈ کی کتاب "پرنسپل آف اسلام" (دعوت اسلام) کا مطالعہ کر کے صحیح رائے قائم کریں۔

ناظرین! خدا کی شان ہے کہ اسلام جو اپنے اندر ہر قسم کے برکت احکام رکھتا ہے (معتقد ہوں یا عبادیہ، اخلاقیہ ہوں یا سیاسیہ) اس پر اعتراض کرنے کو وہ صاحب پیش ہوتے ہیں جن کے مذہب کی اصل تعلیم میں ترقی کرنے کا نمونہ یہ ہے:-

"ظالم کا مقابلہ نہ کر بلکہ جو تیرے دہنے کمال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ اگر کوئی چاہے کہ تجھ پر نالاش کر کے تیری قبائلی کرتے کو بھی اسے بسنے دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار لے جاوے اس کے

ساتھ دو کوس چلا جا (متی باب ۵: ۴۰ تا ۴۱م)

مجیب کیا ہی دل خوش کن تعلیم ہے جو سوائے کتابی زینت کے عمل میں آہی نہ سکے۔
پچھلے دنوں گاندھی جی نے اپنے عقیدہ کے ماتحت جنگ یورپ سے متاثر ہو
مثال کر وزیر اعظم برطانیہ کو لکھا تھا کہ یہ

ہٹلر اگر انگلستان پر قبضہ کرنا چاہتا ہے تو اپنا ملک بلا مقابلہ اس کے حوالے کر دو۔
حکومت انگلستان کی طرف سے اس کا جواب جو آیا اس کا مضمون اس شعر میں ہے

نہ کریں میرے لئے حضرت ناصح تکلیف

خود طبیعت دل تیباب کو سمجھالے گی

یہ ہے سچی مذہب کی ترقی کا ذریعہ جو درحقیقت تنزل بلکہ موت کے برابر ہے سچی قوم کا بنیادی
پتھر قسطنطین اعظم ہوا ہے۔ قسطنطنیہ کی تاریخ شہادت دیتی ہے کہ اس بادشاہ کے جان نشینوں
نے بھی عربوں اور ترکوں کے حملوں کے وقت اس نہری اصول پر عمل نہیں کیا بلکہ بڑے زور
سے حملہ آوروں کا مقابلہ کر کے آخری دم تک جان توڑ مزاحمت کرتے رہے حالانکہ یہ لوگ
مذہب کے لحاظ سے بڑے پتے عیسائی تھے۔ اس کے علاوہ صلیبی جنگوں میں مسیحیوں نے
جو کچھ کیا وہ کسی تاریخ دان سے معنی نہیں ہے نہ صرف یہ کہ ظالم کا مقابلہ نہ کیا بلکہ سلطان
صلاح الدین ایوبی پر حملہ آور ہونے کو یورپ کی کل مسیحی سلطنتیں متفق ہو گئیں۔ وہ شریف انسان
رچرڈ شیردل ان سب کو لے کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ جس میں سب پادری شریک ہوئے
یہ لوگ سوتے اٹھ کر صبح کو اپنے خواب سنا تے کہ

آج رات مقدمہ مریم نے ہمیں ہدایت کی ہے کہ میرے بچوں کو کہہ دو کہ اس جنگ
میں خوب ڈٹ کر لڑو۔

جب پادری لوگ اس تدبیر سے بھی کامیاب نہ ہوئے تو یہ بات بنائی کہ چونکہ فوج کے سب
پاہی گنہگار ہیں اس لئے فتح نہیں ہوتی، ہمیں چاہیے کہ معصوم (بے گناہ) بچوں کی فوج تیار کریں
چنانچہ انہوں نے نابالغ بچوں کی ایک فوج بنائی جس کا افسر بھی ایک گڈریے کا لڑکا مقرر
ہوا جس کی عمر قریباً گیارہ سال تھی۔ نابالغوں کی اس فوج نے گاڑیوں میں بیٹھ کر یروشلم
کا رخ کیا۔ راستے میں جب کوئی بستی آتی تو بچے پوچھتے کہ یروشلم یہی ہے۔ اس سفر میں ہر مقام

کے مسیحی لوگ ان کی خوب خاطر تواضع کرتے اور پادری لوگ ان کو دعائیں دیتے مگر نتیجہ یہ ہوا کہ بادِ مخالف چلنے کی وجہ سے ان مجاہدین کے کچھ جہاز تو سمندر ہی میں غرق ہو گئے اور جو باقی بچے وہ کسی اور ساحل پر جا گئے (ہائی روڈ آف ہسٹری)۔

پادری صاحب! کیا اس جنگ میں مسیح کی یہ تعلیم کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا عمل میں لائی گئی یا ترک کی گئی۔

علاوہ اس کے موجودہ جنگ یورپ (۱۹۱۴ء) میں مسیحی تو ہیں جو کچھ کر رہی ہیں وہ مسیح کی تعلیم عدم تشدد کے مطابق ہے یا اس کے خلاف؟

نہ چھپڑائے نہ کہت بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھیلیاں سو جھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

ایک اور حوالہ | پادری صاحب لکھتے ہیں کہ:-

مولانا عبدالمجید صاحب بی۔ اے مرحوم مولانا محمد علی کے اخبار سپر ڈوہلی میں بعنوان "ہماری بے بسی" یہ سوال پوچھتے ہیں اور فرماتے ہیں ہم کو جو مذہبی آزادی ہندوستان میں حاصل ہے اس کا اندازہ روزمرہ کی چند مثالوں سے فرمائیے۔ ہم میں سے ایک شخص حرام کاری کا مرتکب ہوتا ہے اس کے بعد وہ اپنے تئیں موشرعی کے لئے پیش کرتا ہے کیا قانون وقت ہم کو اس کی اجازت دینگا کہ ہم سے سنگسار کریں؟ ایک مسلمان چوری کرتا ہے دوسرے مسلمان اس کا ہاتھ کاٹ ڈالنا چاہتے ہیں کیا اس اسلامی سزا دینے کے بعد وہ مسلمان خود سزا کا مستحق نہیں بن جائے گا؟ شراب کی آزادانہ تجارت اور آبکاری و انیون کے محکوموں کو مسلمانان ہند اگر توڑنا چاہیں تو آزادانہ قانون توڑ سکتے ہیں؟ (۱۹ فروری ۱۹۲۵ء) (۱۷)

مجیب | اس اقتباس کا مطلب بجائے خود صحیح ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کے احکام دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ احکام ہیں جو مسلم افراد کے لئے ہر حال میں واجب العمل ہیں جیسے نماز روزہ وغیرہ۔ یہ تو کسی حالت میں بھی نہ مرفوع ہیں اور نہ مشکل۔ اسلامی احکام کا دوسرا حصہ سیاست اور حکومت پر مبنی ہے یعنی اس قوم سے متعلق ہے جو برسر حکومت ہو

اسی حقے میں قوانین فوجداری اور تعزیرات وغیرہ شامل ہیں۔ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی زندگی دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصہ کی بے دوسرا مدنی۔ آپ کی مکی زندگی میں سیاسی امور داخل نہ تھے بلکہ مدنی زندگی میں داخل ہوئے تھے۔ اس کے باوجود اسلام مکہ شریف میں بھی مکمل تھا اور مدینہ منورہ میں بھی مکمل تھا۔ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی زندگی جو خدا کی تقدیر سے دو حصوں میں منقسم ہوئی اس میں یہ ہارا ز مخفی ہے کہ جو مسلم قوم اپنی غفلت یا بدقسمتی سے برسر حکومت نہ ہونے کے باعث تعزیرات جاری نہ کر سکے۔ عند اللہ وہ بھی باایمان مسلم متصور ہو۔ جیسے وہ غریب مسلمان جس کے پاس مال نہیں ہے خیرات اور حج ادا نہ کرنے کے باوجود بھی مسلمان ہے۔

پادری صاحب! آپ ایم اے ہو کر اسلامی تاریخ سے اتنے ناواقف کیوں ہیں؟ کیا آپ نے اسلامی تاریخ میں نہیں پڑھا کہ اسلام ہندوستان میں تو بیشک فاتحانہ انداز میں آیا مگر چین وغیرہ ممالک میں تاجرانہ اور سیاحانہ حیثیت سے داخل ہوا۔ ابتداء سے آج تک وہاں اسلامی حکومت قائم نہیں ہوئی مگر مسلمان کروڑوں کی تعداد میں وہاں پائے جاتے ہیں پس یہ تاریخی واقعات ہماری تائید کرتے ہیں۔ اسلام حکومت کی حالت میں بھی دین الہی ہے اور عایا ہونے کی صورت میں بھی دین الہی ہے جس طرح امیری کی حالت میں بھی اسلام دین الہی ہے اسی طرح غریبی کی حالت میں بھی دین الہی ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ برسر حکومت ہو کر مسلم قوم اسی طرح ایک معزز قوم شمار ہوتی ہے جس طرح آج کل ہندوستان میں انگریز ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ماتحت اقوام مسلمان نہیں۔ دیکھئے ہندوستان میں مختلف قومیں جیسے پٹھان، ترک اور منغل وغیرہ آئے لیکن یہ کبھی نہیں ہوا کہ حاکم قوم نے اپنے ماتحت ہندوستانی مسلمان قوموں کو مسلمان ہی نہ سمجھا ہو۔

پس اقتباس مذکورہ سے آپ کا یہ نتیجہ نکالنا کسی طرح صحیح نہیں، جو آپ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں نکالائے :-

”کیا اس قسم کا اضطراب اور بے چینی یہ ثابت نہیں کرتی کہ اسلامی قوانین عالمگیر نہیں ہیں۔ آج کون سی ہندو سلطنت زنا کاری کی سزا سنساری اور چوری کی سزا قطعاً جاری

تجویز کرے گی یہ قوانین رسول عربی کے زمانہ کے اہل عرب کے لئے نہایت مندروں
تھے لیکن چونکہ وہ ابتدائی قرون اسلام کے لئے موضوع ہونے تھے چودہ سو سال
کے بعد دورِ حاضرہ کے حالات پر ان کا اطلاق نہیں ہو سکتا" (ص ۱۲)

مجیب | عالمگیری کا جواب تو ہو چکا۔ یہ تیسرا نمونہ ہے غالباً آپ کو حکومتِ حجاز کا علم نہیں
ہوگا جو آج ساری دنیا میں اصل اسلامی حکومت کا نمونہ ہے میرا مشورہ ہے کہ آپ حج کے
دنوں میں کسی مسیحی کو حجاز میں بھیجیں اور ساتھ ہی اس کو کہہ دیں کہ وہ وہاں جا کر چوری کرے۔
پھر اگر وہ اپنے ہاتھ ساٹھ لے کر آجائے تو مجھے اطلاع دیں۔ میں بھی اس کی زیارت کو آؤنگا
آپ نے ازراہ توہین اس زمانہ میں اسلام کے ان قوانین کا اطلاق نہ ہو سکنے کا چھٹا نمونہ
احتراف کیا ہے۔ پادری صاحب اوقاتِ صلحِ صلحی راہنما ہوتے ہیں جن کی راہنمائی میں
غلطی نہیں ہو سکتی۔ آپ ہندوستان میں جرائم کی رپورٹ دیکھیں۔ آپ انہی آسانی کے لئے
اخبار پر کاٹیں ۲۴ نومبر سنہ ۱۹۰۵ء دیکھ سکتے ہیں۔ اگر یہ پڑھیں کہ آپ کوڑے تو اپنی پڑوسی جماعت
احمدیہ کا آرگن اخبار "پیغام صلح" مورخہ ۱۲ نومبر سنہ ۱۹۰۵ء دیکھیں کہ ملک میں ہر سال گزشتہ سال کی
نسبت جرائم زیادہ ہوتے ہیں۔ برخلاف اسکے عرب میں جا کر دیکھئے جہاں اسلامی حکومت قائم ہے
وہاں آپ چوری، دہشت گردی، زنا کاری وغیرہ اخلاقِ جرائم ساز و ناوار پائیں گے یہ نظارہ دیکھ کر
اسلام کے حق میں آپ کے منہ سے بے ساختہ یہ شعر نکلے گا۔

اسلام! کیا جانے تجھ میں کیا ہے کہ لوٹے ہے تجھ پہ جی

یوں اور کیا جہاں میں کوئی حسین نہیں

ہاں جناب! تم تو اتنے حق سے فارغ ہو گئے اور اب ہماری جی من بیٹھے اور اپنے دوستوں
کو بھی سنا بیٹھے!

میں نے فرمایا ہے کہ میں تو زچا اپنے آیا ہوں (کتاب ہذا صفحہ ۱۲)

کیا ہندوستان کے مسیحی لوگ بھی اس علم پر عمل کر سکتے ہیں۔ اگر کر سکتے ہیں تو شوق سے کریں اگر نہیں
کر سکتے تو مسیحی مذہب عالمگیر کیسے ہوا۔ مع ہاتھ لانا استاد کیوں کیسی کہی

تنبیہ | ص ۶۰ سے ص ۶۱ تک پادری صاحب نے چند مسلم اہل علم کی مختلف رائیں نقل کی ہیں جو ان دنوں کی ہیں جن دنوں قانون خلق اور عدم افصح نگاہ مرتدہ کابل مرکزی اسمبلی میں پیش تھا۔ اس زمانہ میں بعض اہل علم کی رائے تھی کہ حکومت سے قانون بنوانے کی ضرورت نہیں بلکہ ہمیں اپنی اصلاح خود کرنی چاہیے۔

اس رائے کے اصحاب نے اپنی رائے کو قوت دینے کے لئے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ حکومت سے قانون بنوانا گویا شریعت کو ناقص ماننا ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ ”اونگھتے کو ٹھیلے کا بہانہ“ پادری صاحب بہت خوش ہو گئے کہ ہمارے ہاتھ بڑا زبردست ہتھیار آگیا کیونکہ بعض مسلمان عالموں نے تسلیم کر لیا کہ اسلام ایک غیر مکتل مذہب ہے۔ یہی کہتے ہیں ڈوبنے کو تنکے کا سہارا

پادری صاحب | احکام شریعت دو قسم کے ہیں۔ یہ تقسیم اسلام سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر ایک مذہب میں پائی جاتی ہے۔ منوجی کا دھرم شاستر ہو یا شریعت موسوی۔ دونوں میں یہ تقسیم برابر پائی جاتی ہے بعض احکام شخصی ہوتے ہیں جن کے ذمہ دار افراد ہوتے ہیں بعض جماعتی جن کی ذمہ دار حکومت ہوتی ہے آپ نے ان اہل علم کی رائے تلاش کرنے میں ناحق زحمت اٹھائی ہے میں آپ کو آسان راستہ بتائے دیتا ہوں۔ آئندہ اعتراض کرنا ہو تو اس طرح کیا کرو کہ

اسلام کے احکام چور کا ہاتھ کاٹو، زانی کو سزا دو وغیرہ اس قسم کے احکام چونکہ حکومت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے عام مسلمان ان جرائم کی سزا نہیں دے سکتے پس اسلام ایک نامکمل مذہب ہے، کیونکہ ہر ملک میں اس کے احکام کی تعمیل نہیں ہوتی۔
پادری صاحب! دیکھنا ہے

تین تو اچھی پڑھی تھی گر پڑے ہم آپ ہی

دل کو قاتل کے بڑھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

شریعت کا کامل یا غیر کامل ہونا تو اس امر پر موقوف ہے کہ اس کے احکام قابل عمل ہیں یا نہیں۔ رہا یہ کہ ان کے عمل درآمد میں کوئی امر مانع ہو تو یہ بات اس میں دخل انداز نہیں ہے

اس کی مثال بائبل ایسی ہے کہ کسی گاؤں میں وہاں پڑ جائے اور وہ لوگ رمضان کے روزے نہ رکھ سکیں تو روزوں کی فرضیت پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ یہی حال پادری صاحب کلہے مسیحی مذہب پر جو اعتراضات ہیں ان پر آپ غور نہیں کرتے ان کی تفصیل ہم رسالہ ہذا کے دوسرے باب میں کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ!

پادری صاحب نے رسالہ زیر جواب کے صفحے ۷۸ تک اہل قرآن اور اہل حدیث کے مناظرات کا ذکر کیا ہے جس میں خاکسار ابوالوفاء اور مولوی احمد الدین امرت سہری کے تخریبی مکالمے کا بھی ذکر ہے اور آپ نے از خود حکم بن کر یہ فیصلہ بھی دیا ہے کہ اہل حدیث حق بجانب ہیں (شکریہ!) نتیجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنوعی حکم کا فیصلہ کسی ذاتی غرض پر مبنی ہے وہ غرض یہ ہے کہ قرآن کو غیر مکمل کتاب ثابت کیا جائے چنانچہ اس بحث کے اخیر میں آپ نے یہی نتیجہ نکالتے ہوئے لکھا ہے کہ

قرآن ایک غیر مکمل کتاب ہے۔ (صفحہ ۹)

اس لئے میں اس مناظرے کی روٹ مڑا دے اپنے پسے پر چے کا ایک اقلباس پیش کرتا ہوں قرآن اور حدیث کے تعلق کا ذکر کرنے کے بعد میں نے یہ فقرے بھی لکھے تھے کہ:-

”اس کی مثال آج کل کی اصطلاح میں یوں ملتی ہے کہ قانون سازی سوجیلیٹیو کونسل کا کام ہے ہائی کورٹ کا کام قانون سازی نہیں مگر جس قانونی دفعہ پر ہائی کورٹ کسی صورت میں فیصلہ کر دے تو تمام صوبہ کے لئے وہ فیصلہ مثل قانون کے نافذ ہوتا ہے اور اگر پریوی کونسل کے جج کسی جانب رائے قائم کر دیں تو ان کا فیصلہ سارے مالک محروسہ کے لئے حجت ہو جاتا ہے حالانکہ وہ فیصلہ قانون نہیں بلکہ قانون کی تشریح اور حسب قانون فیصلہ ہے۔ ٹھیک اسی طرح پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو قرآن مجید کے ساتھ نسبت خاص حاصل ہے۔ اس لئے حدیث نبوی کے احکام کو خدا تعالیٰ نے احکام الہیہ میں شمار کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے

أَلَمْ تَرَ أَنَّ الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ

رپٹ - ۷۸

(اے نبی! آپ نے ان لوگوں کو دیکھا جن کو کہا گیا کہ جنگ سے ہاتھ بند رکھو
اور نماز پڑھتے رہو۔ (برہان القرآن ص ۵)

پادری صاحب! قرآن اور حدیث کے باہمی تعلق کی تصویر ہمارے نزدیک یہ
ہے کہ اہل قرآن کو بھی اس سے انکار نہ ہونا چاہیے کیونکہ وہ بھی بعض قرآنی احکام
کو باوجود عمومِ نلفظی کے احادیث سے خاص کریتے ہیں۔ مثلاً نماز جمعہ کا حکم۔ جس کی
بابت آیت کریمہ اِذَا سُوِّدِيَ لِلصَّلَاةِ فِي نَفْطِ عَامٍ ہے۔ یہ لوگ سخت گرمی کے
موسم میں عام مسلمانوں کی طرح دوپہر کے وقت ہی نماز جمعہ پڑھتے ہیں۔ فتفقروا
یا اولی الاباب۔

تنبیہ ضروری | پادری صاحب عمر کے لحاظ سے ابھی بڑے چاچے کو نہیں پہنچے مگر
میں دیکھتا ہوں کہ آپ پر نسیان غالب ہے۔ اسی لئے علمِ کلام کی رو سے آپ اپنی
حیثیت بھول جاتے ہیں۔ پس وہ غور سے سنیں۔ قرآن مجید میں بالفرض اگر جملہ
ضروری احکام نہیں ہیں اور ایسے احکام ہم حدیثوں سے اخذ کریں تو بھی قرآن کے
عالمگیر ہونے میں شبہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عالمگیر مذہب کی تعریف میں آپ نے
لکھا ہے کہ۔

عالمگیر مذہب کی لازمی شرط ہے کہ اس کے اصول دنیا کے کل ممالک اور
اقوام پر حاوی ہو سکیں اور اس کا پیغام یہ اہمیت رکھتا ہو کہ زمان و مکان
کی قید سے آزاد ہو۔ اور کسی خاص قوم یا زبان یا ملک سے متعلق نہ ہو۔
(توضیح البیان ص ۵)

اس تعریف کی روشنی میں میں کہہ سکتا ہوں کہ قرآن مجید میں اگر فقط ایک دو حکم ہوتے مثلاً
نماز اور زکوٰۃ تو بھی قرآن عالمگیر ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اس حالت میں بھی سب قومیں اس پر
عمل کر سکتی ہیں۔

آپ اپنے مذکورہ الفاظ کو غور سے دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ
کسی مذہب کی عالمگیریت اور چیز ہے احکام کی تفصیل اور چیز ہے۔ آپ عالمگیریت اور

تفصیل کو لازم لزوم قرار دینے میں غلطی پر ہیں۔ پس آئندہ ایسی غلطی کا ارتکاب نہ کریں۔
اسلام کے برخلاف کھتے ہوئے یہ بات دل میں رکھا کریں کہ مسلم مسکین بال کی کھال
امارنے والے ہیں۔

سنبھل کے رکھیو قدم دشتِ خار میں مہجوں

کہ اس نواح میں سودا برہنہ پابھی ہے

ناظرین کرام! پادری صاحب کی بے چارگی للاحظہ کیجئے کہ قرآن مجید کی مانگیریت
پر بحث کرتے ہوئے ان لوگوں کے نام پیش کرتے ہیں جو جمہور اسلام میں اسی نظر سے
دیکھے جاتے ہیں جس نظر سے عیدائوں میں یورپ کے اہل بدعت اور محدثین کو دیکھا
جاتا تھا۔

جہاں تک نفس قرآن کی تعلیم کے مضمون کا تعلق ہے وہ تو ختم ہو گیا۔ باقی رہا آپ کا
خطاب قادیانوں اور لاہوریوں سے۔ سو اس کے جواب وہ وہی لوگ ہیں چنانچہ آپ کے
مذہبہ ذیل الفاظ

جب سے مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے نے قادیان کی تاریخ
چار دیواری سے جہاں علم و عقل کا دم کھٹتا ہے۔ نکل کر لاہور کی علمی فضا
میں سانس لینا شروع کیا ہے۔ آپ نے اپنے پیر حضرت قدس مسیح ہو جو
مہدی معبود حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کرشن ثانی کی بعض باتوں اور
فاسد عقیدوں سے عملاً توجہ کرنی ہے۔

اتباع مرزا کو ذمہ دار تسلیم دیتے ہیں۔ آپ ہائیں اور وہ ہائیں۔ آپ کی پارٹی کے
رکن رکن پادری عبدالمق صاحب ہیں کہا کرتے ہیں کہ
ہم شہداء اللہ ہمارے اور اتباع مرزا کے معاملات میں دخل نہ دیا کریں کیونکہ
ہم دونوں مسیحی ہیں نرق اتنا ہے کہ ہم مسیح نامہ سری کے پیرو ہیں اور وہ مسیح قادیانی کے۔
اس لئے ہم ان کے مشورے کے مطابق آپ کے اور احمویوں کے معاملہ میں دخل نہیں دیتے بلکہ خاموش
رہتے ہیں۔ بقول ع۔ محتسب راورون خانہ چہ کار

باب دوم

مسیحیت کی عالمگیری پر ایک نظر

سے ہوں گے جن میں سینکڑوں نئے ہزاروں کے
کلیہ تھک مہم لو اب دل جلے سر یاد کرتے ہیں

پادری برکتہ اللہ صاحب نے اپنی دوسری کتاب میں مسیحی مذہب کی عالمگیری پر بحث
کی ہے۔ ایسا ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ عرب کا مقولہ منقولہ
”تعرفت الاشیاء باضدادھا“

بہت مشہور ہے۔ یعنی چیزیں مقابلہ میں پرکھی جاتی ہیں۔
مگر اس کتاب میں آپ نے پھر وہی اصولی غلطی کی ہے جو آپ جیسے مصنفوں سے
بغیر نہیں ہے، اصول منقول یہ ہے۔

ثبت العرش ثم النقش

(پہلے تخت بناؤ پھر اس پر نقش کرو)

علم مناظرہ کا اصول بھی یہی ہے کہ دعویٰ اگر قابل تشریح ہو تو پہلے اس کی تشریح کی جائے
پھر اگر دلیل کی حاجت ہو تو دلیل بھی پیش کی جائے۔ یہی طریق آج کل عدالتوں میں بھی مروج
ہے مگر پادری صاحب کا عمل اس اصول پر ہے۔

مذہب پرستی قیس نہ فرماؤ کریں گے ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے
پادری صاحب کو چاہیے تھا کہ اس کتاب میں پہلے مسیحی مذہب کی تصویر دکھائے یعنی آپ
بتائے کہ مسیحی مذہب میں فلاں فلاں عقائد اور احکام ہیں جو ساری دنیا کے لئے قابل قبول

اور قابل عمل ہو سکتے ہیں۔ ایسا کرنے سے شاید آپ کو یہ نقصان ہوتا کہ مضمون چند صفحات میں ختم ہو جاتا جو بلحاظ ضخامت کے کتاب کی بجائے کتیب (ٹریکیٹ) میں موسوم ہوتا جو آپ جیسے بڑے پادری کی شان کے لحاظ سے بہت کم درجے کا سمجھا جاتا۔ خیر پادری صاحب نے جو کچھ کیا ہے سوچ سمجھ کر ہی کیا ہوگا۔ ہمیں اس سے کیا مطلب۔ ع

مختص رادرونِ خسانہ چہ کار

آپ نے عالمگیر مذہب کی تعریف کے متعلق مختلف عنوانات کے ماتحت جو کچھ لکھا ہے اسے ہم یک جا لکھ دیتے ہیں۔ پادری صاحب فرماتے ہیں۔

(۱) عالمگیر مذہب کی پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے اصول ارفع اور اعلیٰ ترین ہوں۔ ان اصولوں میں یہ صفت ہو کہ دنیا کے سب لوگوں کی ضمیر میں ان کو مان سکیں (ص ۹)

(۲) لازمی امر ہے کہ عالمگیر مذہب خدا کی نسبت ایسی تعلیم دے جس کے سامنے ہر زمانہ اور قوم کی گردنیں جھک جائیں۔ (ص ۱۰)

(۳) کوئی مذہب عالمگیر کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا جس کے اصول عالمگیر نہ ہوں۔ جس مذہب کے اصولوں میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ ہر ملک، قوم، اوزانہ اور نسل کے لوگوں پر حاوی ہو سکے۔ وہ مذہب ہر ایک ملک یا قوم یا زمانہ یا پشت کے لوگوں کے لئے ہی مفید ہو سکتا ہے۔ (ص ۱۱)

(۴) لازم ہے کہ عالمگیر مذہب کے اصول نہ صرف زمانہ ماضی کے لئے کسی خاص قوم یا ملک یا پشت یا زمانہ کے صحیح نہ سیر رہ چکے ہوں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ان اصولوں کا اطلاق دورِ حاضرہ کے تمام ممالک و اقوام پر ہو سکے (ص ۱۲)

(۵) چونکہ عالمگیر مذہب کا تعلق کل اقوامِ عالم کے ساتھ ہے اور وہ زمانہ ماضی دورِ حاضرہ اور زمانہ مستقبل کے ساتھ وابستہ ہے اور یہ بھی واجب ہے کہ اس کے اصول اعلیٰ ترین اور بلند ترین پایہ کے ہوں لہذا یہ ضروری ہے کہ عالمگیر مذہب کے اصول مذاہبِ عالم کے اعلیٰ اصول کے جامع ہوں (ص ۱۳)

(۶) عالمگیر مذہب کے لئے نہ صرف یہ ضروری ہے کہ اس کے اصول اعلیٰ، ارفع، جامع اور

کامل ہوں بلکہ یہ اشد ضروری ہے کہ اس میں یہ کامل نمونہ بھی ہو جس کی شخصیت میں وہ اعلیٰ اور افضل اصول پائے جائیں والدین اور استاد اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ اصول کی تلقین سے نمونہ دکھانا بہتر ہوتا ہے (ص ۱۲)

محبوب ان سارے اصولوں پر ہمارا اصرار ہے۔ ان اصولوں کے ذکر کے بعد پادری صاحب نے مسیحیت کے عالمگیر ہونے کا دعوے کیا ہے جو انہی کے الفاظ میں درج ہے۔ پادری صاحب اصل مطلب کی بات یوں لکھتے ہیں کہ:-

”مسیحی مذہب اکیلا واحد مذہب ہے جو ان تمام شرائط کو جن کا ذکر اس باب میں کیا گیا ہے بدرجہ احسن پورا کرتا ہے۔“

کلمۃ التدریس کی تعلیم تمام اعلیٰ ترین اور بلند ترین اصول پر مشتمل ہے۔ مسیحیت خدا اور انسان کی نسبت وہ تعلیم دیتی ہے جس سے دیگر مذاہب یکسر خالی ہیں۔ کلمۃ اللہ نے خدا کی ذات کی نسبت جو تعلیم دی ہے وہ بے نظیر لائق اور ابدی ہے۔“ (ص ۲)

ناظرین! زیر خط الفاظ کو غور سے پڑھیں۔ بس ہی ایک مرکزی بحث ہے۔ سب سے پہلے ہم اسی مسئلہ کی تحقیق کرتے ہیں کہ مسیحیت نے خدا کی نسبت کیا تصویر پیش کیا ہے اور جو کیا ہے وہ اس قابل ہے کہ کوئی عقل سلیم اسے قبول کر سکے۔ اس جگہ ہم پادری صاحب کا ایک مختصر سا فقرہ نقل کر کے اس کو علم تاریخ کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ پادری صاحب نے نہایت مختصر مگر جامع الفاظ میں خدا اور مسیح کا تصور یوں دکھایا ہے کہ:-

”عیسائی لوگ خداوند مسیح پر ایمان رکھتے ہیں اور خدا پر اس لئے ایمان رکھتے ہیں کہ وہ مسیح کی مانند ہے (مسیحیت کی عالمگیری ص ۱۲)“

اگرچہ یہی ایک فقرہ مسیحی مذہب کے خدا و خالق کی شناخت کے لئے کافی ہے مگر ہم تاریخ مسیحیت کی روشنی میں اس فقرہ کی تفصیل پر نظر ڈالتے ہیں۔ اس سے پہلے ناظرین مختصر سی تہید سن لیں تیسری صدی عیسوی میں عیسائیوں میں مسیح کی شخصیت کی نسبت اختلاف شدید پیدا ہو گیا اس زمانہ میں بادشاہ قسطنطین اعظم عیسائی ہو چکا تھا۔ اس لئے اس نے مسیحی امت کی ہمدردی کے پیش نظر اس معاملہ میں دخل دے کر باور یوں کی ایک کونسل سے اس کا

فیصلہ کر دیا جس کی تفصیل مندرجہ ذیل عبارت میں ملتی ہے تواریخ مسیحی کلیسیا مصنفہ پادری
ڈوبلیو۔ پی ہیرس بی۔ اے میں لکھا ہے۔

”شہنشاہ کونستانتائن اس ارادہ سے کہ کلیسیا میں زیادہ جھگڑے نہ پڑیں۔ ہسپانیہ
کے شہر کوردوبا کے بشپ ہو سبیس کو جو کہ مذہبی معاملات میں شہنشاہ کا صلاح کار تھا۔
اسکندریہ کو بھیجا اور الگز نڈرا اور ایریس کے نام خطوط ارسال کئے جن میں تحریر فرمایا کہ
یہ جھگڑا صرف لفظی تکرار ہے۔ خدا کے بھید انسانی سمجھ و ادراک سے بالا ہیں۔ اس پر
تو اسکندریہ میں اور بھی آگ لگ گئی۔ زیادہ فساد چنے لگا۔ سو ہو سبیس واپس شہنشاہ
کے پاس آ گیا۔ اور شہنشاہ کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ چونکہ اس اہم معاملہ کا فیصلہ
ضروری تھا اور بعض اور بھی مشکلات تھیں۔ لہذا شہنشاہ نے کلیسیا کے تمام بشپوں
کی ایک کونسل تھینیا کے شہر نائیس میں ۳۲۵ء کے درمیان منعقد کی اگرچہ اس
سے پیشتر بھی کئی کونسلیں ہوئیں۔ مگر وہ اپنے اپنے علاقہ کی ضروریات کے مطابق
تھیں۔ لیکن یہ کونسل کونسل عمیم ہوئی جس کا مدعا یہ تھا کہ تمام کلیسیاؤں کے وکیل
جمع ہو کر اپنے ایمان اور حقیقی برادری کو ظاہر کریں۔ اس کونسل میں قریباً ۱۵۰۰
ڈیلیگیٹ اور ۳۰۰ سے زیادہ بشپ فراہم ہوئے۔ جو عموماً مشرقی کلیسیاؤں سے
آئے تھے۔ چونکہ علاوہ مسئلہ ایریس کے اور باتیں بھی قابل فیصلہ تھیں۔ اس لئے
کونسل تین ہفتے تک قائم رہی۔ افتتاحی خطبہ خود شہنشاہ نے پڑھا۔ اگرچہ مباحثہ میں
شہنشاہ شامل رہا۔ مگر معاملہ کونسل کے پریزیڈنٹوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیا۔ اس
کونسل میں تین پارٹیاں تھیں۔

الف۔ آرتھوڈوکس۔ جن کی تعداد تیس ایک کے قریب تھی۔ ان کے لیڈر الگز نڈر
ماریس ہو سبیس اور اٹھانا سبیس حوالگز نڈر یا کا آرج ڈکین تھا۔

ب۔ کونسروٹیو۔ ان کی تعداد قریباً ۲۰۰ تھی۔ ان کا لیڈر قیصریہ کا بشپ یوسی بیس تھا۔
یوں تو یہ لوگ ایرین خیالات سے متفق نہ تھے مگر یہ خیال کرتے تھے کہ کلیسیا کو اس
سے چنداں نقصان کا اندیشہ نہیں۔ اس لئے ایریس سے چنداں سختی نہ کرنی چاہیے۔

ج۔ ایرین جن کا لیڈر ایرین تھا۔ اس کے ساتھ نکو میڈیا کا بشپ یوسی میں اور بعض مشرقی بشپ تھے جو ایرین کو پسند کرتے تھے۔

بہت مباحثہ کے بعد نکو میڈیا کے بشپ کی لیڈری میں اٹھارہ ایرین نے ایک ایرین عقیدہ کونسل میں پیش کیا۔ اور کونسل سے منظوری کی درخواست کی، لیکن اس درخواست پر سخت شور و غوغا مچ گئی اور عقیدہ بھاڑ کر پرزے پرزے کر دیا۔ اس پر ایرین کے تمام دوستوں نے ایرین کو چھوڑ دیا۔ اور ایرین ازم نامنظور ہو کر دریا گیا اس کے بعد قیصریہ کے بشپ یوسی میں نے وہ عقیدہ پیش کیا جو اس کی کلیسیا میں رائج تھا۔ کونسل نے اس عقیدہ کو آرٹھوڈوکس ایمانی عقیدہ منظور کیا۔ اس پر اٹھانا سب نے عقیدہ کو زیادہ واضح کرنے کی خاطر ذیل کی تین باتیں شامل کرنے پر زور دیا۔

الف۔ خدا کا اکلوتا بیٹا یا جس کی شریح کہ وہ باپ کے جوہر ہے۔
 ب۔ مصنوع نہیں بلکہ مولود۔

ج۔ اس کا اور باپ کا ایک ہی جوہر ہے۔

یہ سب کچھ منظور ہو گیا اور آخر میں ان لوگوں پر لعنت چسکار درج کی گئی جن کا یہ ایمان ہے کہ ایک ذات تھا کہ مسیح نہ تھا، وہ اپنے جسم سے پہلے موجود نہ تھا۔ وہ نیت سے ہمت کیا گیا، باپ اور بیٹے کا ایک جوہر نہ تھا، وہ مخلوق اور تبدیل پذیر ہے۔ عقیدہ اٹھانا سب کی تشریح اور ان لغتوں کے ساتھ کونسل میں منظور کیا گیا اور تمام شہروں نے سوائے دو کے اس پر دستخط کر دیئے۔ سوائیس اور معان دو شہروں کے جلاوطن کئے گئے اور ان کو بھیجے گئے اور حکم ہوا کہ ایرین کی تمام تحریرات جلانی جائیں۔ (تواریخ مسیحی کلیسیا ص ۱۷۵)

ناظرین کرام! اس کونسل میں اٹھانا سب کا جو عقیدہ منظور کیا گیا اس کی تشریح ایک اور کتاب میں یوں شائع ہوئی ہے۔

مقدم اٹھانا سب کا عقیدہ | جو کوئی نجات چاہتا ہو اس کو سب باتوں سے پہلے

ضرور ہے کہ عقیدہ جامعہ رکھتے۔ اس عقیدے کو جو کوئی کامل اور بے داغ نگاہ نہ رکھتے وہ بے شک عذابِ ابدی میں پڑے گا۔

اور عقیدہ جامعہ یہ ہے کہ ہم تثلیث میں واحد خدا کی اور توحید میں تثلیث کی پریشانی کریں۔ نہ اقا نیم کو ملائیں نہ باپیت کو تقسیم کریں کیونکہ باپ ایک اقنوم بیٹا ایک اور روح قدس ایک اقنوم ہے۔ مگر باپ بیٹے اور روح قدس کی الوہیت ایک ہی ہے۔ جلال برابر عظمت ازلی یکساں جیسا باپ ہے ویسا ہی بیٹا اور ویسا ہی روح قدس ہے۔ باپ غیر مخلوق بیٹا غیر مخلوق اور روح قدس غیر مخلوق۔ باپ غیر محدود بیٹا غیر محدود اور روح قدس غیر محدود۔ باپ ازلی، بیٹا ازلی اور روح قدس ازلی تا ہم تین ازلی نہیں بلکہ ایک ازلی۔

اسی طرح تین غیر محدود نہیں اور نہ تین غیر مخلوق بلکہ ایک غیر مخلوق اور ایک غیر محدود۔ باپ قادر مطلق بیٹا قادر مطلق اور روح قدس قادر مطلق۔ تو بھی تین قادر مطلق نہیں بلکہ ایک قادر مطلق ہے۔ ویسا ہی باپ خدا، بیٹا خدا اور روح قدس خدا۔ تیس پر بھی تین خدا نہیں بلکہ ایک خدا۔ اسی طرح باپ خداوند بیٹا خداوند اور روح قدس خداوند۔

تو بھی تین خداوند نہیں بلکہ ایک خداوند۔ کیونکہ جس طرح مسیحی عقیدہ سے ہم پر فرض ہے کہ ہر ایک اقنوم کو جدا گانہ خدا اور خداوند نہیں۔ اسی طرح دین جامع سے ہیں یہ کہنا منع ہے کہ تین خدا یا تین خداوند ہیں۔

باپ کسی سے مصنوع نہیں نہ مخلوق نہ مولود۔

بیٹا کیلئے باپ سے ہے مصنوع نہیں نہ مخلوق نہ مولود ہے۔

روح قدس باپ اور بیٹے سے ہے نہ مصنوع نہ مخلوق نہ مولود پر نکلتا ہے۔

پس ایک باپ ہے نہ تین باپ ایک بیٹا ہے نہ تین بیٹے۔ ایک روح قدس ہے نہ تین روح قدس۔

اور اس تثلیث میں ایک دوسرے سے پہلے یا پچھے نہیں۔ ایک دوسرے سے

بڑا یا چھوٹا نہیں۔ بلکہ عنوں اتانیم باہم ازل سے برابر کیاں ہیں۔
 اس لئے سب باتوں میں جیسا کہ اوپر بیان ہوا تثلیث میں توحید کی اور توحید میں
 تثلیث کی پرستش کرنی چاہیے۔ پس جو کوئی نجات چاہتا ہے اسے ضرور ہے کہ تثلیث
 کی بات ایسا ہی سمجھے۔ علاوہ اس کے نجات ابری کے لئے ضرور ہے کہ ہمارے
 خداوند یسوع مسیح کے عسم ہونے پر بھی ایمان صحیح رکھے۔ کیونکہ ایمان صحیح یہ ہے
 کہ ہم اعتقاد اور اقرار کریں کہ خدا کا بیٹا ہمارا خداوند یسوع مسیح خدا اور انسان بھی ہے
 خدا ہی باپ کی ماہیت سے عالموں کے پیشتر نمودار انسان ہے۔ اپنی ماں کی ماہیت
 سے عالم میں پیدا ہوا۔ کامل خدا اور کامل انسان نفس ناطقہ اور انسانی جسم کے ساتھ
 الوہیت کی راہ سے باپ کے برابر اور انسانیت کی راہ سے باپ سے کم تر وہ
 اگرچہ خدا اور آدمی بھی ہے پر وہ نہیں بلکہ ایک مسیح ہے۔ ایک ہی اس طور پر نہیں
 کہ الوہیت کو جسم سے بدل ڈالا بلکہ انسانیت کو خدا میں لیا۔ سب طرح سے ایک
 ہی ماہیت کے ملنے سے نہیں بلکہ اقنوم کی کیتائی سے۔ کیونکہ جس طرح نفس ناطقہ
 اور جسم ایک انسان ہے اسی طرح خدا اور انسان ایک مسیح ہے جس نے ہماری
 نجات کے واسطے دکھ اٹھایا۔ عالم ارواح میں جا اترا۔ تیسرے دن مردوں
 میں سے جی اٹھا۔ (دعاٹے عمیم از ص ۱۲ تا ص ۱۴)

برادران! یہ ہے مسیحی مذہب کا بنیادی پتھر اور اس کا تاریخی پس منظر۔ پادری فنڈر صاحب
 ہندوستان میں سب سے پہلے انگریز پادری ہیں جن کا مباحثہ مولوی رحمت اللہ صاحب
 کیرالوی مرحوم سے ہوا تھا۔ یہ مشہور پادری صاحب اپنی کتاب "میزان الحق" میں
 مسیح کی بابت لکھتے ہیں:-

انجیل سے صاف ظاہر و یقین ہے کہ یسوع مسیح صرف تعظیم کی راہ سے خدا کا بیٹا
 نہیں کہلاتا بلکہ فی الحقیقت الوہیت کے مرتبہ میں ہے اور عفت الوہیت اس
 میں پائی جاتی ہیں (ہیں) اور وہ خدا کے ساتھ ایک ہے اور خود خدا ہے۔

(میزان الحق مطبوعہ ۱۸۹۲ء ص ۱۲۶)

یہی پادری صاحب اپنی دوسری کتاب (مفتاح الاسرار) میں مسیح کی شخصیت کی بابت یوں رقم طراز ہیں۔

وہ جو جنگل میں جلتے ہوئے بوٹے میں موسیٰ پر ظاہر ہوا مسیح تھا (ص ۳۸)

مجیب | ان سوالہ بات کا نتیجہ ہم اپنے لفظوں میں نہیں بلکہ پادری فنڈر صاحب ہی کے الفاظ میں بتاتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

اس (مسیح) نے ہم بندوں پر واجب کیا کہ جیسا باپ کو ویسا ہی اس کو مانیں اور اس کی بندگی کریں (مفتاح الاسرار ص ۱۸)

ناظرین غور کریں کہ کسی پچیدہ تعلیم ہے جو انسان کی عقل سلیم کے صریح خلاف ہے ایک طرف خدا سے واحد حق الیقوم کی عبادت کریں دوسری طرف اس کے ساتھ مسیح کی بھی عبادت کریں جس کی پیدائش اور موت کی بابت انجیل متی میں لکھا ہے کہ۔

اب یسوع مسیح کی پیدائش یوں ہوئی الخ x x یسوع مسیح نے پھر بڑے شور سے

چلا کر جان دی؟ (انجیل متی باب ۱: ۱۸۔ ایضا باب ۲۷: ۵۰)

مسیح کی زندگی پر غور کرو ساری عمر دشمن اس پر غالب رہے۔ آخر حسب شہادت انجیل اس کو گرفتار کر کے کانٹوں کا تاج پہنایا اور پھانسی کے تختے پر لٹکایا۔ وہ نظروں سے اٹھ گیا اس مصیبت کی حالت میں عاجزانہ دعائیں کرتا رہا۔ چنانچہ انجیل متی میں لکھا ہے کہ۔

(مسیح) کچھ آگے بڑھ کر منہ کے بل گرا اور دعا مانگتے ہوئے کہا کہ اے میرے

باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ (موت) مجھ سے گزر جائے۔ (متی باب ۲۶: ۳۹)

ہم اس امر میں زیادہ تفصیل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے خود پادری فنڈر صاحب لکھتے ہیں۔

عقل انسانی یسوع مسیح کی الوہیت کا مرتبہ دریافت کرنے اور پہچاننے میں عاجزو

قاصر ہے (میزان الحق ص ۱۲۷)

ہمارے خیال میں پادری صاحبان کو اس معقولی مسئلہ میں غلطی لگی ہوئی ہے۔ عقل کا کسی چیز کے ادراک سے قاصر رہنا اور بات ہے اور کسی چیز کو مردود قرار دینا اور بات۔ عیسائی حضرت ان دو نکتوں میں فرق نہیں کرتے۔ اس کی مثال سنئے! عقل دو دو نے پانچ کے ادراک

سے قاصر نہیں ہے بلکہ اس کو غلط جان کر مردود قرار دیتی ہے۔
 ٹھیک اسی طرح مخلوق کو خالق سمجھنا یا عابد کو معبود ٹھیرانا عقل کے صریح خلاف ہے
 یہ بات نہیں کہ عقل اس کے فہم سے قاصر ہے۔ قرآن مجید نے اس علمی نکتہ کو ان مختصر الفاظ
 میں بیان کیا ہے:-

أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ أَفَلَا تَدْعُونَ (پ۔ ع)

(کیا خالق و مخلوق دونوں معبود ہو سکتے ہیں)

ہماری مخاطب مسیحی پارٹی کے ایک رکن پادری عبدالحق صاحب اس منطقی عقیدہ
 کو یوں حل کرتے ہیں:-

”کلام مقدس سے یہ معرفت حاصل ہوتی ہے کہ ذات الوہیم میں باپ، بیٹا اور
 روح القدس تین اقنوم ہیں (متی ۱۸، ۱۹) اور ان اقانیم کا امتیاز بطور ذات میں
 ہے کسی خارجی ماہر امتیاز کا گزر نہیں اور نہ کسی بیرونی تفریق کو اس میں راہ ہے
 اقنوم اول کو لفظ باپ، اقنوم ثانی کو کلام، اقنوم ثالث کو روح القدس سے
 تعبیر کیا گیا ہے: (رسالہ اثبات القنیت ص ۱۱)

مجیب | بہت خوب! پادری صاحب موصوف چونکہ منطقی تقریر کیا کرتے ہیں اس لئے
 ہم ان سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کسی شے کے بطن میں تین مختلف اقانیم کا ہونا ان اقانیم کے
 نشا کے بغیر کیسے ہو سکتا ہے جب تک کسی شے میں تین چیزوں کا نشا مختلف نہ ہو۔ وہ
 تین نہیں کہلا سکتیں۔

اہل منطق کہتے ہیں کہ انسان حیوان ناطق ہے۔ بے شک اس کے خارجی وجود میں
 ان چیزوں کے درمیان ایسا امتیاز نہیں ہے جیسا کہ ہم کشتی میں لوہے اور لکڑی کی صورت میں
 امتیاز پاتے ہیں۔ مگر عقل انسانی انسان کے باطن میں ان دو چیزوں کا نشا الگ الگ
 پاتی ہے۔ کسی امتیازی اور اک کی وجہ سے عقل انسانی حیوانیت کو عام سمجھ کر اسے جنس
 کے نام سے موسوم کرتی ہے اور ناطق کو فصل سے تعبیر کر کے مقوم نوعیت ٹھیراتی ہے

لہ نشا سے مراد منطقی اصطلاحی نشا ہے۔ یعنی مصدر نہ یعنی مرضی ۱۲ منہ

اور ان دونوں جزوں میں عموم خصوص مطلق کی نسبت قرار دیتی ہے۔ اگر کوئی پوچھے کہ عقل ایسا کیوں کرتی ہے تو عقل کی طرف سے اس کا جواب یہ ہوگا کہ میں انسان کی ماہیت میں دو چیزیں پاتی ہوں ایک چیز حیوانیت ہے جس میں وہ دوسرے جانداروں کے ساتھ شریک ہے۔ دوسری چیز انسان کا ادراک ہے جو دوسرے حیوانوں میں نہیں پایا جاتا۔ پادری عبدالحق صاحب کا مافی الضمیر غالباً یہی ہے کہ جس طرح انسان کے باطن میں دو مختلف اجزا موجود ہیں، اسی طرح خدا کے باطن میں تین مختلف اجزا باپ، بیٹا اور روح القدس پائے جاتے ہیں۔

اس تشبیہ کے بعد ہم اہل منطق کے قاعدہ سے پادری صاحب سے یہ سوال کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ انسان اپنی ماہیت میں اجزائے ذہنیہ کے لحاظ سے مرکب ہے یا بسیط۔ سب اہل منطق اس پر متفق ہیں کہ انسان مرکب ہے اور اس کی ترکیب کا ثبوت یہ ہے کہ اس کے دو جزوں میں عموم خصوص کی نسبت پائی جاتی ہے جو اثبوت پر مبنی ہے پس اس حسب عقیدہ مسیحیاں خدا کے مرکب ہونے میں کوئی شک باقی رہا؟ (ہرگز نہیں) یہ بحث تو خدا تعالیٰ کی ذات کی نسبت ہے۔ مسیح کی ذات کی نسبت تو مطلع صاف ہے۔ مسیح کے حق میں مقدس اٹھانا سب کا حسب ذیل عقیدہ بالکل واضح ہے:-

”جس طرح نفس ناطقہ اور جسم ایک انسان ہے اسی طرح خدا اور انسان ایک مسیح ہے“ (حوالہ مذکور)

پس مسیح کے حق میں کیا صاف فیصلہ ہے کہ وہ دو جزوں سے مرکب ہے اس سے زیادہ واضح بیان کیا ہوگا اس سے ثابت ہوا کہ عیسائیوں کا ایک معبود (مسیح) یا تثلیث کا ایک اقبوزم (رکن) مرکب ہے۔ اس کے ساتھ یہ منطقی تفسیر بھی دلائیے کہ جو مرکب ہے وہ حادث ہے۔ پس مسیح اپنی ذات میں حادث (مخلوق) ہے۔ دیکھئے قرآن مجید کسی پتہ کی بات بتاتا ہے ارشاد ہے۔ اِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ط خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ لَنْ فِىْكَوْنٍ ۙ (پ۔ ۱۳۰)

۱۳۰ عیسیٰ علیہ السلام کی مثال دیکھو! میں نے حضرت آدم کی سی ہی ہے۔ ۱۲۰ منہ

ظہرین کرام! ایسا مسیح کے متعلق یہ عقیدہ مان لیا کہ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے یا وہ جو عیسائی
کھاتے ہیں جس کی تفصیل ابھی مذکور ہوئی ہے۔

بس تنگ نہ کرنا صحابہ نمازاں مجھے اتنا
یاصل کے دکھانے دین ایسا کسریسی
(نوٹ) انزول قرآن کے زمانہ میں عیسائیوں کے دو گروہ زیادہ مشہور تھے جو حضرت مسیح کی نسبت
مختلف خیالات رکھتے تھے ایک گروہ کا قول تھا کہ خود خدا تعالیٰ مجسم ہو کر شکل مسیح دنیا میں
ظاہر ہوا۔ دوسرے گروہ وہ تھے جس کا خیال تھا کہ مسیح تثلیث کا ایک انوم (جز) ہے جو مجسم ہو کر
شکل انسان دنیا میں آیا۔ یہی دو گروہ آج بھی موجود ہیں۔ پہلے گروہ کا عقیدہ ان کے اپنے
انفاظ میں ہے کہ:-

خدا تعالیٰ نے گنہگاروں کی نجات کا انتظام اپنی جن پیش منی سے کیا اور مجسم اختیار
کر کے انسان پر اپنی پاک مرضی ظاہر کی (دوسرا چہ کتاب کلام اللہ ص ۱۷۸)
اس گروہ کا رد قرآن مجید نے ان الفاظ میں کیا ہے:-

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ (ع)
دکافر ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ ہی مجسم ہو کر مسیح ابن مریم کی شکل میں آیا ہے
دوسرے گروہ کا عقیدہ اصل الفاظ میں وہ ہے جو پادری عبدالحق صاحب نے عبارت مرقوم بالا
میں ظاہر کیا ہے جس میں آپ نے تثلیث کی تصویر دکھائی ہے۔ اس گروہ کا رد قرآن مجید نے
بالفاظ ذیل کیا ہے:-

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَلَاثٌ ثَلَاثٌ (پ - ع)

دکافر ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ خدا کے باطنی حصے تین ہیں جن میں سے ایک باپ (خدا) ہے
تیسرا گروہ عیسائیوں میں وہ ہے جو مسیح کے ساتھ اس کی والدہ مریم کی بھی عبادت کرتا
ہے اور اس سے اپنی حاجات طلب کرتا ہے

سکندریا بادکن میں میں نے روزن کیتھولک عیسائیوں کا گریبا دکھیا جس میں مریم مقدسہ
کا مجسمہ نصب ہے اس کے سامنے عیسائی لوگ ہندوؤں کی طرح ڈھڑکتے (سلام) کرتے

ہیں۔ نزول قرآن کے زمانہ میں یہ گروہ عرب میں کثرت پایا جاتا تھا ان کا رد قرآن مجید میں ایک خاص پیرائے میں کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ
وَإِنَّهُ صِدْقَةٌ مَّا كَانَا يَكْفُرُونَ الطَّعَامُ وَالنَّظْرُ كَيْفَ نَبِيْنُ
لَهُمَا آيَاتٍ ثُمَّ لَنُنَظِرُنَّ أَتَى يُؤْفَكُونَ (پ۔ ۳۔ ع)

مسیح ابن مریم اللہ کا ایک رسول تھا اس سے پہلے کئی رسول گزر چکے تھے اس کی ماں خدا کی نیک بندی تھی، یہ دونوں ماں بیٹا کھانا کھا پارتے تھے وکچھ ہم کس طرح دلائل بیان کرتے ہیں پھر بھی یہ لوگ بہکے چلے جاتے ہیں۔

اہل منطق کے نزدیک دلیل کی دو قسمیں ہیں ایک لہتی اور دوسری راہتی علت کے علم سے معلول کا علم حاصل ہوتا ہے وہ دلیل کی کہلاتی ہے۔ جیسے سورج کا وجود دن کے لئے دلیل لہتی ہے۔ معلول سے علت کا علم حاصل ہونا دلیل راہتی ہے جیسے سرعت نبض سے بخار کا علم حاصل ہوتا ہے۔ کوئی شخص کھانے کا محتاج ہو تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ مبعود نہیں ہے۔ یہ دلیل راہتی اور ہی دونوں قسم کی ہو سکتی ہے۔ مگر اس کو راہتی کہنا زیادہ راجح ہے بہر حال یہ ایک یقینی دلیل ہے کیونکہ خدا کی ذات کھانے پینے سے بالکل بے نیاز ہے (وَهُوَ يَطْعَمُ وَلَا يَطْعَمُ) اسی لئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ ہم مسیحوں کے عقائد کی اصلاح کے لئے دلائل بیان کرتے ہیں مگر پھر بھی یہ لوگ بہکے چلے جاتے ہیں۔

الحاصل یہ کہ قرآن مجید میں مسیح کی شخصیت کی بابت الفاظ ذیل میں جو ارشاد ہوا ہے

إِنَّمَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلَّمْتَهُ (پ۔ ۳۔ ع)

وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ (پ۔ ۳۔ ع)

اس کو تو عقل سلیم مان سکتی ہے لیکن مسیحی لوگ ان کی نسبت جو عقائد رکھتے ہیں جس کا ثبوت عبارات مرتومہ بالا میں دیا گیا ہے۔ وہ اہل عقل کے نزدیک کسی طرح قابل قبول نہیں ہے چنانچہ مسیحی رسالہ اخوت ہمارے قول کی تائید میں لکھتا ہے کہ۔

۱۔ مسیح اللہ کا رسول ہے اور دونوں جہان میں معزز و مقرب ہے ۱۲۔

مسیح نے کہا تھا کہ میں اور باپ ایک ہیں۔ اس قسم کے بیانات نہایت وحشت انگیز اور لرزہ خیز ہیں اور آج بھی انہیں سن کر اہل دنیا کے دلوں میں کچھ کھم کراہیت اور نفرت پیدا نہیں ہوتی۔ (آخرت لاہور بابت جنوری سال ۱۹۷۷ء)

مجیب | معاصر موصوف نے بالکل سچ کہا ہے واقعی یہ کیوں ممکن ہے کہ ایک ہی شخص ازل ہی ہوا اور حادث بھی، خدا بھی ہو اور انسان بھی، کھائے پئے بھی جسٹے مرے بھی۔ پھر بھی خدا کا خدا بنا رہے۔ متضاد باتیں پادری برکت اللہ اور ان کے ہمنواؤں کے سوا کوئی دوسرا شخص نہیں مان سکتا۔ چنانچہ پادری برکت اللہ صاحب اسی رسالہ میں لکھتے ہیں:-

• حقیقت عیسوی ایسی حقیقت ہے جس کی کہنہ تک پہنچنے میں عقل انسانی ورطہ

حیرت میں پڑی ہوئی ہے۔ (مسیحیت کی عالمگیری منشا ۱۳)

اس حیرت کی وجہ ہم پادری صاحب ہی کے الفاظ میں بتاتے ہیں۔ ایک طرف تو آپ لکھتے ہیں کہ:-

الوہیت کی ساری معوری اس (مسیح) میں مجسم ہو کر سکونت کرتی ہے (منشا ۱۳۸)

اس کے ساتھ ہی آپ یہ بھی لکھتے ہیں:-

• الوہیت اور کامل انسانیت آں خداوند (یسوع مسیح) کی شخصیت میں نظر آتی ہیں (صفوحہ ایضاً)

اس کے باوجود آپ یہ بھی لکھتے ہیں کہ:-

• آپ مسیح، فرماتے ہیں کہ میں صرف خدا اور اس کی رضا کو ہی اپنی نظروں کے سامنے

رکھوں گا اور صرف اسی کو سجدہ کروں گا" (منشا ۱۴۳)

پادری صاحب مزید فرماتے ہیں

آپ مسیح، خدا سے کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی جدا نہ ہوئے آپ میں اور خدا

میں مغایرت نظر نہیں آتی (منشا ۱۴۵)

ناظرین کرام! یہ ہے مسیحی تعلیم جو خدا اور مسیح کی نسبت ہمیں بتاتی باقی ہے ہم اس پر کیا سوال کریں۔

جبکہ ہیں یہ کھکر روک دیا گیا ہے کہ اس مسیحی عقیدہ کو سمجھنے سے عقل حیرت میں ہے مگر پوچھیں

تو جواب ہی ملے گا کہ جس عقل سے آپ سوال کرتے ہیں وہ بیچارہ تو حیرت زدہ ہے لیکن ہم

خدا کے فضل سے کہہ سکتے ہیں کہ ہماری عقل حیرت زدہ نہیں ہے بلکہ ہماری عقل صاحب الرائے ہے اس لئے ہم پادری صاحب اینڈ پارٹی اور ان کی معرفت کل مسیحی دنیا سے سوال کرتے ہیں کہ:-

انجیل متی کا یہ فقرہ کہ مسیح نے صلیب پر چلا کر جان دی

اس چلا کر جان دینے کے وقت بھی مسیح مجسم خدا تھا یا نہیں۔ اور اس میں اور خدا

میں کوئی معائرت تو نہ تھی۔ پھر چلا کر جان کس نے دی۔

یہاں پہنچ کر ہم تو رک جاتے ہیں آپ ہی بتائیے کہ وہ کون تھا؟

ع اگر گوئیم زبان سوزد

پادری صاحب! آپ نے مسیحی مذہب کو عالمگیر ثابت کرنے کے لئے قلم اٹھایا ہے مگر مسیحیت کی تصویر ایسی دکھائی ہے جسے دیکھ کر ہر ایک ادنیٰ والے بقول آپ کے عجیبت ہو کر بہنے پر مجبور ہو گا ع

بسخت عقل زحیرت کہ این چسپو العجی است

جہلاء اور کم عقلوں کو تو آپ کہہ دیں کہ تم کو عقل نہیں۔ اگر عقل مند لوگ اعتراض کریں تو ان کو جواب دیں کہ عقل خود حیرت پس ہے۔ اور کہنے کو یہ دعوے کریں کہ

”مسیحیت عالمگیر مذہب ہے“

مختصر یہ ہے کہ مسیح کے متعلق جو تعلیم قرآن مجید نے دی ہے وہ بے شک قابل قبول ہے اس کے قبول کرنے میں عقل انسانی کو کسی قسم کی حیرت نہیں ہوتی۔ مثلاً ارشاد ہے:-

ان هُوَ الْاَعْبَادُ الْعَمٰنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَا مَثَلًا لِّبَنِي اِسْرٰئِيْلَ

رُفٰٓءِ - ١٤) (١٤) مسیح ہمارا نیک بندہ ہے ہم نے اس پر انعام کیا اور اس کو نبی اسرائیل

کے لئے ہادی بنایا

اس آیت کا مطلب صاف ہے حضرت مسیح خدا کے نیک بندے اور رسول تھے اور ہیت

میں ان کو کوئی حصہ نہ تھا اس مضمون کی تائید انجیل بھی کرتی ہے۔ چنانچہ مسیح فرماتے ہیں:-

”ہمیشہ کی زندگی (نجات) یہ ہے کہ وہ تجھ خدا سے واحد اور برحق کو اور شروع مسیح کو

جسے تو نے بھیجا ہے جانیں دیو جانا ۱۷: ۱۳ از بائبل مطبوعہ ۱۹۱۶ء

اس فقرے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ یہ اعتقاد رکھیں

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عِيسَى رَسُولُ اللَّهِ

ناظرین کرام! خدا کی ذات و صفات میں توحید کا اقرار سہل ایک مذہب کا بنیادی اصول ہے۔ جو اس میں پاس ہے وہی کامیاب ہے اور جو اس میں نیل ہے وہی ناکام ہے۔ قرآن مجید نے خدا کی ذات و صفات کا ذکر جن نظموں میں کیا ہے، ان میں نہ کوئی الجھن ہے نہ حیرت ہے بلکہ ایسے شمسہ اور شائستہ الفاظ ہیں کہ ہر سننے والے کے ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا الْعِمَّتَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَلْقٍ
غَيْرِ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ
فَأَنَّى تُؤْفَكُونَ (پہلا - ۱۳)

اے لوگو! اپنے اوپر اللہ کی جہربانی یاد کرو کیا اس کے سوا کوئی اور خالق ہے جو اوپر سے پانی برسا کر اور زمین سے پیدا کر کے تمہیں رزق دیتا ہے اس کے سوا کوئی سچا مبود نہیں پھر تم کہاں بھکے جاتے ہو۔ اس کے برخلاف سچی مذہب کے اقوال گذشتہ صفحات میں نقل ہو چکے ہیں۔ ایک قول ان کے ساتھ اور بلا لیجئے جو ڈپٹی آتھم سچی مناظر نے مرزا صاحب قادیانی کے مقابلہ میں مباحثہ امرت سر میں پیش کیا تھا کہ:-

ہم سے جو استفسار یہ ہے کہ مسیح نے کیا بتایا تھا خدا نے تو زمین و آسمان اور سب چیزیں بنائیں۔ جو اب اس کے عرض ہے کہ عیسیٰ انسانیت کے تو اس نے کچھ نہیں بنایا لیکن عیسیٰ منظر اتمو ثانی کے جو کچھ بنا ہے اسی کے وسیلے سے بنا ہے اور باپ کو کسی نے دیکھا تک نہیں مگر بیٹے نے خلق کرنے کے وسیلے سے دیکھا اور آیا۔ (جنگ مقدس مصنفہ مرزا صاحب مشہ)

یہ ہے مسیحی تعالیم کا بنیادی پتھر جس پر پادری صاحبان کو ناز ہے۔ ایک طرف مسیح ابن مریم کی پیدائش اور موت کا ذکر کرتے ہیں۔ دوسری طرف اس کو زمین اور آسمان کا خالق

ٹھہرتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ اسی بنا پر مسیحی مذہب کو عالمگیر بتاتے ہیں اور اسلام کو اس کے خلاف محل اعتراض قرار دیتے ہیں۔ کیا ہی سچ ہے۔

بت کریں آرزو خدائی کی شان ہے تیری کبریائی کی

ایک علمی سوال | خاصۃ الشی ما یوجد فی شیء لا یوجد فی غیرہ

یہ ایک منطقی اصول ہے کہ ہر ایک چیز کا خاصہ وہ ہوتا ہے جو کسی ایک چیز میں پایا جاتے اور اس کے غیر میں نہ پایا جاسکے۔ یہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک منفک اور دوسرا غیر منفک۔ مثلاً غالب سبب اسکل ہونا خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے اور یہ غیر منفک ہے یعنی کسی وقت یا کسی آن میں یہ غلبہ اس کی ذات سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ انسان کا زور اس کی ذات سے منفک (جدا) ہو جاتا ہے کہ ایک وقت شہ زور پہلوان ہوتا ہے اور دوسرے وقت کمزور۔ ایک وقت اگر ذی شان بادشاہ ہے تو دوسرے وقت ایسز قیدی ہے۔ اہل علم کے نزدیک جب یہ اصول معقول اور مقبول ہے تو ہم پادری صاحب سے پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ جس وقت خداوند تعالیٰ مجسم ہو کر مسیح کی شکل میں نمودار ہوا تو غلبہ کا ملہ جو اس کا خاصہ ہے اصول مذکور کے تحت اس وقت بھی ضرور اس کی ذات میں موجود ہوگا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ دشمنوں کے ہاتھوں مغلوب ہو کر امیر ہوا۔ کاسٹوں کا تاج پہنایا گیا۔ اس کی پسلی میں بجلا مارا گیا آخر اس نے ایلی ایلی لسا سبقتنی" کہتے ہوئے سولی پر چلا کر جان دی۔

(دائجل متی باب ۲۷، ۵۱)

یہاں پہنچ کر عیسائیوں کے سامنے دو راستے آجاتے ہیں جس کو چاہیں اختیار کریں اول یہ کہ اعلان کر دیں کہ مسیح جس نے یہ الفاظ کہے تھے وہ خدا نہ تھا بلکہ ایک انسان تھا دوسرے یہ کہہ دیں کہ غلبہ کا ملہ خدا کا خاصہ نہیں ہے، اگر ہے تو قابل انفکاک ہے۔ پہلی شق اختیار کرنے کی صورت میں مسیحی مذہب کا امتیازی طغری اٹھ جاتا ہے۔ دوسری صورت اختیار کرنے کی صورت میں کلیسا میں دہریت کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔

اور ایسا عا جسند خدا جس سے غلبہ منفک ہو جائے کسی دانش مند انسان کے ماننے کے قابل نہیں ہو سکتا۔ کم از کم ہم مسلمان تو ایسے خدا کو ماننے سے قطعاً معذور ہیں۔ ایسا کہنے

اِنَّ كُرْاٰنَ شَرِیْفٍ مِّنْ سُنْتِ تَنْبِیْكِ كُنْتِیْ هِیَ . چنانچہ ارشاد ہے :-
 وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۗ وَالَّذِیْنَ جَعَلُوْا قُبُوْلَتَهُ یَوْمَ
 الْقِیَامَةِ ۗ وَالسَّمٰوٰتِ مَطْوِیٰتٍ ۗ بِیَمِیْنِہٖ ط مُبْحَاثَةٌ
 وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ (پہا - ع)

دوسری صاحب نے اپنا کمر شیشے کا بنا کر قرآن جیسے مضبوط قلعے پر جو گولے برسائے ہیں اس کا
 ناظرین کے لئے قابلِ شنید ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

اسلام کے اصول اور مسیحیت | جب ہم قرآن و حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو

یہ حقیقت ہم پر ظاہر ہو جاتی ہے کہ اس میں حسنی خوبیاں موجود ہیں وہ سب کی سب کتاب
 مقدس میں اعلیٰ ترین شکل میں پائی جاتی ہیں * * * قرآن بار بار اقرار کرتا ہے کہ جو صداقت اس
 میں پائی جاتی ہے وہ محض کتب سابقہ سے ماخوذ ہے اور اس حقیقت کو اپنی صداقت

کی دلیل میں پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ قرآن عربی میں صرف اس واسطے آیا ہے تاکہ
 سابقہ کتب مقدسہ کی صداقتوں کو اہل عرب کے لئے سلیس عربی زبان میں پیش کرے

تاکہ اہل عرب پر تمام حجت ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ قرآن ہم نے نازل کیا اس لئے
 کہ تم یہ نہ کہو کہ ہم سے پہلے صرف دو ہی فرقوں (یعنی یہود اور عیسائیوں) پر کتاب نازل ہوئی
 تھی اور ہم ان کتابوں کی عبرانی اور یرمائی زبانوں کی وجہ سے ان کے پڑھنے سے نااقل

تھے یا یوں کہو کہ اگر ہم پر کتاب دعویٰ میں نازل ہوتی تو ہم یہودیوں اور عیسائیوں سے
 زیادہ ہدایت پر ہوتے۔ سو اب تمہارے رب کے تمہارے پاس دعویٰ میں حجت آئی

اور ہدایت اور رحمت ہے۔ سو اس سے زیادہ ظالم کون جس نے اللہ کی آیات کو
 جھٹلایا۔ والعام آیت ۱۵۶ نیز دیکھو سورہ نحل آیت ۱۰۵۔ حم سجدہ ۲۲، ۲۳۔ یوسف

رعد ۳، ۴۔ طہ ۱۱۲۔ زمر ۲۹۔ شوریٰ ۵۔ زخرف ۲۔ احقاف ۱۱ وغیر۔ دورِ حاضرہ
 کے مسلم علماء اس حقیقت کے معترف ہیں کہ قرآن کی تمام صداقتیں کلمۃ اللہ کی تعلیم

میں پائی جاتی ہیں۔ ہم انشاء اللہ یہاں یہ ثابت کریں گے کہ وہ صداقتیں قرآن میں

۱۲ مشرکوں نے کما حقہ خدا کی تہ نہیں کی ۱۲

صرف غیر مکمل حالت میں موجود ہیں۔ لیکن انجیل جلیل میں وہ کامل ترین اور پاکیزہ ترین

شکل میں موجود ہیں؟ (ص ۱۰۲ تا ۱۰۳)

محبیب | اسلام کی توحید بقول پادری صاحب ناقص اور انجیل کی تثلیث کامل ہے۔ بلکہ یہ ہے ایک امر تنقیح۔ از روئے قانون مناظرہ اور قانون انصاف ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کی تعلیم پر دلیل دینے کی یہیں ضرورت نہیں۔ کیونکہ پادری صاحب اس کو کتب سابقہ میں منزل مانتے ہیں باقی رہا تثلیث کا مسئلہ تو اس کا ثبوت پادری صاحب جیسے مسیحوں کے ذمے ہے جو اس کے قائل ہیں۔ سب سے پہلے وہ حضرت موسیٰ کی کتابوں سے اس کے بعد دوسرے انبیاء کرام کے صحف سے اس کا ثبوت دیں۔ پھر اس کو عقلی طور پر ثابت کریں۔ بہر حال اس کا ثبوت اہل تثلیث کے ذمے ہے کیونکہ وہ فریضہ کے قائل ہیں اور ہم بلا خوف تردید اعلان کرتے ہیں کہ قرآن مجید نے تثلیث کے ابطال پر جو دلائل قاطعہ پیش کئے ہیں ساری مسیحی دنیا ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اگر کسی پادری میں ہمت ہے تو زبانہ بانی باتیں چھوڑ کر معقولیت کے ساتھ دلائل کا جواب دے۔

مختصر یہ ہے کہ ہم مانتے ہیں کہ قرآن کی تعلیم متعلقہ توحید کتب سابقہ میں موجود تھی۔ مگر مسیحوں نے جب اس کو بگاڑ دیا تو خداوند تعالیٰ نے ان بگاڑنے والوں کو تحریف کا الزام دے کر اہل دنیا کو خالص توحید کا سبق دیا۔ چنانچہ ارشاد ہے:-

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلِبُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا
أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَصْلُوا كَثِيرًا وَضَلُّوا

عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ (پ - ۱۳)

پادری صاحب نے اس اعتراض کے باوجود کہ قرآنی تعلیم کتب سابقہ سے ماخوذ ہے اس کی تردید بھی کرتے جاتے ہیں۔

دوسرا اعتراض | پادری صاحب لکھتے ہیں:-

۱۔ اے اہل کتاب! اپنے دین میں بے جا زیادتی نہ کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے خود بھی گمراہ ہوئے اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔ ۱۲ منہ

سب سے بڑا دعویٰ جو اسلام کا ہے وہ شرک کی مذمت اور وحدتِ الہی کی دعوت ہے۔ لیکن اسلامی توحید کا تصور ایک بے معنی شے ہے اور از روئے منطق و فلسفہ یہ تصور ناکارہ ہے۔ لہذا توحید کے اس ناقص پہلو کو صحیحیت میں دخل نہیں: (مثلاً)

غیب | منطق اور فلسفے کا نام سن کر ہم خوش ہوتے تھے اور بے ساختہ ہمارے منہ سے

اُکلا تھا۔ ع

لشکائتوں کے کھلیں دفترِ ادھر تمہارے ادھر رہا ہے

مگر افسوس ہے کہ اتنا بڑا دعویٰ کر کے پادری صاحب خاموشی سے گزر گئے۔ پادری صاحب کی جرأت قابلِ ملاحظہ ہے کہ آپ ایک ایسی قوم کو منطق اور فلسفے کا نام سنا کر ڈراتے ہیں جس نے ان دونوں علموں پر ایسا تبصہ کیا ہوا ہے کہ بغیر اطلاع پلٹے کسی کو خیال تک نہیں گزرتا کہ یہ علوم یونانیوں کی ایجاد ہیں کیونکہ عموماً یہی سمجھا جاتا ہے کہ عربوں کی ایجاد ہیں۔ ایسی قوم پر ان علوم کا نام لے کر رعب ڈالنے کی جرأت پادری صاحب جیسا شخص ہی کر سکتا ہے لطف یہ ہے کہ پادری صاحب کے اس معقول مقولہ کا جواب خود انہی کے قلم سے نکل گیا ہے چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ:-

اسلام کا یہ پایہ ناز عقیدہ اپنی پاکیزہ ترین حالت میں کتاب مقدس میں موجود ہے لیکن کلمۃ اللہ کی تعلیم اسلامی نظریہ کے ناقص عناصر سے پاک

ہے (صفحہ ۱۰۲)

محبوب | بہت خوب! اسی کو کہتے ہیں "جادو" جو سر پر بولے آپ کے اس بیان سے یہ نتیجہ عارفِ نکتا ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم متعلقہ توحید کتبِ انبیاء کے عین مطابق ہے بالکل ٹھیک ہے۔ قرآن مجید بھی یہی فرماتا ہے۔ سنئے ارشاد ہے:-

وَأَقْسَدُ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا

الطَّاغُوتَ (ہارپک - ع)

ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھی پیغام دے کر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور

بنادنی معبودوں سے بچو۔

قرآن مجید نے بطور تکمیل توحید حضرت عیسیٰ کا یہ قول انہی معنی میں نقل کیا ہے :-

مَا مَلَكْتُ لِهَذَا لَأَمَّا أَمْرٌ تَنبِيءُ بِهِ أَنْ أَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ (پ-ع)

اے خدا! میں نے اپنے اتباع کو وہی بات کہی تھی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ

کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے)

حضرت مسیح کی اس حکایت کا اصل حوالہ انجیل یوحنا میں ملتا ہے جہاں مسیح فرماتے ہیں کہ :-

’ہمیشہ کی زندگی درجات کا ذریعہ یہ ہے کہ وہے تجھ کو سچا خدا اور یسوع مسیح کہ جسے تو نے

بھیجا ہے جانیں را انجیل یوحنا باب ۱۷، ۲۱ از بائبل مطبوعہ ۱۸۸۳ء

مسیح نے اس قول میں اپنی رسالت کا واضح لفظوں میں اقرار کیا ہے۔

(نوٹ) خود پادری صاحب نے یہ حوالہ اپنی کتاب ’دین فطرت کے منہ پر نقل کیا ہے۔

مسیحی دوستوں! قرآن، تورات اور انجیل کے بنائے ہوئے راستے کو چھوڑ کر جو بھی راستہ

کوئی اختیار کرے گا وہ جہنم کو لے جانے والا ہوگا۔ پس یہ بات یاد رکھو کہ ایسا شخص اپنی

ذات کے علاوہ مخلوق خدا کو گمراہ کرنے کی ذمہ داری بھی اپنی گردن پر لیتا ہے۔

قریب ہے یار! روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکہ

جو چپ رہے گی زبانِ سخنر ہو پکائے گا استیں کا

مختصر یہ ہے کہ اس فقرہ میں بھی آپ نے جو دعویٰ کیا ہے اس کا ثبوت آپ کے ذمے باقی ہے

کیونکہ آپ نے تسلیم کر لیا ہے کہ اسلامی توحید کتب، مقدمہ سے ماخوذ ہے۔ مگر بقول آپ کے

وہ ناکمل ہے اور اس کی تکمیل آپ کے زعم میں الوہیت مسیح کی صورت میں ہوئی ہے جس

کی تفصیل ہم پہلے کر چکے ہیں۔ ذرا غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ تکمیل ویسی ہی ہے جیسی آگ

روغنی لکڑی کی تکمیل کرتی ہے۔ پادری فنڈر سے لے کر آج تک تو کسی پادری سے اس

دعویٰ کا ثبوت ہو نہیں سکا۔ آئندہ دیدہ باید! ہماری تحقیق میں دو مثلے ایسے ہیں جو

بالکل مساوی ہونے کا حق رکھتے ہیں۔ ایک مثلہ ثلثیت ہے اور دوسرا مثلہ دو درونے

پانچ ناممکن ہے کہ ان دونوں مثلوں کو کوئی ریاضی دان یا منطق دان پادری صحیح ثابت

کر کے خواہ وہ اپنی کتاب کا نام اثبات التثلیث ہی رکھے۔ اہل عقل جانتے ہیں کہ نام اور چیز سے اور کام اور چیز سے

شیر قالین دگر است و شیر نیستاں دگر

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں:-

”خدا اور انسان کے باہمی رشتہ اور تعلقات کے متعلق جو تعلیم قرآن اور اسلام میں ہے ان میں جو صداقت کے پہلو ہیں وہ تمام کے تمام سمیت میں بوجہ احسن موجود ہیں۔ مثلاً قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا خالق ہے۔ اللہ ہے پروردگار ہے وغیرہ وغیرہ (النام آیت ۱۰۲، ۱۰۳ - نخل ۲-۱۷ وغیرہ) یہ تمام باتیں کتاب مقدس میں بظریہ احسن موجود ہیں۔ لیکن قرآنی تعلیم کا جو غلط پہلو ہے کہ خدا ایسی جابرستی ہے جو اپنے قہر سے گنہگار انسان کو ناکردتی ہے اور روزخ میں ڈال کر خوش ہوتی ہے (نخل ۲۵- احقاف ۱۵ - جاثیہ ۲۰، ۲۱ - نون ۳۷ - طلوع ۱ وغیرہ) اس قسم کی باطل تعلیم سے

سمیت سرسری پاک ہے: (ص ۱۲)

مجیب | خالق اور مخلوق کا تعلق جیسا قرآن مجید نے بیان کیا ہے اس سے اچھا تو کیا اس کے برابر بھی کوئی نہیں بیان کر سکتا۔ آپ نے قرآن کی کمی اور نقص بتانے کو خدا کے متعلق جابرا اور قاہر دو لفظ منتخب کئے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ آپ ان عربی لفظوں کا ترجمہ کسی عربی دان پادری سے پوچھ لیتے۔ تو آپ سے یہ غلطی سرزد ہو کر موجب ندامت نہ ہوتی جابر جبر سے مشتق ہے جس کے معنی اصلاح حال کے ہیں۔ جبیرہ مرہم والی ٹپی کر کہتے ہیں جو زخم پر لگائی جاتی ہے کیونکہ وہ بھی اصلاح کرتی ہے۔ اسی لئے عادیث کی دعاؤں میں ایک لفظ **وَاجْبُرْنِي** بھی آیا ہے جس کے معنی ہیں اے خدا میری حالت سنو اور دے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ خدا جابر ہے۔ انہی معنی میں کسی عارف کا قول ہے:

میرے مولا میری بگڑی کر بنانے والے میرے ہادی مجھے بھولے کو چلانے والے

قاہر کے معنی ضابط کے ہیں۔ ضابط اس بادشاہ کو کہتے ہیں جس کی رعایا سر تابی نہ کر سکے۔ یہ وصف خدا کی ذات میں علی وجہ اکمال پایا جاتا ہے۔ اسی لئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۖ وَاللَّهُ تَعَالَىٰ أَعْلَمُ بِمَا تُبْطِلُونَ

چنانچہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب مرحوم نے یہی ترجمہ کیا ہے۔ البتہ اردو زبان میں ان دونوں لفظوں کے معانی میں تبدیلی آگئی ہے۔ جیسے عزیز اور مشفق وغیرہ الفاظ کے معانی تبدیل ہو گئے۔ عربی زبان میں عزیز کے معنی غالب کے ہیں۔ ارشاد ہے إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ اردو میں فارسی کے وسیلہ سے چھوٹے رشتہ دار کو کہا جاتا ہے۔ اسی لئے انشائت میں اصطلاح ہے کہ بڑا چھوٹے کو عزیز من لکھتا ہے اور چھوٹا بڑے کو عزیز نہیں بلکہ بزرگوار من لکھ کر خطاب کرتا ہے۔ اسی طرح عربی زبان میں مشفق کے معنی ہیں ڈرنے والا جیسا کہ ارشاد ہے :- وَ هُمْ مِنْ خَشِيْتِهِ مُسْفِقُونَ اردو میں مشفق اور مہربان ایک معنی میں ہیں۔ ایک اردو شاعر کہتا ہے

مشفق لکھوں شفیق لکھوں دربا لکھوں
حیرت میں ہوں کہ آپ کے القاب کیا لکھوں

پس آپ کے یہ دونوں اعتراض عربی زبان سے ناواقفیت پر مبنی ہیں۔ درحقیقت یہ دونوں وصف جو قرآن مجید نے خدا کی ذات میں بتائے ہیں ان کی شان کے لئے نہایت موزوں ہیں اور آپ کا اعتراض اس شعر کا مصداق ہے

چو بشنوی سخن اہل دل گو کہ خطا است
سخن شناس نہ دبیر خطا میں جا است

اسی طرح آپ کا یہ کہنا کہ

”خدا ایسی ہستی ہے جو انسان کو فنا کر دیتی ہے اور دوزخ میں ڈال کر خوش ہوتی ہے“
قرآن اور تورات دونوں کے خلاف ہے۔ قرآن مجید کی جن آیات کا آپ نے حوالہ دیا ہے ان میں اس مضمون کا اشارہ تک نہیں ہے کہ خدا انسان کو دوزخ میں ڈال کر خوش ہوتا ہے البتہ کافروں کی سزا کا ذکر ہے۔ سو اس کا ثبوت چاہو تو تورات کا فرقہ ذیل حوالہ دیکھ لو۔
حضرت موسیٰ کو کافروں کے متعلق حکم ہوتا ہے۔

”جب کہ خداوند تیرا خدا نہیں تیرے حوالے کرے تو انہیں مارو اور حرم کھینٹو۔“

کوئی ہمدردی نہ ان پر رحم کرے نہ ان سے بیاہ کرنا (استثنا باب ۱)
مجیب | بتائیے کہ یہ احکام کس قسم کے ہیں یہ رحم ہے یا جبر ہے؟ اور قرآن کے موافق
 ہیں یا مخالف؟ اور آپ کی کتاب مقدس میں یہ حوالہ ہے یا نہیں؟
پادری صاحب! شیشے کا گھر بنا کر دوسروں پر پتھر برسانا
 "کارِ خسر و مندانا نیت"

اسی کے متعلق پادری صاحب مزید فرماتے ہیں :-
 "خدا اور انسان کے باہمی تعلق کی بنا خوف اور دہشت نہیں بلکہ محبت ہے۔ انجیل علیل میں
 ارشاد ہے کہ کامل محبت خوف کو دور کر دیتی ہے (روم ۵: ۱۰ - ابر ۱۱: ۱۶ - ۱۷ وغیرہ)
 پس مسیحیت میں یہ تمام اصول اپنی پاکیزہ ترین اور اعلیٰ ترین شکل میں موجود ہیں جو قرآن
 میں صرف مکمل طور پر ہی پائے جاتے ہیں اور یہ بھی حق ہے کہ قرآنی تعلیم کے ناقص اور
 غلط پہلو مسیحیت میں موجود نہیں ہیں۔" (صفحہ ۱۳)

مجیب | یہ بالکل صحیح ہے کہ خدا اور انسان میں باہمی تعلق محبت کا ہے۔ قرآنی ارشاد :-
 اِنَّ اللّٰهَ بِاٰتِیٰکُمْ مِنْ کَرۡوۡمٍ رَّحِیۡمٌ (پت - ع)

کو نور سے پڑھئے مگر مجرموں کو نافرمانی کی سزا دینا بھی خدائی عدل کے عین مطابق ہے ورنہ
 قرآن مجید پر اعتراض کرتے ہوئے تورات کے ساتھ عصف انبیاء کو بھی دیکھ لیجئے۔ ایسا نہ
 ہو کہ یہ مصرع صادق آئے کہ ع

اِس گناہ سیت کہ در شہر شما نذر کنند

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں :-

اسلام نے خدا کے متعلق یہ تعلیم دی ہے کہ خدا اپنی مخلوقات سے بلند و بالا ہے (نخل ۶۲
 نملہ ۳۸ وغیرہ) اور اس صداقت کے عنصر پر اس قدر زور دیا ہے کہ خدا اور انسان
 درمیان ایک وسیع خلیج پیدا کر دی ہے۔ مسیحیت میں بھی یہ تعلیم موجود ہے کہ خدا کائنات
 سے بلند و بالا ہے (زبور ۱۱۳ - اعلا ۵ وغیرہ) لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے ناقص پہلو
 کو اپنے اندر لے کر اس نے خدا اور انسان میں کوئی خلیج پیدا نہیں کی۔ خدا کے بلند و بالا

ہونے اور اس کے حاضر و ناظر ہونے میں جو صداقت کے پہلو ہیں وہ مسیحیت میں نہایت
 دلکش اور پسندیدہ حالت میں موجود ہیں۔ اسلام نے خدا اور انسان کے درمیان صلح پیدا
 کر کے یہ تعلیم دی ہے کہ خدا فرشتوں کے ذریعہ انسان سے کلام کرتا ہے اور یوں اپنی
 مرضی انسان پر ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن جبرائیل فرشتہ کے ذریعہ رسول عربی پر نازل
 ہوا لیکن مسیحیت یہ تعلیم دیتی ہے کہ خدا ہمارا باپ ہے جس کی ذات محبت ہے لہذا
 اس میں اور انسان میں کوئی خلج واقع نہیں۔" (ص ۱۰۲)

مجیب | تمام شکر ہے کہ قرآن مجید نے خدا کی نسبت جو تعلیم دی ہے کہ اس کی ذات مخلوق
 سے بلند اور بالاتر ہے۔ پادری صاحب کو کھلتا تسلیم ہے۔ ہاں بڑی وجہ فرق یہ بتائی ہے
 کہ قرآن جبرائیل کو پیغامِ رسائی کا ذریعہ قرار دیتا ہے لیکن مسیحیت کہتی ہے کہ خدا ہمارا باپ ہے
 خدا اور انسان میں کوئی خلج نہیں ہے۔ خلج کا لفظ تشریح طلب ہے اس سے پادری صاحب
 کی مراد اگر یہ ہے کہ قرآنی تعلیم کے بموجب خدا اور بندے کے درمیان کوئی چیز رکاوٹ
 ہے جیسے خلج خشکی کے دو ٹکڑوں کے درمیان حدِ ناصل ہوتی ہے تو ایسا کہنا بالکل غلط ہے
 کیونکہ خدا کے متعلق ارشاد ہے

هُوَ مَعَكُمْ أَيْمًا كُنْتُمْ عَلَيْهِ

خدا ہر وقت اور ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے

نیز ارشاد ہے

فَمَنْ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ

خدا انسان کی شاہ رگ سے زیادہ قریب ہے

اگر مراد یہ ہے کہ بقول قرآن جبرائیل پیغامِ رسائی کا ذریعہ ہے تو ہم اسے تسلیم کرتے ہیں
 سلسلہ انبیاء علیہم السلام میں ہیں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ چنانچہ بائبل شہادت دیتی ہے۔
 کہ حضرت لوط کی قوم پر عذاب لانے والے فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے
 اس کے علاوہ حضرت زکریا علیہ السلام کے پاس خدا کا فرشتہ آیا اور ان کو بیٹے کی خوشخبری دی

لے خدا کو اب (باپ) اور رب کہنے کی بحث کتاب ہذا کے صفحہ ۲۷ سے صفحہ ۲۹ تک ملاحظہ کریں۔

ذرا اور قریب آئیے اور میں آپ کے گھر کی بہت بڑی خلیج کا پتہ بتاؤں۔ انجیل لوقا میں لکھا ہے۔
 چھٹے جینے جبرائیل فرشتہ خدا کی طرف سے جلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرت تھا
 بھیجا گیا۔ ایک کنزاری کے پاس جس کی یوسف نامی ایک مرد سے منگنی ہوئی تھی۔ اور
 اس کنزاری کا نام مریم تھا۔ اس فرشتہ نے اس کے پاس اندھا کر کہا۔ اسے پسندیدہ
 سلام! راہنمیل لوقا باب اول)

پادری صاحب فرمائیے! فرشتے کی خلیج مائل کرنے والی پہلی کتاب یا میل ہے یا قرآن؟
 سچ ہے۔ ع۔ ایں گناہیت کہ در شہر شمانیز کنند
 مسیحیت کی خصوصیت جو پادری صاحب نے بتائی ہے وہ قابل دید و شنید ہے
 فرماتے ہیں:-

مسیحیت تعلیم دیتی ہے کہ خدا ہمارا باپ ہے جس کی ذات محبت ہے ہذا اس میں اور
 انسان میں کوئی خلیج واقع نہیں اور خدا کا کلام خود مجسم ہوا اور اس نے مسیح میں ہو کر اپنے
 آپ کو نبی نوع انسان پر ظاہر کیا اور جو کتاب غیر ایہ (غیر) اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلام
 میں انسان خدا کے ساتھ حقیقی رفاقت نہیں رکھ سکتا۔ کیونکہ قرآن کے مطابق خدا
 بے نیاز ہے (سورہ اخلاص وغیرہ) لاپرواہی اور محبت دونوں ایک جگہ ہونہیں سکتے
 محبت ایک رشتہ ہے۔ جو محب اور محبوب کے درمیان ہوتا ہے لیکن جہاں
 بے نیازی ہو وہ نہ کوئی محب ہو سکتا ہے اور نہ محبوب اور نہ محبت کی رفاقت کا امکان
 ہو سکتا ہے۔ (رسول)

مجیب بس شختم خدا کا یہی وہ امتیاز ہے جس پر عیسائی قوم نازاں ہے اور حضرات انبیاء
 علیہم السلام اور دیگر عقلاء اس پر نالاں۔ چنانچہ پہلے ہم اس کی تفصیل کر چکے ہیں رد کچھو کتاب
 ہذا کا ص ۶۶ پہلے حوالوں میں آپ نے خود خدا کو مجسم کہا اور یہاں خدا کے کلام کو مجسم کہا ہے
 یہ دورنگی قابل غور ہے: خدا کا کلام مجسم ہوا۔ یہ فقرہ قابل شریح ہے۔ اس کی تشریح اگر
 یہ ہے کہ جو کلام متکلم کے ساتھ عرض کے درجے میں تھا وہ مجسم ہوا۔ تو یہ بالبداهت غلط ہے
 کیونکہ یہ فلسفے کا مشکہ ہے کہ عرض جو ہر سے کبھی جدا نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ مراد ہے کہ خدا کے

کلام (عکس) سے مسیح کا وجود ظہور پذیر ہوا تو یہ صحیح ہے۔ قرآن مجید بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

گر انہی معنی میں دنیا کے کل اعراض و جواہر موجود ہوئے۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے:-

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (پک - مع)

ان معنی سے خدا کے کلام سے مسیح کے مجسم ہونے میں کوئی خاص امتیاز نہیں رہتا اگر آپ کو یہ بات کھٹکے کہ اگر خصوصیت نہیں ہے تو مسیح کا نام لے کر قرآن مجید نے کیوں کہا۔

إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا

إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ (پک - مع)

تو جواب اس کا یہ ہے کہ آپ عام سلسلہ توالد کے خلاف خدا کے حکم سے بن باپ محض ماں کے بطن سے پیدا ہوئے تھے اسی لئے آپ کی شان میں مذکورہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ اس میں یہودی کی تردید بھی مقصود ہے جو مسدوح کی شان میں ناجائز مولود وغیرہ الفاظ کہہ کر اپنا اعمال نامہ سیاہ کرتے تھے۔

ہاں آپ نے یہ خوب کہا کہ قرآنی تعلیم کے مطابق خدا بے نیاز ہے۔ لاپرواہی اور محنت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ پادری صاحب! معاف فرمائیے۔ آپ نے خدا کی بے نیازی کا مطلب نہیں سمجھا۔ اگر میں یہ کہوں کہ سورہ اخلاص کے جس لفظ کو آپ نے مد نظر رکھا ہے اس کے معنی بھی نہیں سمجھے تو بے جا نہیں ہوگا۔

سنئے! خدا اس لحاظ سے بے نیاز ہے کہ وہ اپنی ذات و صفات میں کسی مخلوق کا محتاج نہیں جس کو بہادر شاہ ربادشاہ دہلی نے ایک مجلس میں یوں ادا کیا ہے:-

نہ پرستش کا تو محتاج نہ محتاج عبادت

نہ عنایت تھے درکار کسی کی نہ حمایت

نہ نیازت نہ ولادت نہ بفرزند تو حاجت

تو جلیل الجبروتی۔ تو امیر الامرائی

اس کا ثبوت دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہم اور آپ دونوں گروہ مانتے ہیں کہ دنیا کی کل کائنات حادث ہے جس کا نتیجہ صاف ہے کہ ایک زمانہ تھا جب کہ خدا اکیلا ہی تھا۔ اس کے

لے خدا جب کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے حکم دیتا ہے کہ ہو جا۔ پس وہ ہو جاتی ہے۔ ۱۲۰ منہ

ساتھ کوئی مخلوق نہ تھی۔ یہ ہے اس کی بے نیازی کا مطلب۔ اس کی مثال بھی دیکھ لیں،

وے سکتے ہیں غور سے سنو!
ایک شخص صاحبِ اولاد ہے۔ وہ اپنی اولاد کا کسی بات میں محتاج نہیں ہے بلکہ اولاد اس کی محتاج ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ باپ اپنی شفقتِ پدری کے تقاضا کی وجہ سے سب پر یکساں نوازش کرتا ہے۔

پادری صاحب! اگر آپ خود بھی صاحبِ اولاد ہیں تو اپنے ضمیر سے پوچھئے۔ اگر نہیں ہیں تو کسی صاحبِ اولاد دوست سے پوچھئے کہ وہ اپنی اولاد سے بے نیاز ہونے کے باوجود ان کے ساتھ شفقت اور محبت سے پیش آتا ہے یا نہیں؟
اس مثال سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آپ نے بے نیازی اور محبت میں جو مغایرت سمجھی ہے وہ غلط ہے۔

آئیے میں آپ کو بتاؤں کہ سورۃ اخلاص کی آیت اللہ الصمد کے اصح معنی وہ ہیں جو حضرت حسن بصری سے منقول ہیں یعنی اللہ المقصود۔ عہد کے معنی مقصود کے جی آتے ہیں اس کی شہادت میں معلقہ کا ایک شعر پیش کرتا ہوں سے

انطلقت الحبحم العظیم تلاقنی

على ذروة البيت الكریب المصمد

پس آیت زیر بحث کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں انسان کا اصل مقصود خدا کی رضا جوئی ہے دگر ہیج۔ اسی بنا پر حضرت مسیح نے کیا ہی ہیج فرمایا ہے:-

”اے میرے باپ اگر میرے بچے بغیر موت کا یہ پیالہ نہیں گزیر سکتا تو تیری مرضی ہو جی ۱۲:۲۶

ترشد! کیسی جمودیت اور کیسی رضا جوئی ہے۔ کیا ہی ہیج ہے

تین بگرت بگرت گفت کہ نازم این است

سرسر بردم و گفتم کہ نیازم این است

باوجود اس کے پادری صاحب نازاں ہو کر کہتے ہیں:-

میں خدا کے بلند و بالا ہونے اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کے متعلق جو تعلیم قرآن میں پائی

جاتی ہے وہ کامل طور پر انجیل جلیل میں موجود ہے۔ لیکن کلمۃ اللہ کی تعلیم اسلام کی تعلیم کے
نقص سے پاک ہے (ص ۱۰۴)

ناظرین کرام! یہ ہے پادری صاحب کا زور ظلم یا بالفاظ دیگر بے جا ضد اور تعصب۔ اس امر
کو تسلیم کرنے کے باوجود کہ قرآن کی تعلیم کامل طور پر انجیل میں پائی جاتی ہے۔ پھر اس کو ناقص
بتانے میں نقصان کیا ہے۔ وہی مرکزی نقطہ کہ مسیح مجسم خدا ہے جس کی تردید پہلے کافی ہو چکی
ہے (کتاب ہذا ص ۶۶) پادری صاحب کو اسی پر ناز ہے۔ آپ کے خیال میں یہی تعلیم انجیل کی
خرابی اور بے نظیری کا ثبوت ہے۔ سچ ہے سہ

آگیا داغ اس کے دل میں یہ غرور شکل ہے دنیا میں لاثانی میری

قرآن کے مطابق خدا رحمان اور رحیم ہے جو ہمارے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔

(۱۰۰۰) (۱۰۰۰) (۱۰۰۰) (۱۰۰۰) (۱۰۰۰) (۱۰۰۰) (۱۰۰۰) (۱۰۰۰) (۱۰۰۰) (۱۰۰۰)

کی تعلیم میں پایا جاتا ہے (مر ۱۱/۲ - افسی ۳۲/۳ - کلیسی ۳/۱۳ وغیرہ) لیکن اسلامی تعلیم میں

بڑا نقص یہ ہے کہ خدا کی رحمت کا اخلاقیات سے تعلق نہیں۔ اس میں اخلاقی

عنصر موجود نہیں۔ کیونکہ رحم کرنا اور گناہوں کا بخشنا اس کی مطلق العنان مرضی پر

موقوف ہے (ص ۱۰۵)

مجیب | پہلے ہم بتائے ہیں کہ انجیل نے گناہ کی سزا بڑی سخت بتائی ہے۔ حتیٰ کہ
از روئے انجیل کسی کو احمق کہنا دخول جہنم کا موجب ہے (متی باب ۲۲: ۱۵) اس کے علاوہ انجیل
کی سختی مندرجہ ذیل حوالہ سے بھی ثابت ہے۔ مسیح فرماتے ہیں کہ۔۔۔

”اگر تیری آنکھ تجھے ٹھوکر کھلا دے اسے نکال ڈال کہ خدا کی بادشاہت میں کانا داخل

ہونا تیرے لئے اس سے بہتر ہے کہ دو آنکھیں رکھتے ہوئے جہنم کی آگ میں ڈالا جائے

جہاں ان کا کیترا نہیں مڑنا اور آگ نہیں بجتی۔ کیونکہ ہر ایک شخص آگ سے نکلیں کیا

جائے گا۔ (مرقس ۹ باب کی ۴۹)

ہاں آپ نے قرآن کے مضامین پر اچھی طرح غور نہیں کیا اور غور کر بھی نہیں سکتے کیونکہ آپ
کا مشا عیب جوئی ہے۔ سنئے جن الفاظ پر آپ کو اعتراض ہے وہ یہ ہیں۔

يَغْفِرْ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبْ مَنْ يَشَاءُ (پ - ۱۳ ع)

یہ ایک عمل کرام ہے جس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ مجرم کی بڑی شخصیت بھی اس کو عذاب الہی سے بچا نہیں سکتی اور محسن (نیکوکار) کی ادنیٰ شخصیت اس کی ترقی میں رکاوٹ نہیں ہے باقی رہا یہ مطلب کہ خدا کس پر رحم کرے گا اور کس کو عذاب دے گا اس کا ذکر دوسری آیت میں مفصل ملتا ہے سنئے! ارشاد ہے:-

وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورًا (پ - ۱۹ ع)

(خدا کسی متکبر اور مغرور سے محبت نہیں کرتا۔)

إِنِّي لَغَفَّارٌ لِمَنْ تَابَ وَآمَنَ (پ - ۱۳ ع)

(خدا تائب لوگوں کے لئے بخشنہا رہے)

اس آیت کو آپ اپنے اس فقرہ کے ساتھ ملا کے پڑھیں:-

لِذَا خذاكِ ذَاتُ قَضَاءٍ كَرِيهٍ كَمَا كُنْتَ تَكْفُرُ (پ - ۱۳ ع)

(جو ارحمت میں جگہ دے (۱۳ ع))

کہئے اب بھی آپ کی غلطی رفع ہوئی یا نہیں؟

مزید سنئے! قرآن مجید کا عام قانون ہے:-

إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَكَرِيمٌ (پ - ۱۳ ع)

(خدا سب لوگوں پر مہربان اور شفیق ہے)

مگر خدا تعالیٰ چونکہ باوجود رحیم و کریم اور غفار و غفار ستار ہونے کے عادل اور انصاف پسند بھی ہے

اس لئے وہ طاعی اور طاعی (فرمانبردار اور فرمان) کے ساتھ کیسا معاملہ کرنا اپنے عدل و

انصاف کے خلاف جانتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:-

أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي

الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ (پ - ۱۳ ع)

کیا ہم مومن اور نیکوکار لوگوں کا انجام ملک میں نسا کرنے والوں جیسا کر دیں گے۔ یا

بے ہنر گاروں کو انجام کے لحاظ سے بکاروں جیسا بنا دیں گے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا!

بس یہی وہ پاک تعلیم ہے جس کو پادری صاحب محل اعتراض سمجھتے ہیں۔ مگر اہل نظر اس کی خوبی اور محسن کے پیش نظر کہتے ہیں۔

اسلام! کیا جانے تجھ میں کیا ہے کہ لوٹے ہے تجھ پہ جی یوں اور کیسا جہاں میں کوئی حسین نہیں آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں۔

”قرآن کے مطابق خدا گناہ کا بانی ہے اعراف آیت ۱۷۸۔ بنی اسرائیل ۱۷ شوریٰ ۲۵۔ ہود ۳۶ و ۳۷ وغیرہ) کلمۃ اللہ کی تعلیم اس باطل عقیدہ سے پاک ہے: (رمضان)

مجیب | معلوم ہوتا ہے کہ پادری برکت اللہ صاحب پادری عماد الدین صاحب کا ترجمہ قرآن سامنے رکھتے ہیں۔ اسی لئے آپ کو قرآن فہمی میں غلطی لگ جاتی ہے۔ ان ساری آیتوں میں صرف سورۃ اعراف کی آیت زیر بحث آسکتی ہے۔ باقی آیتوں کا مضمون بالکل صاف ہے آیت موصوفہ کے الفاظ یہ ہیں:-

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ
لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ
لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَانُوا لِنُجُومٍ مَّضَلَّةً
أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (مریم: ۱۷)

تفصیل | عربی زبان میں لام بارہ دو معنی کے لئے آتا ہے ایک تو معنی علت کے لئے دوسرے معنی غایت کے لئے جس کو انجام کہتے ہیں۔ علت کا لام وہ ہوتا ہے جس کا مدخول دوران فعل میں فاعل کی نیت میں موجود ہو جیسے ضروبہ للننادیب، میں نے اس کو ادب سکھانے کے لئے مارا) اس سے معلوم ہوا کہ فاعل کی نیت میں ادب سکھانا داخل ہے۔ غایت کی مثال یہ آیت ہے:

فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا (مریم: ۱۷)

یہ آیت حضرت موسیٰ اور فرعون کے قصہ میں ہے۔ اس کا ترجمہ پادری عماد الدین نے یوں کیا ہے۔ پھر سے فرعون کے لوگوں نے اٹھایا تاکہ ان کے لئے ایک دشمن اور باعث غم ہو

جائے (ترجمہ سعادی صفحہ ۱۸۴)

حیب | یہ ترجمہ اس لئے غلط ہے کہ فرعون والوں کی نیت میں یہ داخل نہیں تھا کہ وہ بچہ
 ہوئی، ان کا دشمن بن جائے۔ کیونکہ آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ
 فرعون والوں نے موسیٰ کو پکڑ لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ان کے لئے دشمن اور باعثِ غم ہو گیا
 پانچ شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے فارسی ترجمہ قرآن میں اسی مضمون کی طرف اشارہ کرنے
 اور ترجمہ یوں کیا ہے کہ:-

تا اسخو شود برائے ایتان دشمن

بعض لوگ لامِ علت اور لامِ عاقبت میں امتیاز نہیں کرتے بلکہ سرسری طور پر ایسا ترجمہ کر دیتے
 ہیں کہ لامِ عاقبت لامِ علت کے معنی میں نظر آتا ہے۔ پس آیت زیر بحث کے معنی
 یہ ہوئے کہ

خدا کی مخلوق میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کا انجام جہنم ہو گا جس کی وجہ یہ ہے کہ
 ایسے لوگ اپنے دل، آنکھ اور کان سے وہ کام نہیں لیتے جن کے لئے یہ اعضاء پیدا کئے
 گئے ہیں اور نہ دل سے صحیح بات سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ الٹا اعتراض کئے جاتے ہیں
 جس کی طرف شیخ سعدی نے اشارہ کیا ہے ع

گل است سعدی و در چشم دشمنان خار است

ماں پادری صاحب! اپنے گھر کی بھی خبر لیجئے۔ خدا نے موسیٰ کو فرعون کے مقابلہ میں بھیجتے
 ہوئے کہا تھا۔ میں فرعون کے دل کو سخت کروں گا اور اپنی نشانیوں اور عجائب کو ملک مصر میں زیادہ
 کروں گا۔ لیکن فرعون تمہاری نہ سنے گا (خروج باب)

پس جس وجہ سے فرعون کے دل میں یہ سختی پیدا کی گئی تھی۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں
 معاندین حق کی گمراہی کی خبر دی گئی ہے جس کا مختصر گرجامع ذکر اس آیت میں ہے:-

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ طرہٗ - ع

(بدکار لوگوں کے دلوں پر ان کی بدکاری بہت برا اثر پیدا کر دیتی ہے)

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں:-

”قرآن میں نماز اور دعا کا حکم ہے لیکن وہ زمان و مکان کی قیود سے آزاد نہیں (نساء ۴۳) روم ۱۶، ۱۸ - ہود ۱۱۳ - بنی اسرائیل ۸۰ - طہ ۱۳۰ - بقرہ ۱۱۹)۔ چنانچہ حکم ہے کہ نماز خاص اوقات پر اور ایک خاص جگہ کی طرف رخ کر کے پڑھی جائے۔ لیکن مسیحیت میں یہ حکم زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہے۔ کلمۃ اللہ نے فرمایا کہ ہر وقت دعا مانگتے رہنا چاہیے (لوقا ۱۸ - افسی ۶ - اتینقی ۵ - اتمطایہ وغیرہ) آپ نے کسی خاص جگہ کو قبلہ نہ بنایا (یوحنا ۲۵-۲۶) اسلام میں دعا سے پہلے ظاہری اور رسمی پاکیزگی پر زور دیا گیا ہے۔ (اندہ ۸-۹ - بقرہ ۱۸۳ وغیرہ) لیکن کلمۃ اللہ کی تعلیم میں ظاہری تکلفات کا ناقص پہلو دور کر دیا گیا ہے۔

دل کہ پاکیزہ ہو دجا مٹہ ناپاک چہ سود
سکر کہ بے مغز بود لغزنی دستار چہ سود

مجیب | اس اقتباس کا جواب کتاب ہذا کے صفحہ ۲۵ پر درج ہو چکا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ عیسائیوں کی عبادت میں بھی کون و مکان کی پابندی برابر پائی جاتی ہے۔

لطیفہ | پادری صاحب نے جو نارسا شعر لکھا ہے اسے پڑھ کر ہمیں ایک پرانا قصہ یاد آگیا کہ کسی شاعر کے شعر پر طلبائے مدرسہ نے اعتراضات کئے تو شاعر نے کہا کہ

شعر مرا بجز سہ کہ برد

یہی مثال پادری صاحب کے اس شعر پر صادق آتی ہے۔ پہلے مصرع کو ایسا خراب کیا کہ اگر شاعر سن پائے تو یہی کہے کہ

”شعر مرا بجز سہ کہ برد“

کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ اس شعر کو پادری سلطان محمد خاں افغان سے صحیح کرا لیتے ع ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

آگے چل کر آپ فرماتے ہیں:-

”کلمۃ اللہ (سیح) نے فرمایا کہ خدا روح ہے اور ضرور ہے کہ اس کے پرستار روح اور سچائی سے اس کی پرستش کریں۔“ (صفحہ ۱۵)

آپ کے سارے اعتراض کا جواب قرآنی لفظ خاشعون میں ملتا ہے۔ ارشاد ہے:-

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ طرہٴ صالح

رکامیاب ہو جائیں گے وہ ایماندار لوگ جو خشوع کی حالت میں نماز ادا کرتے ہیں

خاشعین کی تشریح ایک دوسری آیت میں یوں آئی ہے:-

إِنَّهَا كَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ الَّذِينَ يَلْظُمُونَ الْأُذُنَ

وَالرَّيْءُ وَآلَهُمْ رَائِيهِ دَاجِعُونَ رپا - ع

دناز بے شک شکل ہے مگر خاشعین پر شکل نہیں جو جانتے ہیں کہ ہم اپنے رب سے

ملنے والے ہیں اور اسی کی طرف ہمارا رجوع ہے

پادری صاحب کیا اچھا ہوتا کہ آپ قرآن مجید پر اعتراض کرنے سے پہلے کسی قرآن دان یا شاد سے مطلب سمجھ لیتے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ قرآن میں یہ بڑی خوبی ہے کہ مخالفین کے اعتراضوں

کا جواب وہ خود ہی دیتا ہے۔

میرے محبوب کے دو ہی پتے ہیں مگر سبلی صراحی دار گردن

آگے چل کر پادری صاحب نے روز کے متعلق اعتراض کیا ہے جس کا جواب اس کے پہلے اسی کتاب کے صفحہ ۷۷ پر ہو چکا ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں کے حج بیت اللہ پر اعتراض کرتے ہوئے آپ نے لکھا ہے کہ:-

یہ روایت اور اسلام میں یہ ممانعت ہے کہ جو تکبیر اہل یہود کے مذہب میں یورو شلم کو

دی گئی ہے وہی جگہ اسلام میں کہہ کر دی گئی ہے۔ بس طرح یہود یورو شلم کی شکل

میں رہتا تھا اس طرح اسلام کا اللہ رب کعبہ ہے۔ یہیں جلیل کی تعظیم میں، جنوں

سے پاک ہے۔ (منا)

محب | پادری صاحب نے اگر سورہ فاتحہ کی پہلی آیت ہی غور سے پڑھی ہوتی تو آپ

یہ اعتراض نہ کرتے۔ خیر ہم خود ہی آپ کو بتاتے ہیں کہ اسلام کا اللہ کون ہے۔ بزبان قرآن
سُنئے۔ ارشاد ہے:-

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ

تلیے کہ اس آیت میں رب العالمین کس کی صفت ہے ہم سے پوچھیں تو ہم بتائیں گے کہ:-

رب العالمین، الرحمان، الرحیم اور مالک یوم الدین، یہ چاروں صفات
خدا تعالیٰ کی ہیں۔ ہاں ہاں سنئے! اسلام کا اللہ وہ ہے جو عیسائیوں کے دونوں
معبودوں مریم صدیقہ اور ابن مریم (مسیح) کو بگڑے ساری دنیا کے چھوٹے بڑے انسانوں کو لگا کر
کفر مانتا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ
يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ
وَأُمَّهُ وَفِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيرٌ (پ - ع)

ابو لوگ، مسیح ابن مریم کو اللہ کہتے ہیں وہ حقیقت میں اللہ کے منکر ہیں اے
نبی تم ان لوگوں کو کہہ دو کہ خدا اگر چاہتا تو مسیح اور اس کی ماں اور تمام دنیا کو
ہلاک کر دیتا۔ پھر کون تھا جو اس کو روک سکتا۔ آسمان، زمین اور کل مخلوقات
کی بادشاہی اسی کے لئے ہے جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت
رکھتا ہے۔

ان نظریں پر یہ اعلان کیسا باہمیت اور پر شوکت ہے۔ اس میں کسی قسم کا تکلف اور تصنع
(دباوٹ) بھی نہیں ہے بلکہ حقیقت پر مبنی ہے جس کا کسی قدر مضمون فارسی کے اس شعر میں
منا ہے

ہست سلطانی مسلم مرو را
نیت کس را ز ہرہ چون و چرا

پادری صاحب! یہ ہے اسلام کا اللہ جو مسیحیت کے معبود اور اس کی ماں کو بھی لگا کرتا ہے
اور وہ دونوں اس کے سامنے سر جھکا کر ہوتے ہیں۔ غور سے سنئے!

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ (پ - ع)

(مسیح کو اللہ کا بندہ بننے میں ہرگز کوئی عار نہیں ہے)

یہ ہے اسلام کا اللہ جس کی شان میں مستس حالی کا ایک بند ہم بطور نمونہ پیش کرتے ہیں

خرد اور ادراک رنجور ہیں و اہل مد و مہر ادنیٰ سے مزدور ہیں و اہل

جہاندار مغلوب و مقہور ہیں و اہل نبی اور صدیق مجبور ہیں و اہل

نہ پرکشش ہے رہبان و احبار کی و اہل

نہ پرواہ ہے اسرار و ابرار کی و اہل

پادری صاحب! یہ ہے ہمارا اللہ جس کی شان کبریائی کا تھوڑا سا حال ہم نے آپ کو سنایا ہے

ذرا اپنے معبود کو بھی سامنے لائیے اور اسلام کے اللہ کے ساتھ اس کا مقابلہ کیجئے

بسن تنگ نہ کرنا صح نادان مجھے اتنا یا چل کے دکھانے دہن ایسا کمر ایسی

غفیت ہے کہ پادری صاحب اسلام کے اللہ پر اعتراض کرتے ہوئے اسلامی تعلیم کو یہودی

تعلیم کے مماثل مانتے ہیں اور پھر اس پر اعتراض بھی کرتے ہیں اور یہ بھی نہیں سمجھتے کہ یہودی

تعلیم تو موسوی شریعت کا نام ہے جس کو مسیح نے تسلیم کر کے واجب العمل قرار دیا ہوا ہے

جس کا ذکر ہم کتاب ہذا کی تمہید میں مسیح پر کرتے ہیں۔ فتد کو!

آگے چل کر آپ قرآنی پر اعتراض کرنے ہوئے لکھتے ہیں:-

اسلام میں قرآنی کا حکم پایا جاتا ہے۔ لیکن کلمۃ اللہ کی تعلیم اور زندگی نے ایک طرف

قرآنی کے تصور کو کامل کر دیا اور دوسری طرف اس قسم کے ناقص اور باطل

تصورات کو خارج کر دیا۔ (ص ۱۰)

مجیب | اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مسیح کے آنے سے پہلے عینی قسم کی قرآنیات تورات

وغیرہ کی تعلیم سے مروج تھیں۔ مسیح نے صلیب پر اپنی قرآنی دے کر ان سب کو نسوخ یا

مرفوع حکم کر دیا بہت خوب! اسی لئے اب عیسائیوں میں قرآنی کا رواج نہیں ہے بلکہ

یسوع کی قرآنی پر ایمان رکھنا کافی ہے۔ انہی معنی میں پولوس کا قول ہے کہ

یسوع نے ہم کو شریعت کی لعنت سے چھڑایا وہ ہمارے لئے لعنتی ہوا (گلتیوں بابت)

حالانکہ خود مسیح نے موسوی شریعت کی قرآنیوں کو بحال رکھا۔ ملاحظہ ہو آپ فرماتے ہیں:-

اگر تو قرآنی نگاہ پر اپنی نذر گزارتا ہوا اور وہاں تجھے یاد آئے کہ میرے بھائی کو مجھ سے کچھ

شکایت ہے تو وہیں قربانگاہ کے آگے اپنی نذر چھوڑ دے اور جا کر پہلے اپنے بھائی سے
 ملاپ کرتے آکر اپنی نذر گزاران (مستی ۵، ۲۳)

مجیب | اس عبارت سے بالفاظ صریح قربانی کے حکم کی بحالی ثابت ہوتی ہے کیونکہ آپ کے
 نزدیک اگر قربانی کا حکم منسوخ ہوتا تو یوں نہ فرماتے کہ تب آکر اپنی نذر گزاران۔ بلکہ ارشاد و عا
 یوں ہوتا کہ

قربانی کو ترک کر دے یہ ایک بری رسم ہے اپنے بھائی سے صلح کر یہ کام بہت ضروری ہے۔
 ناظرین! یہ ہے موسوی شریعت کی قربانیوں کی تکمیل۔ اللہ اللہ! کتنی دلیری اور کتنی جرأت ہے
 اس پر مزید لکھنے سے ہمارا دل کانپتا ہے اور عظم لڑاں براندام سے۔
 مختصر یہ ہے کہ اسلامی قربانی موسوی شریعت کی قربانیوں کے مشابہ ہے مگر شمار میں بہت
 کم یہ تخفیف اسلام کی خوبی ہے نہ کہ برائی سے

مجھ میں اک ٹیب بڑا ہے کہ ونا دار ہوں میں

آگے چل کر پادری صاحب فرماتے ہیں:-

قرآن میں حرام حلال خود اک میں تین کی گئی ہے (مانہ ۹، ۱۰، ۱۱ - انعام ۱۲۶ وغیرہ) اس
 قسم کی تعلیم ہم پر عیاں کر دیتی ہے کہ قرآن صرف خاص ممالک و اقوام پر ہی حاوی ہو
 سکتا ہے۔ لیکن حکمت اللہ نے اس قسم کی تعلیم کے نقص کو رفع کر دیا اور فرمایا کہ کوئی شے
 بذاتہ حرام نہیں۔ انجیل میں ارشاد ہے کہ خدا کی بادشاہت کھانے پینے پر نہیں بلکہ راست
 محبت اور اتفاق اور اس خوشی پر موقوف ہے جو روح القدس کی طرف سے ہوتی
 ہے۔ مسیحیت اس قسم کے باطل عناصر سے یک سرخالی ہے (مثلاً)

مجیب | اللہ کے حق سے عداوت! پادری صاحب کو اسلام پر اعتراض کرتے ہوئے شریعت
 موسوی کی بھی پروا نہیں ہوتی۔ آپ اگر موسیٰ کی کتاب استننا باب کو سامنے رکھ لیتے
 تو یہ جرات نہ کرتے جو آپ نے یہاں کی ہے۔ دیکھئے خدا حضرت موسیٰ کو حکم دیتا ہے
 "تو کسی گھنونی چیز کو مت کھاؤ۔ دے چار پائے کہ جنہیں تم کھا سکتے ہو یہ ہیں۔ بیل اور
 جھنڈ میں سے بھینٹ اور بکری اور ہرن اور آہوا اور میوہ اور بزرگ ہی اور ریم اور گادیش

اور مکڑہ کوہی۔ اور ہر ایک چار پایہ جس کے کھر چرے ہوئے ہوں۔ اور اس کے کھر میں
 خشک ہو ایسا کہ اس سے دو پنچے ہوتے اور جگالی کرتا ہو تو تم اسے کھاؤ گے۔ لیکن
 ان میں سے کہ جگالی کرتے ہیں یا ان کے کھر چرے ہوئے نہیں ہیں تم انہیں مت
 کھاؤ۔ جیسے اونٹ اور خرگوش اور بوع۔ اس لئے کہ یہ جگالی کرتے ہیں۔ لیکن ان
 کے کھر چرے ہوئے نہیں ہیں۔ سو یہ تمہارے لئے ناپاک ہیں اور سوہ بھی کہ اس کے
 گھر چرے ہوئے ہیں پر جگالی نہیں کرتا۔ وہ تمہارے لئے ناپاک ہے تم ان کا گوشت
 نہ کھاؤ نہ ان کی لاش کہ ہاتھ لگاؤ۔

آبی جانوروں میں سے ہی کھاؤ گے۔ جتنوں کے پر ہوں اور چھلکے۔ تم انہیں کھاؤ گے
 مگر جس کے پر اور چھلکے نہ ہوں تم اسے مت کھاؤ وہ تمہارے لئے ناپاک ہے۔
 ہر ایک پرندہ جو پاک ہے تم اسے کھاؤ گے لیکن دے جن کا کھانا حرام ہے یہ ہیں
 عقاب اور استخوان خوار اور بحری عقاب اور چیلہ اور سفید چیلہ اور گدہ اور جہان کی
 جنس سے ہیں۔ ہر ایک جنس کا کوا اور شتر مرغ اور الو اور بحری بگلا اور باز کی ہر ایک
 قسم اور بقم اور چوہے اور چکوا۔ اور حواصل اور تخم اور اسخوار اور تک تک
 اور بگلا اور جہان کی جنس سے ہوں۔ اور ہڈ اور چمکا ڈر۔ اور ہر ایک حیوان جو رنگ
 کے چلے اور اڑے تمہارے لئے ناپاک ہے تم انہیں مت کھاؤ۔ سب سے پرندے
 جو پاک ہیں تم انہیں کھاؤ گے۔

جو حیوان آپ سے مر جائے تم اسے مت کھاؤ۔ (استثنا باب)

مجیب | پادری صاحب! آپ نے اسی تعلیم پر ہاتھ صاف کیا ہے، یا کسی اور پر؟

نور سے سنئے۔ حرام و حلال کے درمیان تباہی کی نفی کا اثر دو تک پہنچتا ہے۔ ایک مسلمان
 ایک عیسائی دو شخص میں۔ ان دونوں نے ہٹل میں جا کر کھانا طلب کیا۔ مسلمان نے تو پیر سے
 کہا میرے لئے بکری کا گوشت اور پانی کا گلاس لاؤ مگر عیسائی نے کہا کہ میرے لئے سو کا گوشت
 اور شراب کا گلاس لاؤ۔ دونوں نے اپنا اپنا من بھانا کھانا کھایا۔

پادری صاحب! فرمائیے کیا یہ دونوں شخص آپ کی نظر میں عیساں ہیں۔ کتاب احبار میں

سور کی حرمت دیکھ کر جواب دیجئے جس میں لکھا ہے کہ:-

”سور کہ کھڑا اس کا دو حصہ ہوتا ہے اور اس کا پاؤں چرہ ہے پر وہ جگالی نہیں کرتا وہ بھی ناپاک ہے تھا سے لئے تم ان (جانوروں کے گوشت سے کچھ نہ کھاؤ۔ (احباب باب ۹۷)
حرمت شراب کی بابت بائبل کا ارشاد سنئے:-

”مے منخرہ بناتی ہے اور مست کرنے والی ہر ایک چیز غضب آلودہ کرتی ہے جو اس کا فریب کھاتا ہے وہ دشمن نہیں (امثال ۱۰:۲۰)

”سچی دوستی پادری بکرت اللہ صاحب سے پوچھو کہ تم اسلام کی تردید کرنے میں اتنے دلیر کیوں ہو گئے کہ بائبل مفسر پر بھی ہاتھ صاف کر دیا جس سے اہل مذاق کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ:-

بازی بازی باریش بابا بازی

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں:-

”اسلام میں نعمتے بہشت اور عذاب ہائے دوزخ کی تعلیم موجود ہے۔ اس تعلیم میں صداقت کا جو عنصر ہے وہ مسیحیت میں اپنی پاکیزہ ترین صورت میں پایا جاتا ہے (یوحنا ۱۷:۱۱-۱۲)۔
لاسنہ ۲۶:۲۲ - متی ۲۲:۲۵ - باب وغیرہ) قرآن میں بہشت کی تصویر شراب اور نہروں عورتوں، غلاموں وغیرہ پر مشتمل ہے جس سے سلیم الطبع اشخاص متنفر ہو جاتے ہیں لیکن مسیحیت کے مطابق یہ تمام باتیں ناقص اور باطل ہیں (مفسر ۱۲:۲۵ وغیرہ) یہ تعلیم صرف ان لوگوں کو ہی بھلی معلوم ہو سکتی ہے جو ترقی کی ابتدائی منازل پر ہوں۔ لیکن اس طبقہ کے باہر یہ تعلیم دیگر ممالک و اقوام کی رہبری نہیں کر سکتی اور یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے باطل کو مسیحیت میں جگہ حاصل نہیں (ص ۱۰۸)

مجیب | بے شک قرآن مجید میں بہشت اور دوزخ کا ذکر ہے اور مفصل ذکر ہے انجیل میں

دوزخ کا ذکر ادھو سے سے لفظوں میں ملتا ہے چنانچہ حضرت مسیح فرماتے ہیں:-

جو اپنے بھائی کو اتق کہے گا وہ آگ کے جہنم کا سردار ہوگا (متی ۲۲:۱۵)

اسی طرح بعض اور مقامات میں بھی کسی قدر جہنم کا ذکر ملتا ہے۔ قرآن مجید میں بہشت کا مفصل ذکر کر کے ایک مقام پر محل الفاظ میں فرمایا ہے:-

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَدْرُثُهَا

عِبَادِي الصَّالِحُونَ (پا - ۱۸)

اس آیت میں زمین کے وارث صالحین کو دیا گیا ہے اور زبور کا حوالہ دیا ہے۔ پادری صاحب نے اعتراض کرتے تو یوں پوچھتے کہ قرآن مجید نے زمین کی وراثت نیک بندوں کو دینے کا جو ذکر کیا ہے زبور میں وہ کہاں ہے؟ تو یہ ایک معقول سوال ہوتا۔ خیر آپ نے تو نہیں پوچھا ہم خود ہی بتاتے ہیں کیونکہ یہ ایک فیصلہ کن عبارت ہے حضرت داؤد فرماتے ہیں:-
صادق زمین کے وارث ہوں گے اور اپنا تک اس پر بس گے۔ صادق کا منہ دانائی کی بات کہتا ہے۔ اس کی زبان سے عدالت کا کلمہ نکلتا ہے اس کے خدا کی

شریعت اس کے دل میں ہے (زبور، ۳۹: ۳۴)

مجیب اس کلام حسن القیام میں جن صادقوں کی تعریف بہت اچھے لفظوں میں کی گئی ہے انہیں کو قرآن مجید نے الصالحون کے لفظ سے یاد کیا ہے اور قرآن مجید نے صادقوں کو جس زمین کی وراثت دینے کا وعدہ کیا ہے وہ وہی ہے جس کا ذکر اس آیت میں آیا ہے قرآن میں ہشتیوں کے لئے جملہ خالدین فیہا آیا ہے۔ مگر زبور کی مرقومہ عبارت میں کہا گیا ہے کہ وہ صادق ہمیشہ بس گے۔ مطلب ان دونوں جملوں کا ایک ہی ہے۔ پس ثابت ہوا جنت اور دوزخ کا ذکر قرآن اور بائبل دونوں کتابوں میں برابر ملتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ بائبل میں یہ ذکر بالاجمال ہے اور قرآن میں التفصیل۔ ہاں پادری صاحب کا یہ فقرہ بھی محل افسوس ہے۔ جو آپ نے سلسلہ انبیاء کے متکین آریہ وغیرہ کے اثر سے لکھ دیا ہے:-

قرآن میں بہت کی تصویر نہروں، عورتوں، غلاموں، شراب وغیرہ پر مشتمل ہے:-

ان چیزوں کے ذکر میں لفظ شراب نے دانش بڑھایا ہے۔ کیونکہ شراب اردو زبان میں نشہ آور پانی کا نام ہے۔ جو ہر عقلمند کے نزدیک بہت بری چیز ہے۔ عربی زبان میں شراب کے معنی ہیں پینے کی چیز۔ دودھ، پانی، شربت، اسی وغیرہ۔ جنت میں جو شراب اہل جنت کو ملے گی وہ نشہ آور نہیں ہوگی۔ چنانچہ ارشاد ہے:-

لَا فِيهَا عِزٌّ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُغْرَبُونَ ط رپ۔ ۱۷

پادری صاحب نے بہشت میں عورتوں کے وجود پر بھی اعتراض کیا ہے جو اب یہ ہے کہ بیشک قرآن مجید نے نعمتے بہشت کے سلسلہ میں عورتوں کا بھی ذکر کیا ہے کیا بائبل کے حوالے سے آپ نے مرد عورت کو بڑے فخر سے ایک تن نہیں کہا (دین فطرت ص ۱۷) پھر جو چیز یہاں نعمت ہے اسی کو وہاں رحمت قرار دے کر اعتراض کیوں کیا جاتا ہے۔ غلاموں کا ذکر بھی آپ نے کسی خاص نیت سے کیا ہے۔ قرآن مجید میں لفظ غلمان بے شک آیا ہے سنئے! غلمان غلام کی جمع ہے۔ اس کے معنی چھوٹے بچے کے ہیں نہ کہ ملوک کے غلام یعنی ملوک فارسی زبان کا ماورہ ہے اس لئے دوسری آیت میں ولدان کا لفظ آیا ہے چنانچہ ارشاد ہے يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ط رپ۔ ۲۹

ان آیتوں کے معنی یہ ہیں کہ اہل جنت کی اولاد جو دنیا میں بحالت نابالغی مر چکی ہے وہاں ان کے حسبِ خواہش پیدا ہوگی ان کے پاس پھر سے گی جو ان کے لئے موجبِ رحمت ہوگی مافتنائے عقلی یہ ہے کہ جو چیز اس دنیا میں نعمت ہے وہ آخرت میں بھی نعمت ہوگی۔ مرد عورت کا ملاپ قدرتی امر ہے اور دونوں کے لئے ایک قسم کی نعمت ہے بس چہ چیز جس طرح دنیا میں نعمت ہے اسی طرح آخرت میں بھی نعمت ہی ثابت ہوگی اسی لئے فرمایا وَلَهُمْ فِيهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ط رپ۔ ۳۰

(یعنی اہل جنت کے لئے جنت میں پاک دامن بیویاں ہوں گی)

انجیل مرقس کے حوالہ دیکور میں یہ توبے لے کر لکھا ہے کہ دوسری دنیا میں لوگ فرشتوں کی مانند ہوں گے یعنی نیک کاموں کی جزا روحانی ہوگی۔ لیکن بڑے کاموں کی سزا جہنم میں جہانی ہوگی۔ ملاحظہ ہو حضرت مسیح کا پہاڑی وعظ۔ آپ فرماتے ہیں کہ،

جو کوئی شہوت سے کسی عورت پر نگاہ کرے وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔ سو اگر تیری دہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضاء میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا

لے اس میں نشہ نہیں ہوگا جس سے اہل جنت کے سر چکا جا میں۔ ۱۲ منہ

سارابین جنم میں نہ ڈالا جائے۔ (متی باب ۱۵، ۲ تا ۲۹)
پس آپ کا یہ کہنا کہ سلیم الطبع اشخاص اس سے متنفر ہیں ہم تو ایسے لوگوں کے متنفر
رنے کے قائل اس وقت ہوں گے جب کہ وہ دنیا میں بھی اس کام سے متنفر کریں گے۔ ورنہ
ن کے حق میں کہا جائے گا۔ ع

شکر ہے بوردن دہم رنگ متاں رستین

گے چل کر پادری صاحب فرماتے ہیں :-

اسلام میں جہاد کی تعلیم موجود ہے (تو بہ ۲۹، ۱۱۲، ۱۱۱ تا ۱۵۵ - محمد وغیرہ) جو صرف خاص
قوم اور ملک سے ہی متعلق ہو سکتی ہے۔ بذریعہ جنگ و جدل لوگوں کو کسی مذہب میں
جبیرہ داخل کرنے اور لوٹ کا مال قبضہ میں رکھنے (انفال ۷۰، وغیرہ) کی تعلیم ہرگز اس
قسم کی نہیں جس کا اطلاق کل اقوام اور ممالک عالم پر ہو سکے۔ یہ تعلیم سراسر باطل ہے۔
لہذا کلمۃ اللہ کی تعلیم میں دخل نہیں پاتی۔ علیٰ ہذا القیاس قرآن فصاح و انتقام کی تعلیم
دیتا ہے (بقرہ ۱۹۰ - مائدہ ۴۹ - شوریٰ ۳۴ تا ۳۸ - نحل ۱۴۲ وغیرہ) لیکن کلمۃ اللہ نے
جیسا ہم گذشتہ فصل میں بیان کر چکے ہیں اس قسم کی تعلیم کو باطل قرار دے دیا

ہے: ﴿ر۱۱۹﴾

مجیب | جہاد کا مسئلہ ہم پہلے صفحہ ۳۴ پر لکھ آئے ہیں اور بائبل کی شہادت سے اس کا
ثبوت دے آئے ہیں اور یہ بھی بتا آئے ہیں کہ مسیح نے بھی جہاد کو پسند کیا ہے۔ پھر اگر
بقول پادری صاحب مسیح کلمۃ اللہ نے اس تعلیم کو باطل قرار دیا ہے تو اسلام کو نہیں بلکہ بائبل
مقدس کو باطل قرار دیا ہے حالانکہ پادری صاحب خود ہی لکھتے ہیں کہ :-

اس دنیا میں بائبل مقدس ہی ایک واحد کتاب ہے جو صدیوں سے ہزاروں ملکوں
اور قوموں کے کروڑوں افراد کے نزدیک آج بھی ویسی ہی وقعت کے قابل ہے۔

جیسی وہ اس زمانہ میں تھی جب وہ تحریر میں آئی: ﴿ر۱۲۰﴾

ہاں یہ بات بھی آپ نے سنے سنائے لکھ دی ہے کہ

”جہاد سے غرض لوگوں کو جبیر مذہب میں داخل کرنا ہے“

ایسا کہند بالکل غلط ہے۔ قرآن شریف میں صاف ارشاد ہے لَا تَدْرَاكَ فِي الدِّينِ
یعنی دین میں کسی پر کسی قسم کا جبر بائز نہیں ہے۔

اسی طرح آپ کا یہ کہنا کہ لوٹ کے مال پر قبضہ کرنے کی غرض سے جہاد کا حکم دیا گیا۔ بالکل
غلط ہے۔ جہاد سے مقصود یہ ہے کہ کفار کی طرف سے اہل اسلام پر جو ظلم رول کرکھا گیا ہو اس
کو دفع کرنے کے لئے حکومت الہیہ قائم کی جائے جس کو آج کل کی اصطلاح میں پورن سوراہ
یا مکمل آزادی کہتے ہیں جس کے لئے آج کل ہندوستان سخت بالفشانی اور سر فرودشی کا
مظاہرہ کر رہا ہے۔ اس جدوجہد میں مسیحی لوگ بھی شامل ہیں۔

مالِ غنیمت کی بابت بائبل مقدس کا ارشاد سنئے! حضرت موسیٰ کا حکم ہوتا ہے:-
”جب تو کسی شہر کے پاس اس سے لڑنے کے لئے آہنچے تو پہلے اس سے صلح کا پیغام
کہہ تب یوں ہوگا کہ اگر وہ تجھے جواب دے تو صلح منظور اور دروازہ تیرے لئے کھول
دے تو ساری خلیق جو اس شہر میں پائی جائے تیری خراج گزار ہوگی اور تیری خدمت
کرے گی۔ اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے جنگ کرے تو تو اس کا محاصرہ
کر۔ اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضے میں کر دے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو
تلوار کی دھار سے قتل کر۔ مگر عورتوں اور لڑکوں اور مویشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو
اس کا سارا لوٹ اپنے لئے اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے
خدا نے تجھے دی ہے کھا پو، راستننا بابت: ۱۰ تا ۱۱

مجیب | دیکھئے اس اقتباس میں زیر خط الفاظ کس صفائی سے مالِ غنیمت کو مباح (جائز)
قرار دے رہے ہیں۔ ہم نے یہ الفاظ مسیحیوں کی شائع کردہ بائبل سے نقل کئے ہیں۔ کیا
مسیحی حضرات نے یہ الفاظ بائبل سے خارج کر دیئے ہیں تو نئی بائبل کا ایک نسخہ ہیں
بھی بھیج دیں۔

قرآن مجید نے مسلمانوں کو جو حسبِ ضرورت جہاد کا حکم دیا ہے آج ساری دنیا یورپی
دیشبائی قومیں اپنی اپنی اغراض کے ماتحت اس پر عمل کر رہی ہیں کیا اچھا ہو کہ پادری صاحب
یورپ جا کر اٹلی کے پوپ کے ہمراہ ہو کر ان لڑنے والی قوموں کو رٹائی سے منع کریں مگر

وانگی سے پہلے اپنے پرانے سے میل ملاقات کر لیں۔ کیوں؟ سے
 پہنچ کر کے وہیں کے ہونہ رہنا کوئی جا کر کے کہہ دے نامہ سے
 وجود اسلام کا دامن جہاد کے مسئلہ میں ان بدنام دھبوں سے بالکل پاک ہے جو آج کل یورپ
 ایشیا کی جنگجو اقوام کے دامن پر نظر آ رہے ہیں کہ نہ عورتوں کو چھوڑا جاتا ہے نہ بچوں کو نہ بڑوں
 کو نہ بیماروں کو۔ اس کے برخلاف اسلامی تعلیم جہاد کے متعلق یہ ہے۔

خَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا رِبًّا (ع)

ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو
 پادری برکت اللہ صاحب نے خدا جانے کس نیت سے (بھول کر یا حق کی عداوت کی وجہ
 سے) قرآنی حکم قصاص پر بھی اعتراض کیا ہے۔ قصاص بدلہ لینے کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید نے
 قصاص کے مسئلہ میں تورات کو بھی شامل کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ
 وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ
 قِصَاصًا (پ - ع)

ہم نے نبی اسرائیل کو تورات میں حکم دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ
 اور کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور زخم بھی قابل بدلہ ہیں۔

اگر پادری صاحب حق کے متلاشی ہوتے تو ہم سے پوچھتے کہ اس حکایت کا محکم سنہ تورات میں
 کہاں ہے؟ گروہ ایسا کیوں کرتے جب کہ ان کو تحقیق حق سے غائب ہی نہیں ان کو ذرا بقول
 سے مجھے تو ہے منظور مجھوں کو لیسے نظر اپنی اپنی پسند اپنی

مسیحیوں میں سچیت کی تفصیلت کا اظہار منظور ہے خیر وہ جانیں اور ان کا کام ہم تو اپنا فرض
 اولیٰ دیتے ہیں۔ قرآن مجید کے حوالے کا ثبوت درج ذیل ہے ملاحظہ فرمائیے۔

جو انسان کو مار ڈالے گا سو مار ڈالا جائے اور جو کوئی حیوان کو مار ڈالے گا وہ اس کا مثل
 حیوان کے بدلے حیوان دے اور اگر کوئی اپنے ہمارے کو چوٹ لگانے سو جیسا کر گیا
 ویسا ہی پاٹے۔ تورات نے کے بدلے توڑنا آنکھ کے بدلے آنکھ دانت کے بدلے

دانت۔ جیسا کوئی کسی کا نقصان کرے اس سے ویسا ہی کیا جائے اور وہ جو حیوان کو مار ڈالے اس کا بدلہ دے وہ جو انسان کو مار ڈالے جان سے مارا جائے۔

(کتاب اجارہ باب ۲۲: ۱۷ تا ۲۱)

اسی کے ساتھ ہی حضرت مسیح کا ارشاد ذیل بھی سن لیجئے۔

”میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک ثلوثہ تورات میں ہرگز نہ مٹے گا۔ جب تک سب کچھ پورا نہ ہو۔ پس جو کوئی ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے حکم کو ٹال دیوے اور ویسا ہی آدمیوں کو سکھادے دچاہے سکھانے والا کوئی بڑا پادری ہے وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا۔“

(متی باب ۵: ۱۸ تا ۱۹)

ناظرین! قرآن، تورات اور انجیل کے حوالہ ہاتھ مرفومہ پڑھ کر پادری صاحب کی جرات ملاحظہ کیجئے۔ کس دلیری سے لکھتے ہیں کہ ”کلمۃ اللہ نے اس قسم کی تعلیم کو باطل قرار دیا ہے“ مگر یہ نہ سوچا کہ ہمارا یہ حملہ صرف قرآن پر نہیں بلکہ تورات، انجیل اور صحف انبیاء سب پر ہے۔ حیرت ہے کہ آپ مسیحیت کو عالمگیر ثابت کرتے ہوئے قصاص کے حکم کو باطل قرار دے رہے ہیں کیا دنیا کے ممالک متحدہ ایسی مسیحی تعلیم کو جو قصاص و انتقام کے خلاف ہو منظور کر لیں گے عا شاؤ کلا کیا خوب قرآنی معجزہ ہے کہ پادری صاحب خود ہی اپنے مدعا مقصود کے خلاف لکھتے جا رہے ہیں کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

الجھابے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

آگے آپ صفحہ ۱۰۹ پر لکھتے ہیں۔

”عورات کی حیثیت کے متعلق احکام قرآن میں پائے جاتے ہیں (نساء ۲۳ تا ۲۸۔ بقرہ ۲۲۳

وغیرہ) یہ احکام عرب جاہلیت کو سدھارنے کی خاطر وضع کئے گئے تھے۔ ان میں سے جو

مداقت کے پہلو ہیں وہ بدرجہ احسن انجیل جلیل میں موجود ہیں جیسا کہ ہم اس باب کی

فصل اول میں ذکر کر چکے ہیں لیکن قرآنی تعلیم کے ناقص پہلو مثلاً تعدد ازواجی،

طلاق وغیرہ (نساء آیت ۳ - بقرہ ۲۳۰ و ۲۳۱ وغیرہ) صرف خاص ملک توہم اور طبقہ کے ساتھ ہی تعلق رکھ سکتے ہیں اور ان کے اصول کا اطلاق کل دنیا کے ممالک و اقوام پر نہیں ہو سکتا لہذا یہ تعلیم عالمگیر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور یہی وجہ ہے کہ مسیحیت ان تمام ناقص غیر مکمل اور باطل عناصر سے پاک ہے (صفحہ ۱۹)

پادری صاحب نے فصل اول کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے وہ درج ذیل ہے :-
 • کلمۃ اللہ کے زمانے میں جنسی تعلقات کا فیصلہ مردوں کے ہاتھوں میں تھا۔ تمام روٹے زمین کی عورتوں کی قسمت کی باگ ڈور مردوں کے ہاتھ میں تھی۔ دیگر مذاہب عالم یہ فرض کر لیتے تھے کہ عورت ذات کو کسی نہ کسی کے قبضے میں ہونا ضرور ہے۔
 منومرتی کی طرح ان مذاہب کے مطابق عورت کا بچپن، عالم شباب فرض ہے کہ اس کی زندگی کی تمام سزائیں آدمیوں کے ہاتھوں میں تھیں اور یہ ضروری خیال کیا جاتا تھا کہ جس طرف مرد ان کی باگ ڈوریں وہ چلیں۔ یہ کبھی کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آیا تھا کہ عورت کا وجود کسی مرد کے حوالہ نکاح میں آئے بغیر ممکن ہو سکتا ہے۔ دنیا کے تمام غیر مسیحی مذاہب یہ فرض کر لیتے ہیں کہ اس دنیا میں عورت کا وجود اس واسطے ہے کہ وہ کسی کی منکوحہ بیوی ہو کہ اپنی زندگی بسر کرے۔ وہ توہم اور ملک کے لئے بچے پیدا کرنے کی مشین خیال کی جاتی ہے۔ مسیحیت ہی اکیلا واحد مذہب ہے جس میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ عورت بغیر نکاح کے اور بغیر مال منقولہ متعمور ہوئے اپنی زندگی عزت کے ساتھ بسر کر سکتی ہے۔ ایک نودخ کتاب ہے کہ مسیحیت کا بڑا معجزہ یہ ہے کہ اس دنیا میں ایک کنواری عورت دستِ العمر کنواری رہ سکتی ہے۔ کلمۃ اللہ کی طفیل عورت بذاتِ خود ایک مستقل ہستی ہو گئی ہے۔ وہ خود غرض انسان کے جنسی تعلقات کو پورا کرنے اور اس کی شہوت کا آئینہ نہیں رہی بلکہ وہ مرد کی طرح خدا کی فرزند بن گئی ہے اور مرد کے ساتھ خدا کی بادشاہت کی ہم میراث ہو گئی ہے اور مسیح کے ساتھ رومانی رفاقت رکھنے والی ہو گئی ہے اور مرد کے بدن کی طرح عورت کا بدن بھی روحِ اقدس کا مسکن بن گیا ہے۔ (صفحہ ۱۹)

مجیب | ان عبارتوں میں جو کچھ پادری صاحب نے کہا ہے وہ صرف ان کا زور قلم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید نے عورت کو جو درجہ دیا ہے اس سے پہلے کسی مذہبی کتاب نے نہیں دیا۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ قرآن نے یہ درجہ اس وقت دیا جب کہ ساری دنیا میں عورتوں کو مال موروثہ کی طرح سمجھا جاتا تھا جیسا کہ پادری صاحب نے مسیحی زمانہ کا نقشہ دکھایا ہے۔

بس اب عورت کی حیثیت کے متعلق قرآنی ہدایات سنئے۔ ارشاد ہے:-
 مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ
 حَيَاتًا طَيِّبَةً ط (پ۔ ۱۹ - ع)

کوئی مرد ہو یا عورت جو نیک عمل کرے ہم اس کو پاک زندگی دیں گے
 از دو اجی زندگی کے متعلق ایک جامع ہدایت یہ ہے۔ غور سے سنئے!

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ط (پ۔ ۳)
 (جس قدر حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں اسی قدر عورتوں کے مردوں پر ہیں)

اطلاہ | تورات و انجیل بلکہ وید وغیرہ نے بھی عورتوں کو جس قدر کم درجہ دیا ہے کسی اور کتاب نے اس قدر کم درجہ نہ دیا ہوگا۔ اصولاً عورت کی چار حیثیتیں ہیں۔ کسی کی ماں ہے تو کسی کی بیٹی، کسی کی بہن ہے تو کسی کی بیوی۔ قرآن مجید نے ان چاروں حیثیتوں میں عورت کو ترکہ میت سے مالی حصہ دلایا ہے۔ مگر غیر قرآن کتب نے ان چاروں مراتب میں عورتوں کو اپنے مورثوں کے ترکہ سے محروم رکھا ہے۔

اس پرستم ظریفی | ملاحظہ ہو کہ عورت کو جو بچہ جنم کی تکلیف ہوتی ہے وہ بھی گناہ کی وجہ سے بتائی جاتی ہے نہ اس کے اپنے گناہ سے۔ بلکہ بہت اوپر چل کر مائیں حوا کے گناہ کے سبب عورت کو مبتلائے عذاب کہا گیا ہے چنانچہ بقول مسیحی حضرات آدم و حوا کی نافرمانی کی وجہ سے خدا نے عورت کو جو سزا دی اس کے متعلق موجودہ تورات کے الفاظ یہ ہیں۔

”اس (خدا) نے عورت سے کہا کہ میں تیرے حمل میں تیرے درد کو بڑھاؤں گا اور درد تیرے جنم کے اور اپنے خصم کی طرف تیرا شوق ہوگا اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔“

(پیدائش ۱۶: ۱۳)

ناظرین! کیا مزید ارباب تھے اور کیا انصاف ہے۔ اسی کو کہتے ہیں۔

کرے ڈاڑھی والا اور پکڑا جائے مونچھوں والا
خدا کی حکم کی خلاف ورزی کرے مائی حوا اور سزا بھگتیں مسجی لیڈیاں۔
ہاں قرآن مجید عورت پر جبر نہیں کرتا کہ وہ ضرور شادی کرے۔ کوئی عورت اگر کنواری
رہنا چاہے تو بے شک رہے مگر اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ایک شادی کی بجائے کئی
ایک خفیہ تعلقات پیدا کریں۔ پس آپ کا یہ کہنا کہ

”دنیا کے تمام غیر مسجی مذاہب یہ فرض کہتے ہیں کہ اس دنیا میں عورت کا وجود اس
واسطے ہے کہ کسی کی منکوحہ بیوی بن کر زندگی بسر کرے۔ وہ قوم اور ملک کے لئے

بچے پیدا کرنے کی مشین خیال کی جاتی ہے۔“ (ص ۱۱)

ہم اس کی تصدیق نہیں کر سکتے۔ ہمارے علم میں کسی مذہب کی تعلیم یہ نہیں ہے۔ ہاں آجکل
اخباروں میں یہ پڑھا ہے کہ:-

جرمنی کے ڈکٹیٹر ہٹلر نے اپنے ملک میں یہ سرکلر جاری کیا کہ

عورت کا کام بچے پیدا کرنا ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔

سو یہ اس سے پوچھنا چاہیے۔ ہم اس کے جواب دہ نہیں ہیں البتہ ہم یہ کہنے سے نہیں
رک سکتے کہ قانون قدرت کی مخالفت کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے بس سمجھ لیجئے کہ آئندہ
قرآن مجید پر اعتراض کرتے ہوئے قانون قدرت کا لحاظ رکھا کریں ورنہ قدرت کی مشین
کسی کا لحاظ نہیں کرتی۔ کسی نیچرل شاعر نے کیا خوب کہا ہے :-

یہ سب کہنے کی باتیں ہیں ہم ان کو چھوڑ بیٹھے ہیں

جب آنکھیں چار ہوتی ہیں محبت آہی جاتی ہے

(نوٹ) عورت کی خفیت کے متعلق مزید بحث کتاب ہذا کے ص ۲۶۹ پر ملاحظہ کریں۔

۱۱۔ بھی عورتیں دروازہ کی تکلیف میں مبتلا ہوتی ہیں۔ پھر ہم نے مسجی ایڈیٹروں کی تخصیص کیوں کی؟ محض

ان کے مذہبی عقیدہ کے لحاظ سے ورنہ خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں۔ ۱۲۔ منہ۔

۱۳۔ آیت کریمہ وَلَا تَتَّخِذُوا لِلدِّينِ حُدُودًا كَمَا كُنْتُمْ تُحَدِّثُونَ كَلِمًا كَثِيرًا ۚ سَاءَ لِمَنْ كَفَرَ بِهِ عَذَابًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ مُّقْتَدِرٌ۔

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں کہ :-

قرآن میں اصول مواعظ صرف مسلمانوں کے دائرہ تک محدود کیا گیا ہے حجرات ۱۰-
 مسیحیت میں اخوت کا اصول بدرجہ احسن موجود ہے (متی ۲۲، ۹، ۲۲، وغیرہ) اس مضمون
 پر ہم گذشتہ فصل میں مفصل بحث کر چکے ہیں۔ صداقت کا وہ عنصر جو قرآن کی تعلیم
 اخوت میں ہے اپنی اعلیٰ ترین صورت میں انجیل شریف میں موجود ہے (یوحنا ۱۳-
 ۱۲-۱۵ وغیرہ) لیکن قرآنی تعلیم میں نقص یہ ہے کہ اخوت کو ایک طبقہ تک ہی محدود
 کر دیا گیا ہے (حجرات ۱۰) اور دوسروں سے دوستی رکھنے سے منع کیا گیا ہے
 (فتح ۲۹- انفال ۷۴- مائدہ ۲۲- ممتحنہ ۸- ۹ وغیرہ) حکمت اللہ کی تعلیم نے اس ناقص
 اور غیر مکمل حد کو توڑ کر نوع انسانی کی اخوت کا سبق دیا ہے (متی ۵: ۴۳- ۴۴)۔ لوقا

۱۰: ۳۷- ۳۸ متی ۱۲: ۵۰ (میں)

مجیب | اخوت کا ذکر بھی کتاب ہذا کے صفحات ۲۱ تا ۲۵ پر آچکا ہے اس سے آگے
 آپ لکھتے ہیں :-

ہم نے اسلام اور قرآن کے اہم اصول پر نظر کر کے دیکھا ہے کہ ان اصول میں جو صداقت
 کے پہلو ہیں وہ سب کے سب مسیحیت میں پاکیزہ ترین صورت میں پائے جاتے ہیں لیکن قرآنی تعلیم
 کے ناقص، غیر مکمل اور باطل پہلوؤں کو مسیحیت میں کہیں دخل نہیں۔ لہذا مسیحیت ان تمام صداقتوں کو
 اپنے اندر جمع رکھتی ہے جو اسلام کی کامیابی کا باعث ہیں لیکن ان تمام اباطل سے پاک ہے جو
 اسلام کی ناکامی کا باعث ہیں۔ ہم نے اس مضمون پر ایک اور کتاب میں مفصل بحث کی ہے
 اور ثابت کیا ہے کہ اسلام ان ناقص اور غیر مکمل عناصر کی وجہ سے عالمگیر مذہب نہیں ہو سکتا
 لیکن چونکہ مسیحی مذہب تمام صداقتوں کا مجموعہ ہے اور اس میں باطل اصول ہرگز دخل
 نہیں پاتے لہذا صرف وہی عالمگیر مذہب ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ (مثلاً)

مجیب | آپ نے قرآن کی جس جس تعلیم پر یہاں اعتراض کیا ہے ہم سب کا جواب دے
 چکے ہیں۔ آپ کی اس مایہ ناز کتاب کا جواب تیسرے باب میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ
 ہمیں پادری صاحب سے سخت شکایت ہے کہ آپ جو دعویٰ کرتے ہیں اس کو

نباتتے نہیں جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ آپ یا تو مدعی کا منصب جانتے نہیں یا بھول جاتے ہیں۔ اس کتاب کا نام آپ نے مسیحیت کی عالمگیری رکھا ہے۔ یہ نام آپ کے دعوے کی تشریح کرتا ہے کہ آپ اس بات کے مدعی ہیں کہ صرف مسیحیت عالمگیر مذہب ہے۔ مگر ہم نے آپ کی جتنی عبارتیں پیش کی ہیں ان سب کا مضمون قرآن مجید پر حملہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنی کتاب کا نام اور منصب یاد نہیں رہا۔ ہاشم دھرم پال بی اے نے رسالہ ترک اسلام لکھا تھا۔ وہ ہر ایک نمبر میں قرآن مجید پر اعتراض کرتا تھا اس کی ہمیں شکایت نہ تھی کیونکہ اس کی کتاب کا نام ہی اس کے دعویٰ کے اظہار کے لئے کافی تھا۔ اس کا منصب یہی تھا کہ قرآن مجید کے نقائص بیان کر کے دکھاتا کہ ان وجوہات کی بنا پر میں نے اسلام کو ترک کیا ہے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا لیکن اس کتاب میں آپ کا منصب مسیحیت کی برتری ثابت کرنا ہے اس لئے اردو سے علم مناظرہ آپ کے اور ہاشم دھرم پال کے منصب میں بہت فرق ہے۔ اگر آپ خود یا آپ کا کوئی مددگار یہ کہے کہ اس رسالہ میں قرآن مجید کا ذکر ہم نے اس لئے کیا ہے تاکہ اس کے مقابلے میں مسیحیت کی عالمگیری ثابت ہو سکے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خیال بھی غلط ہے کیونکہ مسیحیت کی عالمگیری کا مقابلہ ہر ایک دین بلکہ لادینی سے بھی ہے۔ پھر خاص اسلام پر حملہ کرنے سے اصل دعوے کو کیا تقویت پہنچ سکتی ہے۔ ایک آریہ یاد ہتر آپ کے مضمون کو سن کر سنس دے گا۔ ہمارا مطلب یہ نہیں کہ آپ قرآن مجید پر اعتراض نہ کریں بے شک کریں اور جی کھول کر کریں اسی لئے قرآن مجید دنیا بھر کے مخالفین کو لٹکا کر کہتا ہے۔

ہاں تامل دمِ نادرکِ فلکی خوب نہیں

میری چھاتی بھی تیروں کے پھنی خوب نہیں

پادری صاحب اپنا اصل دعوے یوں بیان کرتے ہیں۔

مسیحیت کی جامعیت | مختلف مذاہب کے اصول کے مطابق۔ سے ناظرین پر واضح

ہو گیا ہوگا کہ مختلف مذاہب حتیٰ اور صداقت کے مرتب مختلف پہلوؤں پر بنی ہوئے ہیں

اور باقی پہلوؤں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مثلاً ہندو مذہب ہمہ اوستی عقیدہ کا قائل ہو کر خدا کے رفیع اور بلند و بالا ہونے کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ اسلام میں خدا کے بلند و بالا ہونے پر اس قدر زور دیا گیا ہے کہ خدا اور انسان میں ایک وسیع علیحدگی عظیم حاصل کر دی گئی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر اسلام ایک صداقت پر زور دیتا ہے تو دوسری کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ اگر ہندو مذہب ایک قسم کی صداقت کی تعلیم دیتا ہے تو دوسری قسم کی صداقت کو نظر انداز کر دیتا ہے لیکن مسیحیت میں صداقت کے مذکورہ بالا دونوں عناصر پہلو بہ پہلو ایک ہی نظام میں منظم ہو کر ہم کو نظر آتے ہیں۔ کلمۃ اللہ کی تعلیم کے مطابق خدائے قدوس محبت کا خدا ہے جو بنی آدم سے بلند و بالا بھی ہے اور اپنی ازلی محبت کی وجہ سے ہر فرد بشر کے ساتھ رفاقت رکھتا ہے۔ بدھ مت میں عدل اور انصاف پر بے حد زور دیا گیا ہے۔ لیکن اس مذہب میں محبت کو جو انسان کے دل کو فی الحقیقت بدل دیتی ہے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ مسیحیت میں خدا کی محبت اور خدا کا عدل دونوں پہلو بہ پہلو پائے جاتے ہیں۔ چین کے کنفوشیس کا مذہب دنیوی تعلقات کی پاکیزگی پر زور دیتا ہے لیکن اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتا ہے کہ یہ تعلقات اس ازلی تعلقات کا عکس ہیں جو خدا اور انسان کی ذات سے متعلق ہیں۔ مسیحیت میں ازلی اور دنیاوی تعلقات دونوں پر زور دیا گیا ہے۔ جاپان کا شنتو مذہب حب الوطنی کا سبق سکھاتا ہے۔ لیکن اس مذہب کے نزدیک ملک کی محبت صرف ایک ملک یعنی جاپان تک محدود ہے لیکن مسیحیت صداقت کے اس عنصر کو کامل کر کے تعلیم دیتی ہے کہ ہم نہ صرف اپنے ملک اور قوم کے ساتھ بلکہ تمام ممالک و اقوام کے ساتھ محبت کریں۔ (مثلاً)

محبیب | اس جامعیت کا جواب ہم گذشتہ صفحات (۲۷ تا ۳۱) میں دے چکے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا تعلقے سب کا خالق اور مالک ہے۔ دنیا کی ساری مخلوق اس کے سامنے عاجز و بے چارہ ہے۔ باوجود اس کے خدا اور بندے کے درمیان کوئی علیحدگی نہیں ہے کیونکہ وہ صاف لفظوں میں فرماتا ہے :-

نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۚ هُوَ مَعَكُمْ أَيَّمَا
كُنْتُمْ طَائِفَاتٍ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَعَوِّدٌ رَحِيمٌ

خدا انسان کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے تم جہاں کہیں ہو گے خدا تمہارے

ساتھ ہو گا۔ خدا سب لوگوں کے حال پر مہربان ہے

چین و جاپان کے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے اس کے جواب وہ ہم نہیں بلکہ وہی لوگ ہیں
گو ہم اس اعتراض کو بھی غلط سمجھتے ہیں۔

آگے چل کر آپ فرماتے ہیں :-

”حق تو یہ ہے کہ اریان نام کی مختلف صدائیں صرف سمیت میں ہی جمع ہو کر محفوظ رہ

سکتی ہیں کیونکہ ان مذاہب میں صداقت کا عنصر نظامت کے عناصر کے ساتھ اس قدر

ملا جلا ہوتا ہے کہ صداقت کے عنصر کی ہستی ہمیشہ معرض خطر میں رہتی ہے۔ ان مذاہب

میں صداقت اور نظامت کے عناصر ایک جگہ باہم غلط ملط پاتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی

الہامی کتاب میں ایک صفحہ پر خدا کی قدوسیت کی تعلیم دی گئی ہو اور اس کے لگے

صفحہ پر ایسی باتیں ہوں جو محض اخلاق میں تو صداقت کا عنصر انسان کی زندگی

کو کس طرح متاثر کر سکے گا؟ ان مذاہب میں غلط تصورات کے بادل اور کھلی گٹھائیں

صداقت کے عناصر کی شعاعوں کو چھپا لیتی ہے اور صداقت کی طاقت کمزور پڑ

جاتی ہے اور روحانی تاریکی بچا جاتی ہے۔ (ص ۱۱)

مجیب | یہ اعتراض تو الٹا مسیحیت پر وارد ہوتا ہے کہ ایک طرف تو مسیح کی شخصیت کو

خدا نے مجسم بنا یا جاتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ سب قدرتوں اور طاقتوں کا مالک ہے

اور اس کو دشمنوں کے ہاتھوں چوروں اور ڈاکوؤں کی طرح سولی پر چڑھا یا جاتا ہے جس

پر یہ عاقل آتا ہے۔

سپنے اندر راجہ بھٹو جاگت بھٹو کنگال

مسیح اس عاجزانہ حالت میں صلیب پر لگے ہوئے گویا یہ شعر پڑھ رہے ہیں :-

۱۱ صلیب پر مسیح کی تصویر کتاب ہذا میں ص ۱۲ پر دیکھو۔ ۱۰ منہ

صنف نے غالب نگما کر دیا ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے
بطور تہجیب پادری صاحب لکھتے ہیں:-

کلمۃ اللہ کے اصول کی روشنی میں کل دنیا کے مذاہب اس بات کی سر تڑک کو شش کر
ہے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اپنے اصولوں کی اصلاح کریں۔ ہندو دھرم اب وہ نہیں
رہا جو پچاس سال پہلے تھا۔ اسلامی تعلیم اب وہ نہیں رہی جو پچھلی صدی میں مکتبوں
اور مسجدوں میں منبروں پر سے دی جاتی تھی۔ دقیا نوسی ملاؤں کے و غلوں پر اسلامی
مالک مثلاً مصر، ایران، ترکی وغیرہ میں کوئی صحیح العقل شخص دھیان نہیں دیتا
چین اور جاپان کے مذاہب کا بھی یہی حال ہے۔ مسیحی تصورات نے ان کے عقائد
اور رسوم کی بطلت کو ایسا ظاہر کر دیا ہے کہ ان کے پیرو سحیت سے متاثر ہو کر
ان سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں، (ص ۱۱۱)

مجیب | پادری صاحب ایسے روشنی کے زمانہ میں آپ جیسے تعلیم یافتہ کے علم سے ایسے
الفاظ کا نکلنا عجب العجائب ہے سب سے زیادہ مسیحی مذہب کے حامی زار اور اس
کی رعایا برابری تھی جو ترکی سلطنت کی عیسائی رعایا کی ہمدردی کی آڑے کر ہمیشہ ترکی سے
برسر پیکار رہتے تھے کہ ہم چونکہ عیسائی مذہب کے پیرو ہیں اس لئے ترکی کی عیسائی رعایا
کی اعاد کرنا ہمارا فرض ہے۔ بتائیے آج کل روس میں مذہب کی جو مٹی پیدا ہو رہی ہے وہ
کلمۃ اللہ کے اثر سے ہے؛ اس کے بعد جرمنی میں دیکھئے کہ کیا کچھ ہو رہا ہے۔ وہاں بائبل
کی بجائے کون سی کتاب پڑھائی جاتی ہے۔ پھر اٹلی میں آجیٹے اور دیکھئے کہ پوپ اعظم
جلا رہا ہے اور کوئی اس کی بات نہیں سنتا، پھر فرانس، یونان اور انگلستان کی سیر کیجئے۔
آہ! کلمۃ اللہ کی یہ تعلیم کیسی صاف، سنہری اور چمک دار ہے۔ آپ فرماتے ہیں:-

” میں تمہیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کر بلکہ تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دو اور

بھی اس کی طرف پھیر دے“ (متی باب ۵، ۲۹)

موجودہ جنگ، میں یورپ جو آتش نشانی کر رہا ہے شاید وہ کلمۃ اللہ کی اسی تعلیم
کی روشنی میں کرتا ہوگا۔ دقیا نوسی ملاؤں کو غلط تعلیم کے ترک ہونے سے اسلام کی اصلی

علیم پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔
 ہم نے یورپ کے ان ممالک کی جو مثالیں دی ہیں ان میں کسی دنیانوسی پادری کی
 علیم نہیں چھوڑی گئی بلکہ خود مسیح کلمۃ اللہ کی پاکیزہ تعلیم کے اصول چھوڑے گئے ہیں۔ اسی
 طرح پادری صاحب نے یہ کیا معقول فقرہ فرمایا ہے کہ۔

کلمۃ اللہ کی تعلیم نے ہندوستان کو اس قدر متاثر کر رکھا ہے کہ ہندو اور مسلمان
 اپنے اپنے مذہب کی کانٹ چھانٹ کر کے ان کو مسیحی تصورات کے مطابق
 کرنے کی کوشش میں مشغول ہیں۔ (۱۱۵)

مسیحی مذہب کا اعلیٰ تصور اور بنیادی پتھر مسیح کی شخصیت (الوہیت) ہے جس کا ذکر آپ نے
 بار بار سینکڑوں صفحات پر کیا ہے کیا مسلمان اس تصور کی روشنی کو تسلیم کر چکے ہیں۔ ہم نے
 جہاں تک دیکھا اور دیکھ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ مسلمان علی الاعلان کہتے ہیں۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ (ع)

(کافر ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے)

معلوم نہیں آپ کو ایسے مسلمان کہاں ملے ہیں جو مسیحی مذہب کی روشنی میں اسلامی تعلیم
 کی کانٹ چھانٹ کر رہے ہیں۔ البتہ ہم اس کتاب کے تیسرے باب میں دکھائیں گے
 کہ بعض اشخاص جو مخالف اسلام تصنیفات کے مصنف ہیں آیت موصوفہ (لقد كفر
 الذين) کی تصدیق کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

آگے چل کر پادری صاحب فرماتے ہیں۔

ہم نے اس رسالہ کے باب اول میں لکھا تھا کہ عالمگیر مذہب کے لئے ضروری
 ہے کہ اس کا بانی ایک عالمگیر نمونہ ہو۔ نوع انسانی کی زندگی کو تبدیل کرنے کے

لئے ایک کامل انسانی نمونہ کی ضرورت ہے (۱۱۶)

مجیب بالکل ٹھیک اور مولہ آنے صحیح ہے۔ اس کے ساتھ اپنا یہ فقرہ
 بھی ملا لیجئے۔

جب ابن الشماں دنیا سے آسمان پر صعود فرمائے تو آپ ورثہ کے طور پر اپنے

پیچھے کوئی کتاب نہ چھوڑ گئے۔ جو اصول پر مشتمل ہو بلکہ آپ نے مسیحی کلیسیا کو ورثہ کے طور پر اپنا کامل اور اکمل نمونہ دیا (ص ۱۱۸) باقی تمام مذاہب اپنی دینی کتب کو پیش کرتے ہیں جو مختلف اصولوں کا مجموعہ ہیں۔ لیکن مسیحیت کسی کتاب یا اصول پر مشتمل نہیں۔ اگرچہ اس کے اصول اعلیٰ و ارفع اور ہمہ گیر ہیں۔

مسیحیت کا تمام دار و مدار کلمۃ اللہ کی زندہ شخصیت پر ہے (ص ۱۱۸)

مجیب اہم پادری صاحب کے شکر گزار ہیں کہ وہ اس بحث کو اب مرکز پر لے آئے ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ مسیحیت مروجہ کا مدارِ کاریح کی شخصیت ہی ہے۔ اگر پوچھو کہ کاریح کی شخصیت کیا ہے، تو اس کا جواب ہم اپنے لفظوں میں نہیں بلکہ پادری صاحب ہی کے اصل الفاظ میں بتاتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ:-

’برزخ کبریٰ اور انسان کامل اور منظر جامع صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو کہ کامل خدا اور کامل انسان ہو۔ صفات قدیمہ الہیہ اور صفات ممکنہ انسانیہ کے ساتھ متصف ہو۔ کیا اہل اسلام آنحضرت میں ان صفات کا وجود مانتے ہیں؟ ہرگز نہیں کیونکہ نبی اسلام کو منظر ذات قرار دینا اصول اسلام کو بدنا ہے۔ لیکن ربنا المسیح ان تمام اوصاف سے متصف ہیں اور وہ آپ میں انسب اور اکمل طور پر موجود ہیں۔ (ریو حنا ۱۰ : ۳۰ ص ۱۲۹)

اسی مضمون کو عیسائیوں کے رسالہ ’نحوت‘ لاہور نے ذرا واضح الفاظ میں بیان کیا ہے

’لہ قرآن مجید میں حضرت مسیح کو جو انجیل ملنے کا ذکر آتا ہے عیسائی لوگ اس کے ثبوت میں آیات قرآنیہ پیش کر کے کہا کرتے ہیں کہ دیکھو قرآن میں مذکور ہے اَتَيْنَاكَ الْاِنْجِيلَ (خدا نے مسیح کو انجیل دی) مسلمان عیسائیوں کے جواب میں پادری برکت اللہ صاحب کا یہ منقولہ پیش کر دیا کریں کہ مسیح نے کوئی کتاب نہیں چھوڑی۔ یہ چار کتابیں حقیقتہً مسیح کے حواریوں کی تصنیفات ہیں۔ ہم پادری صاحب کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے مسلمانوں کا یہ بوجھ ہلکا کر دیا (مجیب)

چنانچہ لکھا ہے کہ :-

”مسیحی مذہب نے نہایت ہی وضاحت اور بے باکی کے ساتھ یہ تعلیم دی ہے کہ خدا نے انسانی شکل اختیار کی۔ انسانوں کے درمیان خمیہ زن ہوا اور اپنے جگہ الہی اوصاف کا کامل مظاہرہ یسوع ناصری میں ہو کر کیا“

(اخوت لاہور بابت دسمبر ۱۹۴۰ء ص ۲۳)

مجیب | ان دونوں عبارتوں پر غور کر کے ہمارے دل میں یہ بات آئی کہ ہم یسوع مسیح کے الہی اوصاف کا نمونہ تصویر کی شکل میں دکھائیں۔ کیونکہ الفاظ کی شکل میں مفصل بحث ہمیں کتاب میں ص ۵۵ سے ص ۶۳ تک کر چکے ہیں۔

مثلاً سر لوگ اپنا ذلی جذبہ اور محبت اکثر اوقات لفظوں میں بیان کیا کرتے ہیں۔ مگر گاہے گاہے مصوروں سے تصویر کشی کی درخواست کرتے ہوئے کہا کرتے ہیں :-

مصوّر کھینچ وہ نقشہ جس میں یہ رسائی ہو

ادھر تلوار تمھیں پی ہو ادھر گردن جھکا ئی ہو

اسی بنا پر ہم بادل نخواستہ بقول نصاریٰ مسیح کی شخصیت الہیہ کا خوفناک انجام تصویر میں دکھاتے ہیں یہ تصویر خود عیسائیوں نے شائع کی ہوئی ہے۔

اعتذار | مسلمان ناظرین ہمیں معاف رکھیں کیونکہ ہم ایک کردہ فعل کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ اسلامی حیثیت سے ہماری مثال اس مصلح کی ہوگی جو دو شخصوں کے درمیان صلح کرتا ہو اور خود کو مصلحت آمیز بات کہہ دیتا ہے۔

انجیل متی میں لکھا ہے کہ:

یسوع مسیح کو صلیب پر چڑھایا گیا۔ اس کے ہاتھوں کو تختے کے بالائی حصے کے ساتھ ملا کر میخیں گاڑی گئیں اور اس کے سر پر کانٹوں کا تاج پہنایا گیا۔ اس حالت میں اس نے نہایت عاجزی و زاری کے ساتھ چلا کر

جان دی (انجیل متی باب ۲۷)

جس کا نقشہ اگلے صفحے کی تصویر دیکھنے سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔

بالصاف ناظرین اگر اس تصویر کو غور سے ملاحظہ فرمائیں گے تو ہماری اس آواز سے متفق ہوں گے کہ ہم حسبِ مضمون آئیہ کہ *میرا لا اِحِبُّ الْاَخِلِيْنَ* ایسی کم ضرور شخصیت کو خدا کی کے لئے پسند نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہمارا یقین ہے کہ کوئی بھی اہل بصیرت اس کو پسند نہیں کرے گا۔ اسی لئے مسیحی رسالہ اخوت کے فاضل ایڈیٹر نے انجیل سے مسیح کا قول نقل کیا ہے اور باپ ایک ہیں۔ نقل کر کے نہایت راستی سے اس پر ان الفاظ میں ریمارک کیا ہے:-

بلا ریب اس قسم کے بیانات نہایت وحشت انگیز اور لرزہ خیز ہیں اور آج

بھی انہیں سن کر اہل دنیا کے دلوں میں (مسیحیت سے) کچھ کم کراہیت اور

نفرت پیدا نہیں ہوتی۔ (اخوت لاہور بابت جنوری ۱۹۳۷ء ص ۱)

مجیب | معاصر اخوت کا یہ ریمارک بالکل ٹھیک ہے کیونکہ باوجود اختلاف ملک زبان اور معاشرت کے ہر ایک قوم بلکہ ہر ایک شخص کا خدا کی نسبت یہ یقین ہے کہ

سہ پناہ بندی و پستی توئی ہمہ ستند آنچه ہستی توئی

قرآن شریف نے خدا کی بہت سی صفات بیان کی ہیں مگر ایک آیت میں ایک ہی صفت ایسی بیان کی ہے جس پر سارا مدار ہے اور اسی صفت پر الوہیت کو متفرع کیا ہے۔ ارشاد ہے:-

هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا يَأْتِيهِ سِنٌ وَلَا نَوْمٌ لَّيْسَ كَمِثْلٍ شَيْءٍ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ (سورۃ البقرہ - ۲۵۵)

خدا تعالیٰ ازلی ابدی طور پر زندہ ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں

ہے۔ کوئی مسلمان بلکہ کوئی عقلمند انسان ایسی ہستی کو خدا نہیں مان سکتا جو چلا کر جان دے

مولانا حالی مرحوم نے اس مضمون کی ایک رباعی کیا ہے اچھی لکھی ہے سہ

ہستی سے ہے تیری رنگ و بوسب کیلئے طاعت میں ہے تیری آبر و سب کے لئے

ہیں تیرے سوا سارے مہارے کمزور سب اپنے لئے ہیں اور تو سب کیلئے

۱۲۱
لے میرے خدا سے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔

(مقولہ مسیح درآخیل)



(یسوع مسیح صلیب پر)

ع دیکھئے مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہے

ناظرین کرام! باتیں کرنے کو تو بہت ہیں جو انسان کر سکتا ہے اور قلم بھی چلا سکتا ہے لیکن مرکزی لفظ ایک ہی ہوتا ہے جس سے دانا لوگ ر مزیا جاتے ہیں باقی سب زبانی میر پھیر ہوتا ہے۔

حکایت ماضیہ | میر عبدالرحمان خاں مرحوم والی کابل فرزند روزگار تھے۔ ہم نے ان کی زندگی میں ان کی بابت ایک حکایت سنی تھی کہ کسی شخص نے ان کی عدالت میں دعویٰ دائر کیا کہ فلاں شخص کے پاس میں نے اتنا روپیہ امانت رکھا تھا اور وہ واپس نہ دیتا۔ عدالت کی طرف سے مدعا علیہ کو طلب کیا گیا۔ اپنے بیان میں اس نے روپیہ لینے سے انکار کیا۔ اس پر مدعی سے گواہ طلب ہوئے۔ اس نے کہا حضور! جس پٹر کے نیچے میں نے اس کو روپیہ دیا تھا وہی گواہ ہے اس کے سوا اور کوئی گواہ نہیں ہے؟ امیر موصوف نے بظاہر غصے کے لہجے میں مدعی سے کہا کہ جاؤ اسی پٹر کو گواہ لاؤ اور مدعا علیہ کہا کہ میں بیٹھے رہو۔ مختصر می دیر کے بعد آپ نے مدعا علیہ سے پوچھا کہ وہ اس پٹر کے پانچ بیچ گیا ہر گاہ مدعا علیہ نے کہا نہیں جناب! وہ پٹر بہت دور ہے یہ جواب سن کر امیر موصوف حقیقت حال سمجھ گئے اور آپ نے فوراً اسے کو تلاش کرایا۔ جب وہ واپس آ گیا تو اس سے کہا۔ تیری اس پر ڈگری ہو گئی ہے۔ کیوں ہوئی؟ اس لئے ہوئی کہ مدعا اتنا تو جانتا ہے کہ وہ پٹر بہت دور ہے۔

یہ ہے فرزانگی۔ اسی فرزانگی کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میں ان ڈوبنے والوں کو خدائی کے لئے پسند نہیں کرتا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو ڈوبنے یا تنزل کرنے والوں کو خدائی کے لئے پسند نہیں کیا تھا ہم ان کے اتباع پر کو مرنے والوں کو کیسے خدا مان سکتے ہیں جس حال میں کہ خدا کے متعلق ہمارا عقیدہ راسخ ہے

نہ تجھے دوست کی حاجت ہے نہ اندیشہ دشمن

نہ تجھے کام ہے عشرت کے نہ تھیوہ تیرا شیون

نہ تجھے چاہیے ماویٰ نہ تجھے چاہیے مسکن

بری از خوردن و خفتن بری از تہمت مردن

بری از بیم و امید بری از رنج و بلائی (ظفر شاہ دہلی)

قرآن مجید نے دنیا کے لوگوں کو جس خدا کی طرف بلا یا اس کا وصف اعلیٰ تعالیت، کمال
ن کیا۔ پھر اس وصف کو دوسرے معبودوں سے پورے طور پر منفی کر کے حقیقتِ حال پر
اطلاع دی۔ غور سے سنتے!

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ
غَيْرِ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاقْنِي
تَوَفَّكُونَ ط (پ - ۱۲ - ع)

اے لوگو! اپنے مال پر اللہ کی مہربانیاں یاد کرو کیسا اللہ کے سوا کوئی اور
معبود ہے جو تم کو اوپر (بادلوں) سے اور نیچے (زمین) سے رزق دیتا ہے۔
کوئی نہیں کیونکہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں (جو ایسا کر سکے) پھر تم کہاں
بہکاتے جاتے ہو!

میرے سوا غیروں سے تعالیت کی نفی کرنے کو فرمایا۔

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ
يُخَافُونَ ۚ أَمْ أَوْلَاءُ غَيْرِ أَحْيَاءٍ ط وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ
يَبْعَثُونَ (پ - ۱۳ - ع)

وہ جن معبودوں کو یہ مشرک لوگ پکارتے ہیں وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ بلکہ
محل موت ہیں (بعض مرچکے ہیں اور بعض مر جائیں گے) دائم الحیات نہیں ہیں وہ
یہ بھی نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد کب اٹھائے جائیں گے!

یہ ہے خدائے برہمنی کے متعلق اسلامی تعلیم کہ وہی ہمیشہ سے ہمیشہ تک زندہ ہے اور ساری مخلوق
کو زندگی بخشتا ہے جس میں یہ صفت نہیں ہے وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے قرآن مجید میں صبح
علیہ السلام اور ان کی والدہ کے متعلق ارشاد ہے :-

كَانَ يَأْكُلُ مِنَ الطَّعَامِ ط (پ - ۱۴ - ع)

ایسے اور اس کی ماں کھانا کھا پارتے تھے۔ یعنی غذا کے محتاج تھے،

پھر معبود کیسے ہوئے؟ ایسی واضح حقیقت پر اظہارِ تعجب کرتے ہوئے فرمایا۔

مَدْرُ كَيْفَ نَبِّينَ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انظُرْ اِلَى يَوْمِكَوْنٍ (پ-ع) ۱۴

رد کیجئے ہم کس طرح لوگوں کے لئے اپنے دلائل بیان کرتے ہیں۔ پھر دیکھیں
کو معبود ماننے والے کس طرح بہکائے جلتے ہیں)

اسی مضمون پر تفریح کرنے کو حضرت پیغمبر اسلام علیہ السلام نے فرمایا تھا۔
لا تظرونی کما اطرت النصارى عیسیٰ ابن مریم انما انا

عبد اللہ ورسولہ (المحدث)

جس کا مطلب مولانا حالی مرحوم نے اپنی مسدس میں یوں ادا کیا ہے
نصاری نے جس طرح کھایا ہے دھوکا کہ سمجھے ہیں عیسیٰ کو بیخدا کا
مجھے تم سمجھنا نہ زہار ایسا میری حد سے زہر بڑھانا نہ میرا

سب انسان ہیں داں جس طرح سرنگندہ

اسی طرح ہوں میں بھی اک اس کا بندہ

ناظرین کرام! یہ ہے اسلام اور مسیحیت کی تعلیم۔ اب اس امر کا فیصلہ کہ کون سا مذہب اہل عقل
کے نزدیک قابل قبول ہے اور کون سا قابل ترک۔ آپ لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔

پادری صاحب! ہ

میرے دل کو دیکھ کر میری ذکا کو دیکھ کر

بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

اگر کوئی انسان صالح اعمال کرے گا تو اس کا اجر پستے گا (حزقی ۱۵ - سورۃ بقرہ ۲۲ و ۲۳)
 سورۃ نساء ۱۲ وغیرہ)۔ اگر وہ اعمال بد کا ترکیب ہوگا تو اس کو سزا ملے گی (یوسف ۱۱ - سورۃ
 طہ ۷۶ - قمر ۴۸) (مسیحیت کی عالمگیری ص ۲۱۱)

محبوب | احکام شرعیہ پر عمل کرنے کی تاکید صرف موسوی شریعت (تورات) اور اسلامی شریعت
 قرآن ہی سے مخصوص نہیں بلکہ مسیح بھی یہی فرماتے ہیں۔
 اگر تم مجھ سے پیار کرتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو (یوحنا ۱۴: ۱۵)
 بلکہ آپ نے یہاں تک فرمایا کہ :-

”پس جو کوئی ان چھڑے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو
 سکھائے گا۔ وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا۔ لیکن جو ان پر
 عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دیکھا وہ آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائے گا۔ (متی ۵: ۱۹)
 معلوم نہیں کہ مسیحیوں کو حضرات انبیاء خصوصاً مسیح سے بلکہ خود خدا سے کیا ضد ہے کہ احکام
 شرعیہ کو بے کار اور فضول قرار دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں بلکہ بقول مقدس
 پرلوں شریعت کو لعنت قرار دیتے ہیں (گلتیوں ۲: ۱۳)

اس سے آگے پادری صاحب اپنا مافی الضمیر ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
 لیکن یہ مذاہب اور دیگر مذاہب عالم گنہگار شخص کو کوئی مؤثر طریقہ نہیں بتلاتے جس سے
 وہ اپنے گناہوں پر فتح حاصل کر سکے۔ یہ مذاہب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس دنیا
 میں اور روحانیت کی دنیا میں مغائرت ہے لیکن کوئی ایسی راہ نہیں بتلاتے جس
 سے یہ مغائرت دور ہو سکے۔ وہ روحانی دنیا کے قوانین اور احکام کی تلقین کرتے ہیں
 لیکن کوئی وسیلہ نہیں بتلاتے جس سے انسان گناہ اور بدی کو ترک کر کے نیکی کی راہ
 کو اختیار کرنے کے قابل ہو جائے۔ وہ صرف یہ تاکید کرتے ہیں کہ ایک کو ترک کرو
 اور دوسرے کو اختیار کرو۔ لیکن ان میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ گنہگار انسان کو قوت
 عطا کریں اور انسان ضعیف البنیان کو طاقت عطا کر کے اس قابل بنادیں کہ وہ اپنی
 اعلیٰ ترین آرزوؤں اور منگوں پر عمل کر سکے۔ وہ نجات کے راستہ کی طرف انگلی سے

اشارہ کرتے ہیں۔ لیکن تشکے مانندے کمزور اور نڈھال راہرو کو یہ طاقت اور توفیق عطا

نہیں کرتے کہ وہ اس شاہزہ پر چل سکے۔ (ص ۲۰۷)

محبیب | پادری صاحب کا یہ کلام نہ صرف اسلام کے خلاف بلکہ کل انبیاء علیہم السلام کی متفقہ تعلیم کی تردید کرتا ہے جو انہی کی بائبل میں بصورت صحف سابقہ موجود ہے۔ خیر ہمیں اس سے مطلب نہیں۔ آپ جانیں اور آپ کا اعتقاد۔ ہاں ہمیں اس بات کا افسوس ضرور ہے کہ آپ نے قرآن مجید سمجھنے پر کافی دقت نہیں لگایا۔ آپ کے اس شبے کو قرآن مجید نے کئی جگہ حل کیا ہے لطف یہ ہے نہایت مختصر لفظوں میں حل کیا ہے۔ مثلاً فرمایا ہے:-

(۱) وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا رَبِّ اعْبُدْ

(۲) فَاَمَّا مَنْ اعطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنِيْرًا لِلْمُبْسَىٰ رَبِّ اعْبُدْ

(۳) اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ رَبِّ اعْبُدْ

ان سب سے مختصر اور موثر ارشاد یہ ہے:-

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ، وَمَنْ يَكْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

شَرًّا يَرَهُ (پ - ص ۲۰)

غور کیجئے! اس آیت میں کیسے موثر طریق سے انسان کو نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی راہ دکھائی گئی ہے۔ اگر ایسی ہدایات کر بھی کوئی شخص اپنے لئے کافی سمجھے تو اس کے حق میں کہا جائیگا

۵ اگر صد باب حکمت پیش تاواں بخوانی

آیوش باہمیہ درگوش

۱۷ جو لوگ ہمارے دین میں کوشش کریں گے ہم اپنا راستہ ان کو دکھائیں گے۔ ۱۷ منہ

۱۸ جس شخص نے خدا کی راہ میں دیا اور پرہیزگاری اختیار کی اور اچھی باتوں کی تصدیق کی تو بہت جلد ہم

اس کو آسانی کی توفیق دیں گے۔ ۱۷ منہ

۱۹ اللہ تعالیٰ مومنوں کا والی ہے۔ ان کو کفر و شرک سے کاندھیروں سے نور ہدایت کی طرف راہنمائی کرتا ہے

۲۰ جس شخص نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی۔ وہ اسے دیکھے گا اور جس نے ذرہ بھر بدی کی ہوگی۔ وہ

اسے دیکھے گا۔ ۱۲ منہ

پادری صاحب اس مضمون کی مزید شرح کرتے ہوئے حسب عادت خوب طویل فرماتے ہیں۔ چونکہ ان کا مضمون ناظرین تک پہنچانے میں ہمیں نخل نہیں۔ اس لئے ہم ان کا اصل کلام نقل کر دیتے ہیں۔

سطور بالا سے ظاہر ہو گیا ہوگا کہ مجرد اصول اس قابل نہیں ہوتے کہ کسی گنہگار انسان کی قوت ارادی کو از سر نو بحال کر سکیں۔ اصول بظاہر خوب صورت نظر آتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے اندر یہ طاقت نہیں رکھتے کہ جس شخص کی قوت ارادی سلب ہو چکی ہے اس میں نئی جان ڈال دیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی شخص کی حادثہ کی وجہ سے ٹانگ ٹوٹ گئی ہو اور وہ نیم جان ہو کر سڑک کے درمیان مجبوری اور لاچارگی کی حالت میں پڑا ہو اور سڑک پر ایک موٹر بے تحاشا اس کی جانب چلی آتی ہو تو اگر تماشائی بربے سڑک کھڑے ہو کر اس کو چلا چلا کر آنے والے خطہ سے آگاہ کرنے پر ہی اکتفا کریں تو اس غریب کو کیا فائدہ ہوگا؟ اس کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہے۔ وہ چل پھرتو درکنار چل نہیں سکتا۔ اس کی آنکھ تیز رفتار موٹر کو دیکھ رہی ہے لیکن وہ لاچار پڑا ہے۔ موت اس کو سامنے نظر آرہی ہے۔ اس کو تماشائیوں کی آگاہی کی ضرورت نہیں۔ وہ آیوا کے خطہ سے خود آگاہ ہے۔ اس کو کسی نذیر کی ضرورت نہیں بلکہ اس کو اس بات کی ضرورت ہے کہ تماشائیوں میں سے کوئی شخص اس سے ایسی محبت رکھے کہ وہ اس کی خاطر اپنی جان کی پروا نہ کرے اور موٹر کے پہنچنے سے پہلے اس کو سڑک پر سے اٹھا کر سلامتی کی جگہ پر لے جائے۔ اسی طرح ہر گنہگار جو گناہ کی غلامی میں لاچار اور گرفتار ہے۔ جانتا ہے کہ اس کا حشر کیا ہوگا۔ بلکہ اس کو اس بات کی ضرورت ہے کہ کوئی اس کی مدد کرے اور اس کی قوت ارادی کو جو سلب ہو گئی ہے۔ از سر نو تقویت دے۔ دیگر مذاہب میں یہ اہمیت ہی نہیں ہوتی کہ گنہگار انسان کو اعمال صالح کی تحریک و ترغیب دے سکیں۔ اس سے پیشتر کہ وہ اعلیٰ اصول پر عمل کر سکے۔ یہ لازم ہے کہ اس میں اس قسم کی تحریک پیدا ہو جائے جو ان اصول پر چلنے کی خواہشمند ہو۔ عالمگیر مذہب کے لئے ضروری امر ہے کہ وہ گنہگار انسان کی ضرورت

قوتِ ارادی میں از سر نو زندگی کی روح چھوٹک دے اور اپنی قدرت سے اس کو قوت عطا کرے۔ گنہگار انسان اپنی عادت سے مجبور ہوتا ہے اور عادت کا غلام ہو کر بدی کا مقابلہ کر کے چور اور لاجپار ہو جاتا ہے اور ایسا ٹھک جاتا ہے کہ اس کی کمر تہت ٹوٹ جاتی ہے۔ وہ کہتا ہے۔ ایسے اشخاص کے سامنے خداوند مسیح نہ صرف اعلیٰ اور ارفع اور اپنا کامل اور اکمل نمونہ پیش کرتا ہے بلکہ علی الاعلان دعوت دیتا ہے۔ اسے رحمت کشو اور گناہ کے بوجھ سے دبے ہوئے لوگوں کو تم میرے پاس آؤ۔ میں تم کو آرام دوں گا۔ (متی ۱۱۔ یوحنا ۱۴ وغیرہ) (ص ۲۰۹ تا ۲۱۰)

عجیب آپ نے جو کسی لنگڑے کی مثال دی ہے وہ اول تو جسمانی مثال ہے۔ روحانی نہیں۔ مذہب روحانی طریق کا نام ہے۔ علاوہ اس کے وہ ہمارے مخالف بھی نہیں۔ قرآن مجید اس کا حل نہایت مختصر لفظوں میں پیش کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

يَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ (پ ۲۰۵ ع)

جو شخص خدا کی طرف ذرا سا بھی رہنمائی کرتا ہے خدا اس کو ہدایت کر دیتا ہے۔ جس طرح یہ مانگ کٹا لنگڑا شخص جب چنچتا چلاتا ہے تو اس کو اٹھانے والا کوئی رحمہل آجاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص خدا کی طرف ذرا سا بھی جھک جاتا ہے اور دل میں لنگڑے کی طرح عذابِ الہی سے بچنے کی خواہش رکھتا ہے۔ خدا اس کی دست گیری کرتا ہے جیسا کہ مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ اس اقتباس میں آپ نے یہ فقرہ عجیب لکھا ہے کہ۔

دیگر مذاہب میں یہ اہمیت ہی نہیں کہ گنہگار انسان کو اعمالِ صالحہ کی تحریک ترغیب دے سکیں۔ (ص ۲۰۹)

سبحان اللہ جس مضمون سے سارا قرآن مجید ہوا ہے۔ آپ اسی کا انکار کرتے ہیں۔ غور سے سنئے! ارشاد ہے۔

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَتِي
اللَّهُ طَائِبٌ إِنَّهُ يُعْفُو عَن ذُنُوبِكُمْ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْعَفُوفُ
الرَّحِيمُ (پ ۲۰۵ ع)

اسے پشمیر! میرے گناہگار بندوں سے کہہ دو کہ وہ میری رحمت سے ناامید نہ ہو جائیں
بلکہ میری طرف آئیں میں ان کے سب گناہ بخش دوں گا کیوں کہ میں بخشنہا ہوں؟
پادری صاحب! مسیح کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ

تم میرے پاس آؤ میں تم کو آرام دوں گا (متی ۱۱: ۲۸)

اس سوال کے جواب میں نہ ہم اپنی کہیں گے اور نہ آپ سے پوچھیں گے۔ بلکہ خود
کی زندگی کے حالات پڑھیں گے تو اس کا جواب پائیں گے جس کا حوالہ اوپر نقل ہو چکا
کہ ایک متلاشی نجات بڑی تڑپ سے سوال کرتا ہے کہ نجات پانے کے لئے میں
کوں؟ تو مسیح کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ تو حکموں پر عمل کر۔

یہ تو ابھی مسئلہ کفارہ کی تہید ہے۔ اس کی تصویر کیا ہے۔ بقول پادری صاحب تصور

حسب ذیل ہے۔

منجی عالمین نے ہم کو یہ تعلیم دی ہے کہ اگرچہ گنہگار انسان خدا کی محبت سے اپنی بغاوت

کی وجہ سے منہ موڑ لیتا ہے۔ تاہم خدا کی محبت اٹل ہے (یسعیاہ ۴۵: ۱۵) وغیرہ خدا

کی محبت یہ نہیں چاہتی کہ اس کا گنہگار فرزند ہلاک ہو (۱۱: ۱۱) بلکہ اس بات کی

خواہاں ہے کہ بدترین گنہگار ہمیشہ کی زندگی پائے (یوحنا ۳: ۱۶) خدا کی محبت ہمیشہ

اس انتظار میں رہتی ہے کہ گنہگار اس کی طرف رجوع کرے (لوقا ۱۵: باب ۱۵ اور

اگر وہ رجوع نہیں کرتا تو وہ گنہگار کی تلاش میں نکلتی ہے (لوقا ۱۹: ۱۵-۱۶) متی ۱۱: ۱۵

۱۶ وغیرہ) جس طرح ایک باپ اپنے گمشدہ فرزند کو تلاش کرتا ہے۔ خدا کی محبت

گنہگار کو تلاش کرتی ہے (حزقی ۳۲: ۱۱-۱۲) لوقا ۱۵: ۱۱-۱۲) متی ۱۳: ۱۱-۱۲) یوحنا ۱: ۱۲-۱۳) ابطرہ ۲: ۲ (غیرہ)

جس طرح ماں کی مانتا اپنے ناخلف بیٹے کے لئے بے چین رہتی ہے اور اس کا دل

اپنے بچے کے لئے تڑپتا رہتا ہے جب تک وہ بچہ اپنے گناہوں کا اقرار کر کے اس

کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ اسی طرح خدا کی محبت بے قرار اور بے چین رہتی ہے۔

(یسعیاہ ۴۹: ۱۶) جب تک اس کا گنہگار بیٹا اس کی لازوال محبت کو دیکھ کر توبہ کر کے یہ

نہیں کہتا اے باپ میں تیری نظریں گنہگار ہوا اور اب اس لائق نہیں رہا کہ پھر تیرا

بیٹا کہلاؤں (لوقا ۱۵) جب گنہگار تائب ہو کر رجوع کرتا ہے تو منجی عالمین فرماتے ہیں کہ ایک توبہ کرنے والے گنہگار کی بابت آسمان کے فرشتوں کے سامنے خوشی ہوتی ہے (لوقا ۱۵)

پس خدا کی محبت گناہوں کی مغفرت کا باعث ہے۔ خدا نے دنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا تاکہ جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو۔ بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے (یوحنا ۳) (ض ۲۱)

ادری برکت اللہ صاحب سے پہلے بھی مسیحی مصنفوں نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے ایک انگریز پادری ڈبلیو گورڈ سیک صاحب کے رسالہ الکفارہ سے چند فقرے نقل کرتے ہیں۔ مونسون لکھتے ہیں۔

”جو لوگ توبہ کو گناہ کی معافی کا کافی ذریعہ بیان کرتے ہیں وہ بے شک خدا کے رحم کو پیش کرتے ہیں۔ اس میں تو کلام نہیں کہ خدا رحیم ہے لیکن ساتھ ہی وہ منصف اور عادل بھی ہے۔ وہ عادل ہو کر گنہگار کو کس طرح معاف کر سکتا ہے جب تک کہ عدل کے تقاضے کو پورا نہ کرے۔ سچ توبہ ہے کہ گنہگار انسان کی نجات صرف ایسے طریقے سے ہو سکتی ہے جس میں خدا کے تمام اوصاف قائم ہیں۔ (کفارہ ص ۱۱)

غیب | یہ اصول جو ہم نے الکفارہ سے نقل کیا ہے۔ پادری برکت اللہ صاحب کو بھی مسلم ہونا چاہیے۔ اس لئے اب پادری صاحب ادران کے ہم نوا ہمارے سوالات ٹنڈے دل سے سن کر ان پر غور کریں۔

(۱) کفارہ عدل خداوندی کے خلاف ہے کیونکہ ایک بے گناہ شخص (مسیح) کو سزا دینا اور اصل گنہگاروں کو چھوڑ دینا عدل و انصاف کے صریح خلاف ہے۔

(۲) تمام دنیا کے گنہگاروں کا شمار کیجئے۔ پھر ان کی عمروں کا حساب لگا کر گناہوں کا اندازہ کیجئے تو یہ گناہ عدد و شمار کی حد سے گزر جائیں گے۔ مگر ان سب گناہوں کے بدلے میں سزا صرف ایک شخص (مسیح) کو اتنی دی گئی جو چند لمحوں میں ختم ہو گئی۔ خدا کا ایسا کرنا اپنے بیٹے کی رعایت میں قانون شکنی کرنا نہیں تو کیا ہے؟

(۳) واقعہ صلیب سے پہلے کروڑھا گنہگار انسانوں کی بخشش کے لئے کیا انتظام ہوا؟ کیا ان کے حق میں رحم ہوا یا عدل کیا گیا؟ اگر کہہ کہ ان پر رحم کیا گیا تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ کفارہ مسیح سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے اس پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ پادری برکت اللہ صاحب کے الفاظ یہ ہیں:-

”خدا کی محبت گنہگاروں کی مغفرت کا باعث ہے۔ خدا نے دنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا تاکہ جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو۔ بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے (ص ۱۲۱)“

مسیح سے پہلے لوگوں کو مسیح کی خبر بھی نہ تھی اس لئے وہ لوگ آپ کے کفارہ پر ایمان کیسے لاسکتے تھے نیز یہ کیا انصاف ہے کہ پچھلے لوگوں کو تو کفارے سے فائدہ دیا جائے اور پہلے لوگوں کو اس نعمتِ غیر متہ قیہ سے بالکل محروم رکھا جائے۔

(۴) پادری ڈبلیو صاحب مصنف رسالہ الکفارہ لکھتے ہیں کہ:-

”جب کوئی جرم ایک بار ثابت ہو چکا تو قانونی تقاضا لابدی امر ہے۔ اگر قانونی تقاضا ملحوظ نہ رکھا جائے اور مجرم سزا نہ پائے تو قانونی اصول پامال ہوں گے اور انصاف خاک میں مل جائے گا۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ عدل و انصاف کے تمام اصول و قواعد انسان کو خدا ہی نے سکھائے ہیں۔ پس کیا خدا خود ان قواعد و قوانین کے برخلاف کر سکتا ہے جن کو اس نے خود بنایا ہے۔“ (الکفارہ ص ۱۳۱)

مجیب | پادری ڈبلیو صاحب کے اس قول کی روشنی میں پادری برکت اللہ بتائیں کہ اگر مجرم لوگ محض کفارہ مسیح پر ایمان لاکر چھوٹ جائیں تو خدا کا عدل کیسے قائم رہ سکتا ہے۔

(۵) بقول عیسائیاں عموماً اور بقول پادری برکت اللہ صاحب خصوصاً مسیح کامل خدا اور کامل انسان تھا۔ پھر اس مرکب کا کون سا جز کفارہ ہوا۔ الوہیت کفارہ ہے یا انسانیت یا دونوں کا مجموعہ؟ الوہیت کا کفارہ ہونا تو نا ممکن ہے کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ الوہیت بھی مجرم ٹھہرے۔ اس لئے کہ جو مجرموں کے گناہ کو اٹھاتا ہے وہ بھی حکماً مجرم ہے تعالیٰ اللہ عَن ذَالِكَ عَلُوًّا كَبِيْرًا اکیلی انسانیت بھی کفارہ نہیں ہو سکتی کیونکہ کوئی انسان جو اس

کے پیٹ سے نکلا ہے بے گناہ نہیں ہو سکتا، (ایوب باب ۱۵: ۱۴) جو خود بیگناہ نہیں ہے وہ گنہگار انسانوں کا کفارہ کیسے ہوگا؟

(۶) پادری برکت اللہ صاحب سے ہم پوچھتے ہیں کہ آپ نے جو لکھا ہے کہ :-
خدا نے دنیا کو اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا۔ (ص ۱۱)

اس جملہ میں تین شخص نظر آتے ہیں (۱) واہب (۲) موہوب (۳) موہوب لہ۔ واہب تو خدا ہوا اور موہوب لہ سب نبی آدم۔ موہوب کیا چیز ہے؟ اگر آپ کہیں کہ موہوب مسیح ہے تو یہ کہنا غلط ہے کیونکہ آپ اسی کتاب کے ص ۱۹۶ پر لکھ چکے ہیں کہ مسیح کا تولد بے کہ میں اور باپ ایک ہیں۔ اس کے علاوہ رسالہ اخوت کی عبارت کتاب ہڈ کے ص ۱ پر نقل ہو چکی ہے جس کا مضمون ہے کہ خرد خدا نے تجتم اختیار کیا۔ ان دونوں قولوں کا مفہوم یہ ہے۔ واہب اور موہوب ایک ہی سستی کے دو نام ہیں۔ الگ الگ دو ہستیاں نہیں ہیں کیا اس پر یہ شعر صادق نہ آئے گا۔

وہی تامل وہی مخبر وہی خود منصف ہے

اولیا میرے کہیں خون کا دعوے کس پر

کفارے پر ایک معنی خیز سوال | کفارے کے مضمون سے فارغ ہو کر ہم پادری صاحب سے ایک معنی خیز سوال کرتے ہیں۔

سوال | انسان کی زندگی کے تین زمانے ہیں۔ ماضی، حال اور مستقبل۔ ان تینوں زمانوں میں انسان گناہ کرتا ہے یا کر سکتا ہے۔ فرض کرو آج کوئی شخص دن کے بارہ بجے مسیحی ہو کر کفارے پر ایمان لایا ہے کیا اس کے صرف زمانہ ماضی کے گناہ معاف ہوئے یا ان کے ساتھ زمانہ حال اور مستقبل کے بھی؟ اگر صرف زمانہ ماضی کے گناہ معاف ہوئے ہیں تو اس کا ثبوت قرآن مجید میں بھی ملتا ہے جس میں نہ کسی قسم کی رعایت ہے نہ بے العافی چنانچہ صاف ارشاد ہے :-

فَلِ الَّذِينَ آهَرُوا أَن يَتَّبِعُوا الْعِغْرَ لَكُم مَّا قَدْ نُسَلَفَ رَبِّ - ع

منکروں کو کہہ دو کہ اگر وہ باز آ جائیں تو ان کے پہلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

یہ ایسا کفارہ ہے کہ اس کے لئے نہ سولی کی ضرورت ہے نہ کسی بے گناہ کے کشت و خون کی ماگر کفارہ سے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو شریعت مطہرہ جو انبیاء کرام کی معرفت دنیا میں نازل ہوئی ہے بے کار ہو جاتی ہے۔ پھر علیساٹیوں کا یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے کہ:-
 "بائبل مقدس اظہار کرتی ہے خداوند تعالیٰ کی مرضی انسان کی حالت نجات کی راہ گنہگار کے انجام اور اہل ایمان کی خوشنودی کا اس کے قوانین متبرک آئین حاوی العامہ اس کی تواریخ صادق و راست اور اس کے فیصلے لا تبدیل ہیں اس کی تلاوت کروانا ہونے کے لئے اس میں روشنی ہے۔ تمہاری رہبری کے لئے خوراک ہے تمہاری زندگی کے لئے اور راحت ہے تمہاری خوشنودی کے لئے یہ سیاحوں کا نقشہ ہے۔ زائرین کا عصا اور چہار زانوں کا قطب نما۔ سپاہیوں کی شمشیر اور مسیحیوں کا دستور العمل۔ اس کی طفیل جنت از سر انصیب ہو جاتی ہے۔ آسمانی بادشاہی کے در کھل جاتے ہیں اور جہنم کے چھاٹک بند ہو جاتے ہیں۔"
 (رسالہ المائدہ لاہور بابت فروری ۱۹۸۷ء)

ناظرین! اس عبارت میں اس بائبل کی تعریف کی گئی ہے جس میں انجیل کے علاوہ تمام گذشتہ نبیوں کے صحیفے درج ہیں۔ نیز آپ کے سالہ زیر جواب (سجیت کی عالمگیری) کے مڈ پر بائبل کی تعریف میں آپ کا طب اللسان ہونا کیا حقیقت رکھتا ہے کیا اسی کے حق میں یہ مثل مشہور ہے:-

ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور

پادری برکت اللہ صاحب سے پہلے ایک بڑے پادری (ٹامس ہاول) نے اپنی کتاب اثبات الكفارہ میں جو جواب دیا ہے۔ وہ بھی قابل دید اور شنیدہ ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:-
 "واضح ہو کہ کفارہ اس لئے نہیں ہوا کہ اس وقت گناہ کے امکان کو مٹا ڈالے بلکہ وہ تو اس لئے ہوا ہے کہ گنہگار کو خدا کے سزا اور عدل کی حقیقی سزا سے بچا دے اور گذشتہ مال و آئندہ کے گناہوں کی معافی کے لئے تو کفارہ کافی ہو چکا ہے۔ لیکن انسان کی فعل مختاری چھینی نہیں گئی۔ اور نہ عرضی عبرتی، تنبیہی سزوں کو جو جرائم کے

رو بہ تنزل کرنے کے لئے انتظامی ہیں۔ وہ دور کرتا ہے۔ انسان کو اختیار رہتا ہے

کہ جس گناہ سے بچا یا گیا ہے پھر اس میں پڑ کر چاہے تو اپنا نقصان کر لے یا اس سے بچا رہے۔ رسول کفارہ ہمیں گناہوں اور ان کی سزا حقیقی سے بچاتا ہے بشرطیکہ ہم ثابت ہم رہ کر اپنا ایمان خداوندی مع امسح کفارہ دینے والے پر رکھیں۔ پس کفارہ ہمیں سزاوہ عدل کی حقیقی سزا سے بچانے کے لئے ہوا نہ کہ گناہ کے امکان کو مٹا ڈالنے کیلئے یا انسان کی خود مختاری کو چھین لینے کے لئے۔

(اثبات کفارہ حصہ اول ص ۲۴-۲۵)

پادری بکت اللہ صاحب! بقول گنگے کی بولی گنگے کی ماں سمجھے۔

آپ ہی بتائیے کہ اس عبارت کے کیا معنی ہیں؟ پہلے تو کفارے کے ذریعہ سے تینوں زمانوں (گذشتہ، حال اور آئندہ) کے گناہوں کی معافی کا اعتراف کر لیا۔ پھر گنہگار کو آئندہ کے گناہوں سے نقصان اٹھانے کا ذمہ دار قرار دیا۔ عبارت مذکورہ میں دونوں فقرے (جو زیر خط ہیں) ملاحظہ ہوں۔

شہادت ضمیر | ہر ایک انسان کا ضمیر شہادت دے سکتا ہے کہ جس شخص کو یقین ہو جائے کہ میرے پہلے سب گناہ بخشے گئے اور آئندہ بھی بخشے جائیں گے۔ وہ بظاہر چاہے کتنا ہی پرہیز کرے مگر اس کی طبیعت میں گناہ سے خوف نہیں ہوگا۔ پھر معلوم نہیں کہ حضرت مسیح ایسے معمولی گناہوں پر کیوں اتنی سزا تجویز فرماتے ہیں۔

جس کسی نے بری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی وہ دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔ پس اگر تیری دہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال کر اپنے پاس سے ہٹا دے کیونکہ تیرے لئے ہی بہتر ہے کہ تیرا عشاء میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا

سارا بدن جہنم میں نہ ڈالا جائے (متی ۵: ۲۷ تا ۲۹)

پادری صاحب ہیں بتائیں کہ سزا کا یہ حکم جو انجیل کی اس عبارت میں مذکور ہے۔ آپ جیسے راسخ الاعتقاد مسیحیوں کے لئے بھی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو یہ حکم بے کار ہے۔ اگر سب کے لئے ہے تو کفارہ بے کار ہے۔ غرض کفارے کے حق میں یہ شعر صادق آتا ہے۔

۵ مصیبت میں ٹپا ہے سینے والا چپک واماں کا
جو یہ ٹانگا تو وہ اُدھڑا جو وہ ٹانگا تو یہ اُدھڑا

ناظرین کرام! مسیحی مذہب کے دو ہی رکن ہیں۔ ایک الوہیتِ مسیح دوسرے کفارہٴ مسیح۔ جن پر
مفصل بحث ہو چکی ہے۔ اس بحث کو ملحوظ رکھ کر کوئی اہل بصیرت ہم کو تباہ کتاب سے کہ مسیحی
مذہب اہل فہم کے نزدیک قابلِ قبول ہونے کی وجہ سے عالمگیر ہو سکتا ہے۔ ہمارے خیال
میں دو دُورے پانچ اور پانچ دو نے گیارہ کا اعتقاد رکھنا اتنا غلط ہے جتنا غلط الوہیتِ مسیح
اور کفارہٴ مسیح کا عقیدہ رکھنا۔

پادری صاحب! ایسے عقائد کی تعلیم دینے والے مذہب کو آپ عالمگیر کہتے ہیں۔ سچ ہے۔

۵ ہوا تھا کبھی سرِ مسلم قاصدوں کا
یہ تیرے زمانے میں دستور نکلا

المحمد لہذا ہم بحث کفارہ سے بھی فارغ ہو گئے ہیں۔

باب سوم

دینِ فطرتِ اسلام ہے بجا اب دینِ فطرتِ مسیحیت سے

یہ باب پادری صاحب کی اس کتاب کے جواب میں ہے جس کا نام ہے:۔ دینِ فطرتِ اسلام یا مسیحیت؟ اس کتاب میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے پادری صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دینِ فطرتِ مسیحیت ہے اسلام نہیں۔ مضمون کے لحاظ سے تو یہ بحث پہلی کتابوں کے ضمن میں آچکی ہے مگر ظاہری صورت کے لحاظ سے یہ کتاب بھی عیسائی تشیث کا اقدیمہ ثابث ہے اس لئے اس پر توجہ کرنا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ کی گئی۔ خلاصہ اس کتاب کا یہ ہے کہ انسان میں طبعی فطرتی خصلتیں رینچرل نادات ہیں صرف مسیحیت ہی ان کے مناسب حال تعلیم دیتی ہے اسلام اس تعلیم سے خالی ہے۔ مگر بس قدر تعجب کی بات ہے کہ قدرت بھی اپنا تصرف اندر ہی اندر کر جاتی ہے۔ چنانچہ قدرت نے پادری صاحب سے اسی کتاب کے سوا پرکھوادیا کہ ہر شخص نظرۃً اکلاپے سے گھبراتا ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ مسیح ساری عمر مجرور ہے اور یہ تو پادری صاحب نے فخریہ لکھا ہے کہ۔

مسیح نے اپنے پیچھے کوئی کتاب نہیں چھوڑی تاکہ مسیحی کلیسا کو اپنا کامل اور اکمل نمونہ دیا مسیحیت کی عانیہری مٹا۔

اس کا نتیجہ صاف ہے کہ کسی مسیحی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ تجرور کنواریاں کو تھپوڑ کر تامل بندھ دیا اختیار کرے۔ کیونکہ ایسا کرنے کی صورت میں وہ اپنے ہادی کے نیک نمونہ سے منحرف ہو کر نجات سے محروم رہ جائے گا۔ پادری صاحب نے یہ بڑی مہربانی کی ہے کہ لفظ فطرت کی تشریح خود ہی فرمادی چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ۔

اس رسالہ میں ہم لفظ فطرت کو صرف ان جبلی قوی کے لئے استعمال کریں گے جو انسان میں ولعیت کئے گئے ہیں۔ یہ جبلی قوی وہ طبعی میلانات ہیں جو ہر انسان کی فطرت میں داخل ہیں اور جن کے جائز اور مناسب استعمال سے ہر انسان اس منزل تک پہنچ سکتا ہے جو اس کی ہستی کی علت غائی ہے (دین فطرت ص ۱۱)

مجیب | فطرت کی یہ تعریف ہمیں منظور ہے۔ آپ نے اس تعریف پر جو تفریح کی ہے اس رسالے میں ہم مسیحیت اور اسلام کو صرف اس کسوٹی پر پرکھیں گے (ص ۱۱) اس کے لئے بھی ہم تیار ہیں۔ مگر آپ کا یہ مقولہ بحث طلب ہے کہ۔

مسیحیت کا یہ دعوے ہے کہ صرف خداوند مسیح انسان کے جبلی قوی اور طبعی میلانات کو خدا کے ازلی ارادہ اور مقصد کے مطابق پائیہ تکمیل تک پہنچا سکتا ہے۔ مسیحیت کا یہ دعوے ہے کہ ان معنوں میں صرف وہی اکیلا مذہب ہے جو دین فطرت کہلاتے کا مستحق ہو سکتا ہے، (ص ۱۱)

ہم آپ کی اس خالی خولی عنایت کے بھی شکر گزار ہیں جس کا اظہار آپ نے یوں کیا ہے۔ مسیحیت اپنے مخالفین کو ہر طرح کی رعایت دینے کو تیار ہے کیونکہ ان تمام مراعات کے باوجود اس میں اپنے سب سریفوں پر غالب آنے کی صلاحیت موجود ہے، (ص ۱۱)

تشریح | اس عبارت کو ہم ایک مثال کی صورت میں پیش کریں تو غالباً اس کی مزید وضاحت ہو جائے گی۔

مثال | کسی منڈی میں کوئی ساہوکار اتنا مالدار ہے کہ باقی سب دوکاندار اس کے مقروض ہیں۔ اور وہ اپنے قرضداروں کو کافی رعایت دے کر کہتا ہے تو تم لوگ مجھے اصل رقم کا پچاس ساٹھ فی صدی ادا کر دو۔ باقی رقم میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ اتنی رعایت دینے کے باوجود وہ اتنا مالدار ہے کہ باقی سب دوکانداروں میں اس کا نمبر اول ہے۔

اس مثال کے مطابق ہم خود دیکھیں گے اور اپنے ناظرین کو دکھائیں گے کہ پادری صاحب ہم کو رعایت دیتے ہیں یا اللہ! ہم سے سو دیتے ہیں۔ آپ کا مندرجہ ذیل مقولہ شاید پہلی رعایت ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ۔

ہم نے اس رسالہ میں اہل اسلام کو ایک اور رعایت دے دی ہے یعنی ہم نے اسلامی عقائد بیان کرتے وقت صرف قرآنی آیات سے استدلال کیا ہے۔ (صفحہ ۱)

ناپید پادری صاحب کو معلوم نہ ہوگا کہ یہ طریقہ رعایت نہیں ہے بلکہ مخاطب کو ایک تنگ اثر سے میں مجبوس کرنا ہے۔ ایسا کرنے میں آپ سوامی دیانند کے تنوع میں جوستیاتھ پرکاش کے دیباچہ میں مسلمانوں کو ایسی ہی رعایت دے چکے ہیں۔ رعایت ہم اس صورت میں سمجھنے اگر آپ دونوں مذہبوں (مسیحیت اور اسلام) کو ایک ہی ترازو میں تولتے۔ اپنے لئے تو یہ طرز عمل اختیار کرتے ہیں کہ مسیح کی تعلیم کے علاوہ حواریوں اور حواریوں کے شاگردوں کے خطوط بھی الہامی نوشتوں کے ساتھ پیش کرتے جلتے ہیں جو اہل اسلام کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ یہاں تک بھی ہاتھ مارنے میں کہ۔

”منہجی عالمین کی تعلیم کے نام سے یسعیاہ کا حوالہ دیتے ہیں جو مسیح سے سینکڑوں برس

پہلے کی تصنیف ہے۔ مسیحیت کی مانگیری منگ

پادری صاحب نے جہلی میلانات کی تفصیل ضرورت سے بہت زیادہ طویل عبارت میں کی ہے مگر پھر بھی فطرت کا تقاضا پورا نہیں ہو سکا۔ پادری صاحب لکھتے ہیں :-

ہر ایک انسان کی سرشت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ خوفناک اشیاء سے ڈرتا ہے

اور اپنے بیوی بچوں سے پیار کرتا ہے۔ پس دین فطرت وہ مذہب ہے جو ہمارے

جہلی قوی کو ان کی فطرت کے مطابق نشوونما پاتے ہیں راہنما ہو اور ان کے جائز اور

مناسب استعمال کے وسائل کو اختیار کرنے میں مدد و معاون ہو۔ پس مانگیر مذہب

کا یہ کام ہے کہ ان جہلی قوی کو جو انسانی فطرت میں ودیعت کئے گئے ہیں۔ الہی

نشا اور ارادے کے مطابق کامل کرے۔ (دین فطرت ص ۱۰)

مجیب | ہمارا بھی اس پر صاد ہے۔ ناظرین اب پادری صاحب کا دعوے تنازعہ سینے آپ فرماتے ہیں کہ :-

”مسیحیت کا یہ دعوے ہے کہ صرف خداوند مسیح ہمارے جہلی قوی کو خدا کے ازلی ارادے

اور نشا کے مطابق پائیہ تکمیل تک پہنچا سکتا ہے۔ (ص ۱۰)

پس یہ بے ساری کتاب کا موضوع بحث اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کیلئے
آپ نے کتاب کے انیس صفحے محض تہیہ سے پڑ کر دیئے ہیں۔ آخر کار بڑی طول کلامی کے
بعد اصل مضمون کے متعلق آپ کے منہ سے مشکل الفاظ ذیل نکلے ہیں:-

”اسلام اور دیگر کل مذاہب اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ گنہگار کو نیکی کا درس دے دیں اور
نصیحت کر دیں۔ اس سے زیادہ وہ نہیں کرتے اور نہ کرنے کا دعوے کرتے ہیں۔ لیکن
ہر شخص تجربہ سے جانتا ہے کہ نصیحت کی قوتِ جلت کی زبردست طاقت کے سامنے

سیخ ہوتی ہے۔ لہذا وہ کارگر نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے۔ (دمیہ ۱۹)

مجیب | اسلام کے ساتھ دیگر کل مذاہب کو شامل کرنے سے آپ کا مقصد غالباً اپنے مسلہ
صحفِ انبیاء پر بھی ہاتھ صاف کرنا ہے۔ اگر لفظ گل بے خبری میں لکھا گیا ہے تو پادری صاحب
اس کو واپس لے لیں۔ آپ کے اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ ایک گنہگار بندہ دربارِ محمدی
میں آئے تو آنحضرتؐ اس کو محض اتنا ہی نصیحت کریں گے کہ تو فلاں فلاں کام مت کر، اس
سے زیادہ کچھ نہیں کر سکیں گے لیکن اگر وہ مسیح کے پاس آئے گا تو آپ علاوہ اس نصیحت کے
اس کو گنا چھوڑنے کی طاقت بھی بخشیں گے۔ جس سے وہ گناہ کی بری عادت کا مقابلہ کر سکے گا
آپ کا یہ دعوئے دراصل اسی بنیادی پتھر (الوہیت مسیح) پر مبنی ہے جس پر کتابِ مذاہب
ص ۷۶ سے ص ۸۳ تک مفصل بحث ہو چکی ہے چونکہ پادری صاحب اور ان کے ہم نوا ابھی
تک مسیح کو مجسم الہ مانتے ہیں اس لئے وہ اسی اصول پر مسیح کو حقیقتہً ہدایت بخش اور
توفیق بخش کہے جاتے ہیں۔ مگر قرآن چونکہ پیغمبر اسلام کو درجہ الوہیت سے
غالی اور منصبِ نبوت پر نائز ٹھیراتا ہے اس لئے وہ اس اصول کے ماتحت صاف
کہتا ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّا اللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ (پ ۷۶)

”اے پیغمبر! تمہارے اختیار میں ان کو ہدایت کرنا منزل مقصود تک پہنچا دینا نہیں ہے
بلکہ خدا جس کو چاہے خود ہی ہدایت کرتا ہے۔“

تمہارا منصب صرف تبلیغ ہے۔ اِنَّ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلَاغُ (پ ۷۶)

لیکن اس میں شک نہیں کہ آنحضرت کی تبلیغ اور ایک عالم کی تبلیغ میں بہت بڑا فرق ہے اور آپ کے مرتبہ کے لحاظ سے ایسا فرق ہونا ضروری ہے وہ فرق یہ ہے کہ جہاں تک انسانی کمال کی حد ہے آپ کے اثر صحبت سے مثلاً شیخانِ حق پاکیزگی حاصل کرتے جیسا کہ قرآنی ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ٤ (پہ - ع)

وہی خدا ہے جس نے ان پڑھوں میں اپنا پیغمبر بھیجا جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ کر سنا رہے اور پاک کرتا ہے اور ان کو اللہ کی کتاب اور دانائی کی باتیں سکھاتا ہے اس سے پہلے وہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

یہ آیت آنحضرت کا منصب اور حیثیت صاف بتاتی ہے کہ آپ قرآن کو سمجھتے اور روحانی حکمت سکھاتے اور اپنے اثر صحبت سے اپنے تابعین کو پاک کرتے لیکن یہ تزکیہ اور تطہیر انسانی کمال کی حد تک ہوتا۔ الوہیت کی شان اس میں نہ ہوتی جس کا ذکر اس شعر میں ہے۔

صحبتِ صالح ترا صالح کند صحبتِ طالع ترا طالع کند

آگے چل کر پادری صاحب فرماتے ہیں:-

”صحبت ہی ایک واحد مذہب ہے جو یہ نئی پیدائش ہم کو عطا کرتا ہے۔ خداوند مسیح ہی اکیلا ہادی ہے جو نہ صرف ہم کو راہ ہدایت بتاتا ہے (یوحنا پہلے) بلکہ ہم کو وہ زبردست طاقت عطا فرماتا ہے جس کی مدد سے ہم اپنی جبلت کی طاقت کو ایک جانب سے ہٹا کر دوسری طرف راغب کر سکتے ہیں۔ اس کے ہی نضارت ہم کو یہ توفیق عطا ہوتی ہے (نقل)۔“

مجیب | یہ اقتباس پہلے اقتباس کا اعادہ ہے یا اس پر تفریح ہے اس میں مسیبت کی فضیلت کا ذکر ہے۔ خاص کر یہ فقرہ کہ:-

” مسیح ہی اکیلا ہادی ہے۔ وہ ہم کو زبردست طاقت عطا فرماتا ہے۔“

قابل غور اور محلِ بحث ہے کیونکہ اس میں مسیحی مذہب کی فضیلت کا ذکر ہے۔ اس لئے مسیحی کتب کے حوالوں سے ہم اس کی تحقیق کرتے ہیں۔

دنیا کی تاریخی کتب اور مسیحی اناجیل بالاتفاق شہادت دیتی ہیں کہ یہود مسیح کے ساتھ بڑی سختی سے پیش آتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے آپ کے سر پر کانٹوں کا تلج رکھ کر آپ کو صلیب پر چڑھا دیا اور ہاتھوں میں میخیں گاڑ دیں۔ اس حالت میں یسوع مسیح کی یہ فریاد کہ

” اے میرے خدا، اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔“

آپ کا صحیح مقام (عبودیت) متعین کرنے کے لئے ایک فیصلہ کن جملہ ہے۔

یہودیوں پر آپ کی قوتِ بخششی نے کوئی اثر نہیں کیا بلکہ آپ کے خاص حواریوں پر بھی اثر نہیں کیا۔ جنہوں نے یومِ صلیب کی صبح ہونے سے پہلے ہی یسوع مسیح پر لعنتیں بھیجیں اور ان سے اپنی علیحدگی کا اظہار کیا (متی باب ۲۶)

کیا اسی کا نام قوتِ بخششی ہے کہ اپنے صحبت یافتہ اشخاص کو بھی بے نصیب رکھا جس پر انہوں نے بزبانِ حلل یہ شعر بڑھا ہے

بس سمندر دیکھ لی ہم نے تیری دریا دلی

تشنہ لب رکھا صدف، کو بوند پانی کی نہ دی

ذرا اور نیچے آجانیے۔ مسیحی دنیا میں، اول نمبر یورپ کا ہے اس کی نیک نیتی اور صلاحیت کی

جو کیفیت شروع سے رہی ہے وہ عیاں راچہ بیاں کی مصداق ہے۔ شراب خوری،

خنسزیر خوری، زنا کاری، غلط کاری کوئی جرم ہی نہیں۔ شاید کفارہ مسیح کے عقیدے نے ان

لوگوں کو گناہوں کی سزا سے بے خوف کر دیا ہو۔ پادری صاحب! یہ

مصلحتِ نیت کہ از پردہ بیروں اقتدر از

ورنہ در مجلسِ زنداں خبرے نیت کہ نیت

پادری صاحب کا یہ مقولہ کیسی ناواقفیت پر مبنی ہے کہ:-
 "قرآن نیک اعمال کی دعوت دیتا ہے لیکن نہ تو نئی پیدائش کی تعلیم دیتا ہے کہ کسی شخص
 کو نیا مخلوق بنانے پر قادر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دینِ فطرت کے لوازم اس میں سر
 سے نہیں ہیں۔ تمام ادیان عالم میں سچی دین کو یہ طفرائے انبیاء حاصل ہے :- (صفحہ ۲۲)
مجیب | اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ ہم مانتے ہیں کہ قرآن درملہم قرآن
 میں الوہیت کی طاقت نہیں ہے۔ ہاں اپنی کمال تاثیر کے لحاظ سے تمام مخلوق میں ان
 کا درجہ سب سے بلند ہے یہ صرف ہمارا دعوے ہی نہیں بلکہ اس کا واضح نمونہ بھی سنتے۔
 قرآن مجید میں خداوند تعالیٰ اور صاحبِ قرآن کے انقلاب انگیز اثر کے اظہار کرنے
 کو فرماتا ہے:-

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنْتُمْ عَدَاءُ مَا بَيْنَ
 قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ
 مِنَ النَّارِ فَنَقَدَكُم مِّنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ
 لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (طہ - ۷۷)

اللہ کی نعمت جو تم پر ہے اس کو یاد کرو کہ تم دشمن تھے پھر اس نے تمہارے دلوں
 میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت (قرآن) کی برکت سے بھائی بھائی بن گئے
 اور تم آگ کے گڑھے پر تھے پھر اس نے تم کو اس سے بچا دیا سی طرح سے اللہ
 اپنی آیات کھل کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدیت پاؤ۔
 ناظرین! اس انقلاب کولاحظہ کیجئے۔ قرآن مجید کی تاثیر کا کیسا تین ثبوت ہے جس کا
 اظہار مولانا حالی مرحوم نے مندرجہ ذیل بند میں کیا ہے :-

وہ دین جس نے اعدا کو اخواں بنایا

دردنوں کو نمنوارِ دوراں بنایا

وہ خطہ جو تھا ایک ڈھوروں کا گٹھ

گراں کر دیا، کس کا عالم سے پتہ

پادری صاحب! قرآن مجید نے دنیا میں جو روحانی انقلاب پیا کیا۔ اس کی شہادت تو تمام جہاں دے رہا ہے کہ صرف تیس سال کے عرصے میں اپنے اتباع کو ذلت و خواری کے تختہ سے اٹھا کر عزت و حکومت کے تخت پر بٹھا دیا اور ہر قسم کی غلط کاری میں مبتلا لوگوں کو متنبیوں کا امام بنا دیا۔ پھر آپ کا یہ کہنا کہ قرآن میں یہ طاقت نہیں ہے کس قدر بے انصافی پر مبنی ہے۔ ہاں سچیت نے اس قوت کا جو اظہار کیا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ کفارہ مسیح کا سبز باغ دکھا کر مجرموں کو گناہوں کی پاداش سے بے خوف کر دیا۔ اسی لئے اب ان کی زبان پر یہ کہاوت جاری ہے :-

”ستیاں بھیئے گتوال اب بھٹے ڈر کس کا“

خوف کی جبلت | پادری صاحب نے اس سرخی کے ماتحت بڑی طویل گفتگو کی ہے جبلتِ خوف سے پادری صاحب کی مراد فطری خوف ہے یعنی کسی زبردست طاقت سے ڈرنا جو انسان کی طبعی عادت ہے۔ پادری صاحب اس کو جبلتِ خوف سے تعبیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

”خوف کی جبلت تمام حیوانات کی بقا کے لئے ضروری ہے انسانی سرشت میں یہ جبلت قوی ترین جبلتوں میں سے ہے۔ (ص ۲۳)

اتنا مضمون تو فریقین کو مسلم ہے۔ آگے چل کر آپ لکھتے ہیں کہ :-

”لازم ہے کہ دینِ نطرت کے عقائد ایسے ہوں جن سے اس جبلت کی غیر معتدل برہنگی واقع نہ ہوتا کہ انسان ہول اور دہشت کا نشانہ نہ بنا رہے

اس پر بھی ہمارا صواب ہے۔ اسی معیار پر پادری صاحب تفریع کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

”حق یہ ہے کہ جس قدر کسی مذہب میں دہشت کا عنصر غالب ہوگا اسی نسبت سے وہ

مذہب ادیانِ عالم میں ادنیٰ پایہ کا شمار کیا جائے گا۔ (ص ۲۵)

یہ اصول بھی ہمیں مضر نہیں۔ ان تمہیدات کے بعد آپ خاص اسلام پر اچھے مہتیاروں سے حمد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

اسلام میں خوف کا عنصر اسی طرح کار پرانے جس طرح وحشی اقوام کے مذہب باطلہ

میں دیتاؤں کا خوف کام کرتا ہے (صفحہ ایضاً)

مجیب | قرآن مجید نے خوف اور محبت کو ایسے اعتدال پر رکھا ہے کہ باید و شاید بہت سی

آیات نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ نمونہ کے طور پر ایک ہی کافی ہے ارشاد ہے۔

يَسْتَعِيذُ بِعِبَادِي اِيْحٰى اَنَا لَعَفُوْرًا رَحِيْمًا وَاِنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ كَرِيْمًا (ع)

”اے پیغمبر! میرے بندوں کو یہ اطلاع دے دو کہ میں بڑا ہی بخشنہارا اور مہربان ہوں۔

اور یہ بھی کہہ دو کہ مجرموں کے لئے میرا عذاب بڑا ہی دردناک ہے۔

کیسا معتدل کلام ہے کہ خوف اور محبت کو اعتدال پر رکھا گیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں مسیحیت

نے جو تعلیم دی ہے اسے ہم آگے چل کر نقل کریں گے اس سے آگے پادری صاحب مسیحیت

کا طغرائے اقیانوس بنانے کو کھتے ہیں کہ:-

”مسیحیت ہم کو تعلیم دیتی ہے کہ خداوند کا خوف دانش کی ابتدا ہے (امثال ۱۰)

خداوند کا خوف پاک ہے (زبور ۱۱۹) خداوند تمہارا تم سے سوائے اس کے اور کیا

چاہتا ہے کہ تم خداوند اپنے خدا کا خوف مانو اور اس کی سب راہوں پر چلو اور اس سے

محبت رکھو (استغفار ۱۰)

ان حوالہ جات کو پیش کر کے آپ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ

کتاب مقدس کے مذکورہ بالا اقتباسات بطور ششے نمونہ از خوارے دیئے گئے ہیں۔

ان سے واضح ہو گیا ہو گا کہ مسیحیت میں خدا کا خوف کس قسم کا ہے۔

یہ خوف دانش کی ابتدا اور پاک ہے اس سے خدا کی محبت پیدا ہوتی ہے (ص ۱۱)

مجیب | پادری صاحب! آپ کو اسلامی تعلیم متعلقہ خوف خدا تو دشیانہ نظر آتی ہے جو بالکل

اعتدال پر مبنی ہے جس کا ثبوت ہم قرآنی آیت کے حوالے سے دیکھیں ہیں لیکن مسیحیت کی

تعلیم آپ کی نظر سے کیوں اوجھل رہی۔ بائبل خدا کے غضب اور انتقام وغیرہ کے متعلق

جو تعلیم دیتی ہے اسے توجہ سے سنئے اور اپنے ہم نوا ممبروں کو ساتھ بٹھا کر غور کیجئے! خداوند

موسیٰ کو فرماتا ہے:-

”خداوند خدا رحیم اور مہربان تمہیں دھیما رہا بغض و دنا ہنر پشتوں کے لئے فضل رکھے“

گناہ اور تقصیر اور خطا کو بخشنے والا لیکن وہ ہر حال میں معاف نہ کرے گا بلکہ باپوں کے گناہ کا ان کے فرزندوں سے اور فرزندوں کے فرزندوں سے تیسری اور چوتھی پشت تک بدلے گا؟ (خروج ۶:۲۴-۷)

مجیب | اللہ اللہ کس قدر جوشِ غضب ہے کہ نہ ابرو اس کے مظالم بھی اس کے مقابلہ میں بیچ ہیں کہ گناہ کا بدلہ گنہگار کے بیٹوں، پوتوں اور پڑپوتوں وغیرہ سے لیا جاتا ہے۔ یہی دوستو! دنیا کی کسی حکومت میں ایسا قانون دیکھا یا سنا ہے جیسا آپ کی سمیت خدا کے حق میں بتاتی ہے کہ ایک گنہگار کے گناہ کی سزا کسی ایک بے گناہوں کو دی جائے۔ مگر یہی مذہب میں یہ پہلا ہی واقعہ نہیں ہے اور نہ اس کے لحاظ سے یہ کوئی عجیب بات ہے کیونکہ مسیحیت نے دنیا کے بہت بڑے معزز اور خدا کے مقرب اور معصوم (ناکردہ گناہ) بندے کو پھانسی پر چڑھا کر گنہگاروں کی نجات کا ذریعہ سمجھا کر ایسا کرتے ہوئے اس کو نہ تو عدل و انصاف کا اصول مانع آیا اور نہ خدائی رحم نے اس کو اس ظلم سے باز رکھا۔ پادری صاحب ایسے کمزور ہتھیاروں سے قرآن جیسے مضبوط قلعے پر حملہ کر کے خود اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ یاد رکھئے کہ قرآن کا قلعہ ایسا مضبوط ہے کہ مٹی کے گولوں سے اس کو ٹی مدد نہیں پہنچ سکتا لیکن اس کا حملہ اتنا زبردست ہے کہ اٹھوڑپا کا قلعہ بھی اس کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا۔ اس لئے اسلام اپنے مخالفوں کو لٹکارتا ہوا بزبانِ حال کہتا ہے

ہاں تامل دم ناوک ننگنی خوب نہیں

میری چھاتی ابھی تیروں سے چھینی خوب نہیں

اس سے آگے آپ کہتے ہیں کہ:-

اسلام کے خدا کی ذات صفات ایسی ہیں جن سے ہر لحظہ خوف اور دہشت ٹپکتی ہے۔ لیکن مسیحیت کے خدا نے ہم کو دہشت کی روح نہیں بلکہ قدرتِ محبت اور تربیت کی روح دی ہے (مت ۵)

مجیب | ابھی ہم جواب دے چکے ہیں کہ قرآن مجید خدا تعالیٰ کو ہر جگہ مغفور و رحیم کی حیثیت

سے پیش کرتا ہے اور بار بار کہتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرُوْفٌ شَدِيْدٌ (خدا سب لوگوں پر شفقت اور رحم کرنے والا ہے) رُوْف اور رَحِيْم دونوں صیغے مبالغے کے ہیں۔ جن کے معنی ہیں بہت بڑا مہربان اور بہت زیادہ رحم کرنے والا اس سے بھی زیادہ گنہگاروں کو نسیکین دینے والی آیت سنئے۔ ارشاد ہے:-

اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ، عَلٰی ظُلْمِهِمْ شَدِيْدٌ - (ع) (خدا گنہگاروں کے لئے بخشنہار ہے) اللہ اللہ رحمت اور مغفرت کا سمندر کس قدر جوش مار رہا ہے کہ لوگوں کے ظلم و ستم کے باوجود خدا ان کے لئے بخشنہار ہے۔ البتہ یہ ہم مانتے ہیں کہ مسیحت جیسا رحم قرآن میں واقعی نہیں ہے کہ ظالم بدکاروں کی خاطر ایک بے گناہ انسان کو پھانسی کے تختے پر لٹکا رہا جائے اور تختے کی آگ بھڑک اٹھے تو بے گناہ بچوں کو بھی فنا کر دے جس کے مقابلہ میں ظالم حملہ آوروں کے حملے بھی دریغ معلوم ہوں ایسے خونخوار اور ظالم خدا کے حق میں بجز اس کے کیا کہا جائے۔

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا

تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

آگے چل کر پوری صاحبِ جنتِ زوید کا ذکر کرتے ہیں۔ اس سے آپ کی مراد ازدواجی تعلق ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ:-

زادِ زادہ کے باہمی تعلقات اسی جنسی جنت کی وجہ سے ظہور میں آتے ہیں

الناسی معاشرت کے لئے یہ جنت (ازدواجی تعلق) نہایت ضروری ہے۔ (ص ۲۹)

مجیب | اس پر ہمارا بھی صواب ہے۔ اس صحبت میں آپ کو اسلام میں دو نقص نظر آئے ہیں۔ یعنی تعددِ ازدواج اور طلاق۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ:-

جن اقوام میں وحدتِ ازدواج کی بجائے کثرتِ ازدواج رائج ہے وہ دنیا کے

رشتے کی طرف سے لاپرواہی اختیار کی جاتی ہے اور طلاق عام روزمرہ کا واقعہ ہو

جاتا ہے۔ ان اقوام میں زوال پیدا ہو جاتا ہے۔

مجیب | تعددِ ازدواج کا جواب پہلے ص ۲۹ پر ہی آچکا ہے۔ یہاں بھی کچھ لکھا جائے گا۔

طلاق کا ذکر آگے آتا ہے۔ تعدد ازواج کے متعلق پادری صاحب لکھتے ہیں کہ:-
 "دین فطرت کا یہ کام ہے کہ (۱) وحدت ازدواج کی تعلیم دے (۲) نر اور مادہ کے
 رشتہ کے قیام۔ استواری اور پائیداری اور اس کی دوامی حالت کی تلقین کرے
 (۳) طلاق کی ممانعت کرے اور اس بات کا محرک ہو کہ جنبت جنسی کی وافر اور فاضل
 طاقت اور عظیم توانائی اور اعلیٰ ترین مقاصد اور اغراض کو حاصل کرنے کی جانب راغب
 ہو جائے" (ص ۴۴)

مجیب | یہ سے پادری صاحب کے نزدیک دین فطرت کا معیار جس کا کچھ حصہ مسلم ہے اور
 کچھ غیر مسلم۔ تنازعہ حصے کا ذکر آگے آتا ہے۔ پادری صاحب لکھتے ہیں کہ:-
 "مکتبہ اللہ کی تعلیم نے آدمی اور عورت کے باہمی جنسی تعلقات کی کاپی لپٹ دی۔ جوڑ
 اور مادہ کے تعلقات آپ کے زمانہ میں رائج تھے۔ وہ موسوی شریعت کے ماتحت تھے آپ
 نے ان کے تمام غیر مکمل عناصر کو خارج کر کے اس رشتہ کو کامل طور پر پاکیزہ بنا دیا۔ عورت بچے
 بننے کی مشین اور مرد کی تہوت کا آلہ کار نہ رہی۔ بلکہ مرد کی طرح ایک آزادانہ ذمہ دار
 ہستی ہو گئی۔ جس سے خدا لا زوال محبت کرتا ہے اور جس کی روح کی خاطر ابن اللہ نے
 اپنی جان دے دی۔ خدا کی نظر میں مرد اور عورت کے حقوق مساوی ہیں پس انجیل حلیل تعلیم
 دیتی ہے کہ جنسی جنبت کے جائز استعمال کے لئے ہر مرد اپنی بیوی اور ہر عورت اپنا
 شوہر رکھے۔ شوہر بیوی کا حق ادا کرے اور بیوی شوہر کا حق ادا کرے" (ص ۴۵-۴۴)

مجیب | پادری صاحب نے اس بیان میں اسلام ہی پر حملہ نہیں کیا بلکہ اپنی مسئلہ موسوی شریعت
 پر بھی ہاتھ صاف کیا ہے۔ چنانچہ اس کو نامکمل اور قابل اخراج قرار دیا ہے حالانکہ مسیح کا قول
 ہم بارہا نقل کر چکے ہیں کہ

موسوی شریعت یعنی تورات کا ایک شوشہ بھی نسوخ نہیں ہوگا (انجیل متی باب ۵)
 آپ کا یہ لکھا کہ خدا کی نظر میں مرد و عورت کے حقوق مساوی ہیں۔ اس بارے میں
 قرآن مجید کی آیت ذیل ایسی صاف ہے کہ آپ کا یہ فقرہ گریبا اسی کا ترجمہ ہے ارشاد ہے

وَلَكِنَّ مِثْلُ الذَّنْبِ عَالِيَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (پ - س) (عورتوں کے حقوق خاوندوں پر ویسے ہی ہیں جیسے خاوندوں کے عورتوں پر)

آپ کا یہ فقرہ کہ شوہر بیوی کا حق ادا کرے، دراصل اس آیت کریمہ کا ترجمہ ہے۔
عَالِيَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (پ - س) (عورتوں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کیا کرو)

یہ تو اصل اعتراض کا جواب ہے۔ اب ہم پادری صاحب کی ہوشیاری کا ذکر کرتے ہیں۔
آپ نے آگے چل کر موسوی شریعت کی کتاب پیدائش سے یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ:-
"مرد عورت ایک جان ہوں گے" (باب ۲: ۲۴)

پھر اس فقرہ کے ساتھ ہی لکھا ہے کہ:-

"انجیل حبل نے یہ تعلیم دی ہے کہ مرد و عورت کے جنسی حقوق مساوی ہیں" (۴۵)

اس اقتباس میں پادری صاحب نے جس ہوشیاری کا ثبوت دیا ہے اگر کسی اور سے ایسی ہوشیاری سرزد ہوتی تو ہم اس کا نام منکاری اور عیاری رکھتے۔ کتاب پیدائش میں اصل واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت آدم اور حوا سے گناہ سرزد ہوا چنانچہ پیدائش کے پوسے الفاظ یہ ہیں:-

"مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑے گا اور اپنی جوڑو سے ملا رہے گا۔ اور وہ ایک
تن ہوں گے۔" (پیدائش باب ۲: ۲۴)

اس عبارت میں دو فقرے ہیں۔ پادری صاحب کے طرز کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ پادری صاحب اپنے منقولہ فقرات کو شرعی حکم کے معنی میں واجب العمل سمجھتے ہیں۔ اگر دوسرا فقرہ شرعی حکم واجب العمل ہے تو پہلا فقرہ بھی واجب العمل ہونا چاہیے۔ یعنی ماں باپ کو چھوڑ دینا اور بیوی سے ملے رہنا۔ تاہم غور کریں کہ یہ تعلیم کسی عمر سے حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں فقرے خبریہ جملے ہیں۔ انشائیہ جملے یعنی شرعی حکم نہیں ہیں۔ ورنہ بڑی خرابی لازم آئے گی۔ کیونکہ ان میں انسان کی براعتدالی کا ذکر ہے کہ وہ ماں باپ کو چھوڑے گا اور بیوی کی محبت میں غلو کرے گا۔ اس سے تو ذمت نکلتی ہے نہ کہ شرعی حکم۔ دوسری ہوشیاری آپ نے یہ کی ہے کہ پیدائش کے اس حوالہ کو انجیل حبل کہہ

عزت بخشی ہے چنانچہ پس کا لفظ نتیجہ پر دلالت کرتا ہے اور اس میں کیا شک ہے کہ کتاب پیدائش موسوی شریعت میں داخل ہے۔ حالانکہ اس شریعت کو آپ غیر مکمل کہہ کر عیسوی شریعت سے خارج کر چکے ہیں اور اب اسی کو پیش کرتے ہیں۔ اس موقع پر موسوی شریعت آپ کی عنایت کو ملحوظ رکھ کر بزبان حال یہ شعر پڑھے تو بجل ہے۔

وفا کے واسطے میری تلاش ہوتی ہے

کوئی زمانے میں جب دوسرا نہیں ملتا

اسی ضمن میں پادری صاحب نے طلاق کا مسئلہ بھی چھیڑا ہے اور اپنے دعوے پر انجیل مرقس باب ۲، ۱ نقل کی ہے۔ مسئلہ طلاق جس حکمت پر مبنی ہے اسے سمجھ لینے سے یہ مسئلہ صاف حل ہو جاتا ہے پس ناظرین غور سے سنیں۔

نکاح ایک مصنوعی تعلق ہے قدرتی نہیں ہے یعنی جس طرح انسان کا تعلق ماں باپ بہن کے ساتھ قدرتی ہے اسی طرح بیوی کے ساتھ قدرتی نہیں ہے۔ اس کی مثال باکل واضح ہے کہ مسلمانوں میں چچا زاد اور ماموں زاد بہنوں سے رشتہ نکاح جائز ہے جب تک عقد نکاح نہ ہو جائے وہ لڑکی چچا زاد بہن تو ہے مگر مشکوٰۃ بیوی نہیں ہے۔ انہی معنی میں عقد نکاح کو قدرتی نہیں بلکہ مصنوعی کہا جاتا ہے اور جو تعلق مصنوعی ہو وہ قابل انفکاک (ٹوٹنے والا) ہوتا ہے۔ اس کے برعکس قدرتی تعلق ناقابل انفکاک (نہ ٹوٹنے والا) اسی لئے باپ بیٹے کی مذہبی تبدیلی کی وجہ سے نسبت ولایت معدوم یا منسوخ نہیں ہو جاتی۔ مگر ازدواجی تعلق تبدیل نہ سبب سے ٹوٹ جاتا ہے۔ موسوی شریعت تو عام طور پر طلاق کی اجازت دیتی ہے۔ مسیح نے بھی عورت کے برکار ہو جانے کی حالت میں طلاق دینے کی اجازت دی ہے چنانچہ مسیح کے الفاظ یہ ہیں :-

یہ بھی کہا گیا تھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے اسے طلاق نامہ لکھ دے لیکن میں

تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ

دے وہ اس سے زنا کرتا ہے (متی باب ۵، ۳۱-۳۲)

یہ دونوں ارشادات (موسوی اور عیسوی) اسی اصول پر مبنی ہیں جو ہم نے عرض کیا ہے کہ

کاح مصنوعی تعلق ہونے کی وجہ سے قابل انفکاک ہے۔ جس پر عمل در آمد صرف
تحت ضرورت کے وقت جائز قرار دیا گیا ہے۔ معمولی کراہت طبعی یا ناراضگی کو موجب
تلق نہیں ٹھیرا گیا بلکہ اس کے تعلق صاف ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السُّبُلَ الَّتِي كَفَرُوا بِهَا لَعَنَ اللَّهُ مَن تَبِعَهَا مِنْ ذَكَرِهَا عَنِ اللَّهِ إِنَّا جَاهِلُونَ
و۔ اگر تم ان کو کسی وجہ سے ناپسند کرو تو بھی نباہ کر تے رہو کیونکہ بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو
پسند کرو اور خدا اسی میں بہت سی خیر و برکت پیدا کر دے۔

طلاق کی کردہ صورت ہر وقت باذری صاحب کی آنکھوں میں پھرتی ہے۔ وہ کوئی
می عنوان قائم کریں اس کے ذیل میں طلاق کا ذکر ضرور کرتے ہیں چنانچہ مثلاً پر آپ نے
س باپ کی جہت یا والدینی جہت کا عنوان قائم کر کے مثلاً پر طلاق کی بحث دوبارہ
موضوع کر دی ہے اس کے ضمن میں آپ لکھتے ہیں کہ:-

عکس اللہ نے صاف تعلیم دی ہے کہ زنا کا گناہ از دواج کے پاک رشتے کو خود بخود
ٹوڑ دیتا ہے کیونکہ اس سے پاک رشتہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ (منہ)

عیب | یہ الفاظ مسیح کے نہیں ہیں۔ آپ کے اصل الفاظ نقل ہو چکے ہیں کہ:-
"جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے وہ اس سے
زنا کرتا ہے۔"

یہاں ہم صرف اتنا پوچھتے ہیں کہ ان صورتوں میں مرد کیا کرے:-

- (۱) کسی مرد کی بیوی غیر مرد کے ساتھ سیر کرنے جاتی ہو۔
- (۲) غیر مرد کے ساتھ ہنسی مذاق کرتی ہو یا خفیہ خط و کتابت کرتی ہو۔
- (۳) چوری کرنے کی مادی ہو۔
- (۴) بد اخلاقی سے گالی گلوچ کرتی ہو۔
- (۵) خاوند کی پہلی بیوی کے بچوں سے دشمنی رکھتی ہو۔
- (۶) خاوند کے والدین یا دوسرے معزز رشتہ داروں کی توہین کرتی ہو۔

(۷) اپنے پرلٹے سے خواہ مخواہ لڑنے جھگڑنے کی عادی ہو۔

ان جیسی تمام صورتوں میں مرد کو انجیل کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ ایسی بیوی کو اپنی گردن کا طوق بنا کر اپنی زندگی کو ہمیشہ مصیبت میں مبتلا رکھے۔ یا غلصی کی کوئی راہ اختیار کرے۔ قانونِ قدرت کو ملحوظ رکھ کر جواب دیجئے۔

ایسے واقعات ہمارے مشاہدے میں کثرت آئے ہیں کہ مرد عورت میں ناچاقی اور سوء مزاجی بعض دفعہ طبعی طور پر ہوتی ہے اور بعض دفعہ قدرتی طور پر۔ طبعی طور پر تو یوں ہوتی ہے کہ مرد یا عورت اپنی شکل و ثباہت میں اس درجہ پر ہوتے ہیں جس کا ذکر شیخ سعدی نے اپنے ایک شعر میں یوں کہا ہے۔

تو کوئی تا قیامت زشت روئی برو ختم است و بر یوسف نکوئی

اس قسم کا ایک واقعہ زمانہ رسالت میں بھی پیش آیا تھا۔ اس کی مختصر تشریح یوں ہے کہ ایک عورت نے دربارِ نبوی میں آکر شکایت کی کہ حضور! میں اپنے خاوند کے دین اور اخلاق میں کوئی نقص نہیں پاتی مگر جب وہ میرے سامنے آتا ہے تو میرا دل چاہتا ہے کہ اس کے منہ پر پتھر دوں۔ حضور نے اس عورت کا عذر معقول قرار دے کر اس کو خاوند سے علیحدگی اختیار کرنے کی اجازت دے دی۔

قدرتی اسباب کے کیس بھی ہمارے سامنے بہت آئے ہیں۔ مثلاً مرد غرض، نکاح کے لحاظ سے ناقابل ہے یا آوارہ گرد ہے یا کسی خاص مرض میں مبتلا ہے۔ زفریقین جو ان میں پھر کیا پادری صاحب ان دونوں قسم کے اسباب میں انجیل مرقس باب ۱۰: ۲ کو پیش کر کے بیوی خاوند کو ہی حکم دیتے جاتے ہیں گے کہ تم دونوں ایک تن ہو کر رہو۔ واللہ اگر آپ یہی کہیں گے تو وہ آپ کو جواب میں یہ شعر سنا دیں گے۔

شب فراق کی ہم جانیں یا خدا جلنے
بلاکشوں پر جو گزرے تیری بلا جانے

ایسی ہی صورتوں میں قرآن مجید اور شریعت سابقہ نے اگر اس مصنوعی تعلق کو قابلِ انفکاک قرار دیا ہے تو کیا جرم کیا ہے؟ اس ضمن میں پادری صاحب نے تعدد ازواج پر

بھی بحث کی ہے۔ مگر قدرت کا عجیب تصرف ہے کہ اندر ہی اندر اپنا کام کر جاتا ہے اور فاعل کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ آپ کی ساری بحث کا منحصر یہ ہے جو آپ فرماتے ہیں۔

چونکہ ازدواجی تعلقات درحقیقت بچوں کی شخصیت کی نشوونما اور ترقی کا ذریعہ ہیں لہذا لازم ہے کہ یہ تعلقات صرف ایک زوجہ سے متعلق ہوں اور مدت العمر بائمار ہوں (مشک)
عجیب اس اقتباس میں پادری صاحب سے ایک لفظ چھوٹ گیا۔ جس کا اضافہ پادری صاحب کی منقولہ عبارت کے خلاف نہیں بلکہ ضروری ہے اس لفظ کو ساتھ ملا کر عبارت یوں ہونی چاہیے کہ

ازدواجی تعلقات درحقیقت قضائے حاجت نفسانی اور اولاد کی پیدائش اور بچوں کی شخصیت کی نشوونما کا ذریعہ ہیں۔

یہ عبارت انہی لفظوں میں ہونی چاہیے کیونکہ یہی مضمون قانون قدرت کے مطابق ہے۔ اس پر یہ نتیجہ پیدا کرنا کہ صرف ایک زوجہ سے تعلق ہو کسی طرح صحیح نہیں بلکہ اصل مقصد کے خلاف ہے۔ بطوریکہ کہ کسی کی منکوحہ عورت بانجھ یا دائم المرخص ہو تو اس کا ہمارا اولاد کی غرض سے کیوں دوسرا نکاح نہ کیے۔ ایک اور مثال یہ حفظ کیجئے۔

جنوری سنہ میں کوئی عورت حاملہ ہوئی۔ نو ماہ تک حمل رہا۔ عام دستور کے مطابق ولادت کے بعد وہی عورت اپنے بچے کو دودھ پلانے لگی۔ کیونکہ اس کے پستانوں میں دودھ قدرت نے اسی غرض سے پیدا کیا ہے۔ پس یہ تین سال کے گیس بھگ کا زمانہ تولید اولاد (بچے پیدا کرنے) کے لئے موزوں نہیں ہے اور اسی تولید اولاد کو آپ نے جہلت تولید سے تعبیر کر کے زریب عنوان کیا ہے۔

پس ضروری ہے کہ اس شخص کو ہمیشہ ملحوظ رکھا جائے۔ ایسی حالت میں آپ کا نتیجہ کسی طرح صحیح نہیں کہ ایک ہی عورت سے نکاح کیا جائے۔ اگر کسی شخص کی متعدد بیویاں ہیں جو صاحب اولاد بھی ہیں اور اپنی اپنی اولاد کی پرورش بھی کرتی ہیں تو اس میں عقل سلیم کی رود سے کون سی قباحت لازم آتی ہے۔ قدربرا!

دہلی کے علماء میں سے ایک صاحب مولوی محمد جو ناگر طہی حال ہی میں فوت ہوئے ہیں آپ کی تین بیویاں زندہ ہیں جن کی اولاد انیس کس ہیں۔ آپ کی تینوں بیویاں ان کی زندگی میں بھی بطیب خاطر اپنی اپنی اولاد کی پرورش کرتی تھیں اور اب بھی کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی مرد اس قدر جسمانی اور مالی طاقت رکھتا ہے کہ ایک بیوی اس کی ضرورت کو کفایت نہیں کر سکتی تو وہ کیوں دوسری عورت سے نکاح نہ کرے۔

نمونہ انبیاء | حضرات انبیاء کرام امت کے لئے اسوۂ حسنہ (اچھا نمونہ) ہوتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں تو بائبل میں ہیں مگر ہمارے کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی متعدد بیویاں تھیں۔ ملاحظہ ہو سموئیل باب ۱۰ اور اسلاطین باب ۱۱۔ ان کے اس فعل پر بائبل میں کوئی تلامت نہیں ہے کیونکہ یہ فعل کسی قانون قدرت کے خلاف نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ از دواج شریعت الہیہ کے خلاف نہیں ہے پھر معلوم نہیں کہ پادری صاحب کا غیظ و غضب کس بنا پر ہے اور یہ فقرہ کس طرح صحیح ہے کہ :-

از دواج کی نسبت جو تعلیم کلمۃ اللہ نے دی ہے صرف وہی فطرت کے لوازمات کے

مطابق ہے کیونکہ وحدت از دواج اور اس تعلق کی مدت العمر پایداری اور قیام ہی

نوع انسانی کی بقا اور ترقی کا موجب ہو سکتی ہے۔ (۳۸)

اس عبارت کا جواب ہمارے سابقہ بیان میں آ گیا ہے۔

اظہار تعجب | پادری صاحب نے جلیت جنسی یعنی از دواج کو جتنی اہمیت دی ہے اتنی اور کسی جلیت کو نہیں دی۔ اسی کے متعلق آپ نے کہا ہے کہ انسانی معاشرت کے لئے یہ جلیت نہایت اہمیت رکھتی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ بیاہ اور از دواج کا وجود نہایت ضروری ہے (۳۹)

غالباً اسی لئے پادری صاحب کے دل میں کھٹکا ہوا کہ اس سے تو سچی مذہب پر جب کا گولہ پڑے گا۔ کیوں کہ حضرت مسیح ساری عمر مجرور رہے۔ انہوں نے جلیت جنسی کا تقاضا پورا نہیں کیا۔ جب بائبل مذہب ہی نے خلاف فطرت زندگی بسر کی تو اس کی تعلیم کا

۱۵۴ آپ کی وفات ۲۸ فروری ۱۹۱۸ء مطابق یکم صفر المصفر ۱۳۳۷ھ کو ہوئی۔ ۲۸

کیا حلال ہو گا حالانکہ آپ خود ہی لکھ چکے ہیں کہ مسیح نے اپنے پیچھے کوئی کتاب نہیں چھوڑی بلکہ اپنا اسوہ چھوڑا (مسیحیت کی عالمگیری ص ۱۱۱۱) ایضاً تا۔ (ص ۱۱۱۱) اس سوال کے جواب میں پادری صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ اُنہی کے الفاظ میں بالاختصار درج ذیل ہے۔

’منجی کو نین (مسیح) نے اس جبلت کی تمام کی تمام توانائی اور عظیم طاقت کو راہِ خدا میں خرچ کر دیا۔ خدا نے آسمان کی بادشاہت کو دنیا میں قائم کرنے کی مبارک خدمت آپ کے سپرد کی تھی۔ پس آپ نے اپنی ساری عمر کو بے نظیر اختیار نفسی کے ساتھ فی سبیل اللہ وقف کر دیا، (ص ۱۱۱۱)

مجیب | مطلب یہ ہے کہ مسیح کا مدت العمر بے نکاح رہنا ان کی خاص دینی خدمت کی وجہ سے خاص ہم نہیں سمجھتے کہ پادری صاحب اپنے پہلے دعوے کو کیوں بھول گئے ہیں میں بلا استثناء تعلق از دواج کو ضروری قرار دیا تھا۔ اب اس سے استثناء کر کے اپنے دعوے کو کیوں کمزور کر دیا۔ خیر ہیں اس سے بھی تعرض نہیں۔ ہاں اس عبارت سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ امت کے ہر فرد اپنے مقتدا کی اتباع کرنے کا مجاز بلکہ مامور ہے پس ثابت ہوا کہ ہر مسیحی پر واجب ہے یا کم سے کم اس کے لئے بہتر ہے کہ وہ ساری عمر کے لئے تہجد اختیار کرے۔ علاوہ اس کے ہم پوچھتے ہیں کہ دین الہی کی خدمت کرنے کے لئے مسیح سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام دنیا میں آئے ہیں اور ان کی تبلیغ سے نسبت اتباع مسیح کے بہت زیادہ لوگ مستفیض ہوئے۔ اس کے باوجود انبیاء کرام اہل دعیال بھی کہتے تھے۔ قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر آیا ہے

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُم مَّا زَوْجًا وَذُرِّيَّةً (پا۔ ص ۱۱۱۱)

(اے پیغمبر! ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھیجے ان کے لئے بیویاں اور اولادیں بنائیں) تعجب ہے | پادری صاحب ذہب میسوری کی کمزوری اپنے زورِ کلام سے دبانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ:-

لہ ایتار کے ساتھ نفسی لکنا غلط ہے، چاہے کوئی لکھے یا ایتار نفس لکنا چاہیے ۱۱ منہ

”قرآن مجید میں اللہ کی ذات کی نسبت آیا ہے۔ لہذا یہ دعا اور دعا کی دعا
صاحبہ یعنی نہ وہ بنا گیا ہے اور نہ اس نے کسی کو بنا ہے اور نہ اس کی کوئی جود
چونکہ کلمۃ اللہ کو ہر طرح کی مناسبت صرف خدا کے ساتھ ہے لہذا دنیاوی اختیار سے
نہ آپ کا کوئی باپ ہو سکتا تھا نہ کوئی اولاد اور نہ کوئی جود۔ (ص ۵)

محبیب | قرآن مجید کے تین لفظوں میں سے ایک لفظ جو آپ کے دعوے کے صریح خلاف
تھا اس کو آپ چھوڑ گئے۔ وہ لفظ لَوِیْکُمْ دُہے جس کے معنی ہیں کہ خدا کسی سے پیدا نہیں
ہوا۔ اس کے برعکس مسیح کی نسبت انجیل میں آیا ہے کہ:-

یسوع مسیح کی پیدائش یوں ہوئی الخ (انجیل متی باب اول)

اس صفت کو یوں پر بھی تو کچھ توجہ کی ہوتی۔ ایسا آپ کیوں کرتے جبکہ مسیحیت کی الوہیت
توڑنے کو یہی صفت کافی تھی۔ جو آپ کو کسی طرح پسند نہیں۔ اسی کو کہتے ہیں۔

ع دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھلے

مقام مست | مسلمان اس موقع پر جس قدر خوشی کا اظہار کریں بجا ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام
نے اس خصوص میں اپنا نمونہ جو دکھایا ہے وہ حضور کے کمالات میں سے اعلیٰ کمال ہے اپنی
ساری عمر دینی خدمت میں صرف کر دی۔ جاہل اقوام سے جو تکالیف اٹھائیں وہ سب کو معلوم
ہیں۔ ایک طرف بت پرستوں سے مقابلہ ہے تو دوسری طرف یہودیوں سے اور تیسری طرف خدا
کے منکرین (دوہروں) سے، چوتھی طرف تین مہودوں کے ماننے والے عیسائیوں سے۔ ان مشکلات
کے باوجود آپ زن و فرزند کے ساتھ صاحب عیال نظر آتے ہیں کیا مجال کہ عیال داری خدمت
دین سے کسی طرح مانع ہو سکے۔ انہی معنی میں کہا گیا ہے ۵

حسن یوسف دم علیہ بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری
اس سے آگے پادری صاحب نے اپنی عادت کے مطابق طول کلامی سے کام لیتے ہوئے
اسی مضمون کو ربر کی طرح کھینچ کر مہ تک پہنچا دیا۔ جس کا جواب ہماری تحریر میں آچکا ہے
ہاں اسی ضمن میں آپ نے یہ دعوے بھی کیے ہیں کہ

۱۵ آیت اسی طرح مرقوم ہے (محبیب)

(۱) نکاح منع قرآن سے ثابت ہے۔
(۲) نکاح منع اور زندگی بازی میں فرق نہیں۔ (مش)

چیلنج | فقرہ نمبر اول کو ہم تسلیم نہیں کرتے۔ اس لئے ہم پادری صاحب کو چیلنج دیتے ہیں کہ آپ لاہور میں جلسہ منعقد کر کے قرآن مجید کے تن میں سے متعے کا ثبوت دیں تو ہم شکرگزاری کے علاوہ کچھ مٹھائی بھی پیش کریں گے۔

لطیفہ | ایک عیسیٰ واعظ کے ساتھ تثلیث پر گفتگو ہو رہی تھی۔ موصوف نے کہا کہ آپ خواہ مخواہ تثلیث کا انکار کرتے ہیں تثلیث تو مسلمانوں کی بسم اللہ میں بھی پائی جاتی ہے دیکھئے اللہ، رحمان اور رحیم تین الفاظ میں اور تینوں کا مصداق ہے۔ بس یہی تثلیث ہے۔

ایسے ہم قرآنی کی دوسری مثال یہی ہے جو قرآن مجید سے منع کے ثبوت میں پادری بکت اللہ صاحب کی تحریر میں ہمیں ملتی ہے۔ غنیمت ہے کہ آپ قرآن پڑھتے ہیں ہم آپ کو مشورہ دیتے ہیں کہ قرآن خوانی کے وقت قرآن کو اپنی ریشے کے ماتحت نہ کیا کریں۔
ورنہ کہا جائیگا۔

گر تو قرآن بریں نمونہ خواہی بسری دعوتے ہمہ دانی
آگے چل کر پادری صاحب نے ص ۲۴ پر یہ عنوان قائم کیا ہے

والدینی جبلت کی خصوصیات

یہ عنوان اپنے معنی بتانے میں صاف ہے کہ اس کے ماتحت والدین اور اولاد کے تعلقات مذکور ہوں گے مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ پادری صاحب ایسے صاف عنوان کے ماتحت (جو انہوں نے خود ہی قائم کیا ہے) مثلاً طلاق کو زبردستی گھسیٹ لئے ہیں۔ ملاحظہ ہو ص ۲۴ تا ص ۲۵ خیر یہ تو آپ جانیں اور آپ کا کام۔ آپ کی تصنیفات پہلے میں شائع شدہ ملتی ہیں وہ خود اندازہ کر لے گی۔ اس عنوان کے ماتحت آپ نے عجیبے غریب رنگ دکھائے ہیں۔ ہم ناظرین کی ضیافتِ طبع کے لئے کچھ عبارت نقل کرتے ہیں۔ اس سے آپ اندازہ کر لیں گے کہ پادری صاحب اسلام اور اہل اسلام پر ظلم

کرتے ہیں یا اپنے علم و دیانت کا اظہار فرماتے ہیں چنانچہ آپ کہتے ہیں کہ :-
 "ماں باپ کی جہت کے عمل میں جب ممانعت یا مزاحمت ہوتی ہے۔ تو اس سے غصہ
 ظہور میں آتا ہے اور یہ انسان کی معاشرتی زندگی کے لئے نہایت اہمیت رکھتا ہے
 مثلاً جب کوئی ہمارے بچوں کے ساتھ مزاحمت کرتا ہے تو ہم کو طیش آتا ہے، یہ غصہ
 غضب اور جوش و خفقان تمام اخلاقی ناموسوں اور اخلاقی استخار کی جڑ ہے۔ جو
 بچوں یا بیکس لوگوں یا نادانوں کی تکلیف یا ان پر ظلم اور زیادتی دیکھ کر ہمارے دلوں
 میں پیدا ہوتی ہے۔ دورِ حاضرہ میں انسان کی معاشرتی زندگی میں اس جہت کا میدان
 بہت وسیع ہو گیا ہے اور لطیف اور نازک جذبے اسی جہت کی وجہ سے براگتے
 ہوتے ہیں۔ مثلاً غلامی کے خلاف تحریک۔ بچوں۔ حیوانوں۔ اچھوتوں اور ظلم کی
 بندش اور ممانعت کی انجمنوں کا قیام۔ کاشتکاروں کے غلامانہ سلوک کا انسداد
 وغیرہ وغیرہ اسی کی وجہ سے ہیں۔ یہ نازک جذبات ہم کو مصیبت زدوں کے رفیق بنا
 دیتے ہیں۔ اور بھدڑی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ آپ کی مصیبت کو کم یا ختم
 کر دیا جائے۔ پس ماں باپ کی جہت یا والدینی جہت صرف والدین کی شفقت
 کی ہی ماخذ نہیں۔ بلکہ جملہ نازک جذبات کی ماخذ ہے۔ چنانچہ خیرات اور
 سخاوت کا ظہور، شفاخانوں کا اجرا اور زرخیر کا خسر ج وغیرہ بھی اسی جہت
 کی وجہ سے ہیں۔" (ص ۱۵۸)

مجیب | کوئی صاحبِ علم ہیں تباہے کہ والدینی جہت یعنی والدین کی فطرت کا تقاضا ان
 سب شاخوں کو حاوی ہو سکتا ہے۔ غلاموں کی آزادی کی خواہش، حیوانوں کی حفاظت
 اور اچھوتوں کی ترقی کا خیال کیا یہ سب شاخیں والدینی فطرت پر مبنی ہیں۔ ہم پادری
 برکت اللہ صاحب سے نہیں بلکہ علمائے مسیحیہ سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے ایسے انسان
 دیکھے ہوں گے جو باوجود بے اولاد ہونے کے غلاموں کی آزادی چاہتے ہیں۔ اچھوتوں
 کی ترقی کے خواہاں ہیں۔ کاشتکاروں سے حسن سلوک کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ غریبوں
 اور مسکینوں کے ساتھ مروت اور نیک سلوک سے پیش آتے ہیں۔ پھر ان باتوں کو والدینی

ت پر متفرع قرار دینا کہاں کا فلسفہ ہے۔ آگے چل کر اسی عنوان کے ماتحت اپنے
 پر والدینی جہلت اور طلاق، مسیحیت اور طلاق اور صلہ پر اسلام اور طلاق وغیرہ ضمنی
 بیان لکھ ماری ہیں اور صلہ پر لکھا ہے جہلت والدینی کی راہ میں طلاق کی اسلامی تعلیم
 کا ناقابل گذر کاوٹ ہے۔

پھر جی خوش کرنے کو خود ہی یہ نتیجہ نکال رہے کہ
 پس اسلام دین فطرت نہیں ہو سکتا (چلو چھٹی شد)
 بڑی طول کلامی کے بعد آپ اصل لائن پر آگئے ہیں۔ پنا نچھتے ہیں:-
 "والدینی جہلت اور بچوں کے فرائض"

عنوان کے ماتحت آپ نے تسلیم کیا ہے کہ
 انجیل اور قرآن میں فرزندوں کے فرائض اور ذمہ داریوں کے متعلق احکام ہیں (ص ۸۷)
 موقع پر جملہ معترضہ کی صورت میں ہم ایک فقرہ کہنا چاہتے ہیں کہ انجیل میں بچوں کے
 فرائض نہیں ہیں۔ اگر ہوتے تو جناب یسوع مسیح ان پر ضرور عمل کرتے۔ حالانکہ بقول یوحنا مسیح
 اپنی والدہ کو نہ کو ناک جوں چڑھا کر مخاطب کیا تھا وہ قصہ سننے کے قابل ہے۔ اصل
 مانظ یہ ہیں:-

تیسرے دن قائلے میں کسی کا بیاہ ہوا اور یسوع کی ماں وہاں تھی اور یسوع اور
 اس کے شاگردوں کی بھی اس بیاہ میں دعوت تھی اور جب شراب گھٹ گئی۔ یسوع کی
 ماں نے اس سے کہا کہ ان کے پاس سے نہ رہی۔ یسوع مسیح نے اس سے کہا ہے
 عورت مجھے تجھ سے کیا کام میرا وقت ہنڈ نہیں آیا۔ (یوحنا باب ۲)
 ظہرین! اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ الفاظ کہہ لے عورت مجھے تجھ سے کیا کام، ادب کے ہیں
 یا سوہ ادبی کے؟ پادری صاحب کی طرف سے یہ عذر ہو سکتا ہے کہ وہ مجلس شراب خوری
 میں تھی اس لئے اس کے اثر سے اگر یہ فقرہ منہ سے نکل گیا ہو تو قابل در گذر ہے شیخ سعودی
 نے بھی اسی لئے کہا ہے ع

مقتب کرے خورد معذور دار دست را

اس کے مقابلہ میں قرآن مجید کی تعلیم سننے، اولاد کو حکم ہوتا ہے۔

لَا تَقْرَأُ لَهَا آتٍ وَلَا تَنْهَرُهَا وَقُلْ لَهَا قَوْلًا كَرِيمًا (پ۔ ۱۷ - ع)

اسے لوگو! اپنے والدین کو آت (ہوں) بھی نہ کہا کرو اور نہ ان کو تہنکارا کرو بلکہ ان کو عزت سے خطاب کیا کرو۔

اس موقع پر ہم یہ کہنے سے نہیں رک سکتے کہ پادری صاحب نے قرآن مجید کو اس نعمت و تدبیر سے نہیں پڑھا جس کا وہ حقدار ہے۔ سننے خود قرآن میں مذکور ہے کہ قرآن دانی کے دو درجے ہیں۔ ایک درجہ تلاوت ہے جس کا ذکر تِلْوَاتِ كِتَابِ اللَّهِ کے الفاظ طیبہ میں ہے۔ دوسرا درجہ تدبر و غور کا ہے جس کے متعلق ارشاد ہے :-

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَنْ أُمِرَ عَلَى قُلُوبِ أَهْلِهِمْ (پ۔ ۱۷ - ع)

یہ آیت صاف لفظوں میں ارشاد کر رہی ہے کہ قرآن خوانی سے اوپر بھی ایک درجہ ہے جس کا نام تدبر ہے۔ یعنی قرآن مجید میں گہری نظر سے غور کرنا۔

ہم بلا تعصب کہتے ہیں کہ ہم نے مخالفین اسلام کو آریہ ہوں یا عیسائی۔ زیادہ سے زیادہ تلاوت کے درجہ تک پہنچا ہوا پایا ہے۔ ان میں سے کئی ایک تو اس سے بھی نچلے درجے میں ہیں خیر یہ مقام اس گلہ کی تفصیل کرنے کا نہیں ہے۔ درتہ ہم عیسائیوں کے متعلق بھی بہت ہی گھٹیا درجے کی مثالیں پیش کرتے جیسا کہ ہم نے آریوں کے متعلق ایک مستقل رسالے میں دکھائی ہوئی ہیں جس کا نام ہے سوامی دیانند کا علم۔

اب اصل سوال کا جواب سنئے! قرآن مجید میں بچوں کی بائوں کو ارشاد ہے :-

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ (پ۔ ۱۷ - ع)

مائیں اپنی اولاد کو دو سال تک (دودھ پلائیں)

یہ حکم کیسا صحیح اور قانون قدرت کے موافق ہے چونکہ ماؤں کے ذمے دودھ پلانے کی خدمت لگانی گئی ہے۔ اس لئے باپوں کو ارشاد فرمایا۔

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (پ۔ ۱۷ - ع)

لہٰذا کیا یہ لوگ قرآن مجید پر تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔ ۱۲ - ۱۳

یعنی بچوں کے باپوں پر باپ ہونے کی حیثیت سے واجب ہے کہ عورتوں کو تمام حرام چیزیں
اور سننے! ہر مسلمان کو بلکہ ہر انسان کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ تم اپنے ماں باپ کے حق میں یوں
دعا کیا کرو۔ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْتَنِي صَغِيرًا (پٹ - ع) اے میرے خدا

میرے ماں باپ پر رحم کر جیسا کہ انہوں نے میری پرورش کی جبکہ میں کم سن بچہ تھا۔
یہ آیت اشارۃ النص کے طریق پر بچوں کی پرورش کرنا ماں باپ کا فرض تیار ہی ہے کیونکہ
بیٹا اس نسبت کو ملحوظ رکھ کر ماں باپ کے لئے دعا کرتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ماں باپ
کی تربیت حسب حیثیت اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے جس میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوتی۔ آپ
نے حضرت مسیح کا قول نقل کیا ہے کہ کسی بچے کو ناچسپ نہ جانو۔ آپ قرآن مجید
پر تہ تبرکتے تو اس سے بڑھ کر پاتے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ عرب میں نصف اولاد
(ڈکیوں) کو نہایت مکروہ سمجھتے تھے۔ جس کا نقشہ مولانا حالی مرحوم نے اس بند میں
دکھایا ہے۔

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دستر تو خوف شہادت سے بے رحم مادر
پھرے دکھتی تھی جو غاوند کے تیور کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جا کر

وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی

جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

اس رسم قلع کے متعلق جو ارشاد باری پہنچا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:-

لَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۗ سَنَرُدُّكُمْ وَإِذْ لَمْ

أَنْ تَتْلَهُمْ كَانَتْ خَطَايَا كَبِيرًا (پٹ - ع)

اپنی اولاد کو بھوک کے خوف سے مت قتل کرو ہم ہی رزق دیں گے ان کو بھی

اور تم کو بھی بے شک ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے

پھر اس ممانعت ہی پر نمانعت نہیں کی بلکہ روز قیامت کا ہیبت ناک نظارہ سامنے لا کر

ارشاد فرمایا:- وَإِذْ الْمُرُودَةُ سَأَلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ (پٹ - ع)

(اس زینو گاڑی ہوتی بچی کے متعلق سوال ہوگا کہ کس حبرم کی پاداش میں قتل کی گئی)

کس قسم کا ہیبت ناک نظارہ ہے۔ امیر خسرو مرحوم نے اسی طرح کو لے کر کیا ہی لطیف شعر کہا ہے۔ آپ اپنے محبوب کو مخاطب کر کے کہتے ہیں

بروز حشر گر پر سسند خسرو را چرا کشتی

چہ خواہی گفت قربانت شویم تا من ہماں گوئم

ناظرین! ان ہر دو ارشادات کو ملاحظہ فرمائیں کہ قرآن مجید نے جبکہ صنف نازک (عورت) کی حفاظت کے متعلق احکام دیئے ہیں تو اس سے ایک بڑا آدمی اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ اولاد و زینہ کی حفاظت کہاں تک ملحوظ ہوگی۔ اسی لئے لڑکیوں کے قتل کی ممانعت کے موقع پر لَا قُتِلُوا بِنَاتِكُمْ نہیں فرمایا بلکہ لَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ اِرشاد فرمایا۔

تاکہ یہ حکم اولاد کی دونوں صنفوں (لڑکے اور لڑکی) کو شامل ہو جائے۔ ہم نے اپنے دعوے کو آیت سے استنباط ہی نہیں کیا بلکہ دیکھانی کا صریح لفظ پیش کر دیا جو ماں باپ کا فعل ہے اور یہ بات قرآن دان حضرات سے مخفی نہیں ہے کہ قرآن مجید کا اسلوب بیان مختلف ہے بعض جگہ تو صراحتاً صیغہ امر و نہی سے حکم دیتا ہے اور بعض جگہ حمل خبریہ کی صورت میں حکم یا منع ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:-

(۱) وَعِبَادًا لِلرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلٰى الْاَرْضِ هٰؤُنَا ۙ (پ۔ ۱۹۔ ع)

(۲) وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ الْاَبْلٰحٰى وَلَا يَزْنُوْنَ ۙ (پ۔ ۱۹۔ ع)

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں:-

”والدینی جبلت اور ذات الہی“

اس سرخی کے نیچے آپ یوں گویا ہوئے ہیں:-

خالق نے والدینی جبلت ہماری شریعت میں ودیعت فرمائی ہے پس اس جبلت کے

تقاضاؤں کو انسان بخوبی جانتا ہے۔ پس اگر کوئی غیب ایسا ہو جو اس جبلت کے ذریعہ

خدا کی ذات کا علم ہم پر منکشف کرے تو ہم اس علم کو جان سکیں گے۔ چونکہ یہ جبلت دیگر

۱۰ خواٹے رحمان کے نیک بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی سے چلتے ہیں ۱۲۰ منہ

۱۱ نیک بندے وہ ہیں جو کسی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا کاری کا ارتکاب کرتے ہیں ۱۲۰ منہ

جنتوں سے قوی اور طاقت ور ہوتی ہے۔ لہذا اگر کوئی مذہب خدا کی ذات و صفات
علم جنت والدینی کے ذریعہ ہم پر ظاہر کرے تو ہم کو اس جنت کے ذریعہ خدا کی ذات
صفات کا علم زیادہ حاصل ہو سکتا ہے۔ (مش)

مجیب | معلوم نہیں پادری صاحب اسلام کی مخالفت میں کیوں ایسی ردش اختیار
کئے ہیں جس کو کوئی عقل مند پسند نہ کرے۔ ہمارا گمان ترقی کر رہا ہے (مگر ہماری
دلی خواہش ہے کہ آپ جیسے ذی علم مصنف کے حق میں یہ گمان غلط ہو کہ آپ اپنے
تجویز کردہ عنوانات کو خود نہیں سمجھتے۔ ایک مثال کے ذریعہ ہم اس کی تشریح کرتے ہیں۔
غور سے سنئے۔

مثال | ایک شخص (زید) کسی ٹیکہ بیٹھتا ہے۔ اس کے سامنے اس کا باپ ہے۔ اس کے
ساتھ ہی دائیں طرف اس کی بائیں اور بائیں طرف اس کا خسر، ساس اور سالی
ہیں۔ پیچھے کی طرف اس کا بیٹا ہے جس کے ساتھ اس کا ایک دوست اور ایک دشمن
ہے۔ زید جو درمیان میں بیٹھا ہے۔ اس کی چھتیں اور تعلقات مختلف ہیں۔ باپ کے
ساتھ اس کا جو قدرتی تعلق ہے جس کو پادری صاحب جنت کہتے ہیں، وہ بیٹے کے
ساتھ نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس ہے۔ یعنی زید اپنے باپ کے لئے مطیع اور اپنے
بیٹے کے لئے مطاع ہے۔ اسی طرح زید کے ساتھ ماں کا تعلق ساس کے تعلق سے
مخالف ہے اور بیوی کا تعلق بہن کے تعلق سے مخالف ہے۔ ان سب تعلقات کے احکام الگ
الگ ہیں۔ لیکن پادری صاحب اسلام پر نہیں بلکہ اپنے علم پر بھی ظلم کرتے ہیں کہ والدینی
جنت میں تصور الہی کو داخل کرتے ہیں حالانکہ خالق و مخلوق کا تعلق انسان کے باہمی
تعلقات سے بالکل الگ ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ ہمارے مشاہدہ میں بہت سے
لوگ ہیں جو خدا سے منکر ہیں مگر ماں باپ کی عزت کرتے ہیں۔ اور بہت سے لوگ
والدین کے تو ذرا بردار ہیں مگر بچوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اس کے برعکس بعض بچوں پر
جان فساد کرتے ہیں مگر والدین کے سخت نافرمان ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ
اپنی عیش پسندی کی وجہ سے والدین کے بھی نافرمان ہوتے ہیں اور اپنے بچوں سے بھی

بے پردا۔ الغرض یہ سب تعلقات الگ الگ ہیں۔ اس لئے ان کے ثمرات بھی جداگانہ ہیں۔ اہل علم کے نزدیک اس کی مزید تفصیل کی ضرورت نہیں ورنہ ہم بہت کچھ دکھاتے پس آپ کا جبلیت والدین میں تصور الہی کو داخل کرنا علم کی شان سے بعید ہے۔

چونکہ پادری صاحب تصور الہی کو جبلیت والدین میں داخل کر چکے ہیں اس لئے اس کا جواب دینا ہمارے خیال میں مناسب ہے۔ گو ضروری نہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

والدینی جبلیت اور مسیحی اور اسلامی تصور خدا مسیحیت کے دین فطرت ہونے

کا یہ تین ثبوت ہے کہ ہم خدا کی ذات کا علم اس طور پر حاصل کر سکتے ہیں۔ مسیحیت کی یہ تعلیم ہے کہ خدا بنی نوع انسان کا باپ ہے۔ پس ہر انسان اپنی والدینی جبلیت کے ذریعہ خدا کی ذات کا تصور قائم کر سکتا ہے اور اپنے تجربہ کی بنا پر خدا کی محبت اور اس کے ایشار کا اندازہ کر سکتا ہے۔ (مرتبہ)

مجیب خدا کو اب یارب کہنے کی بحث کتاب ہذا میں ۲۷ سے ۲۹ تک ہو چکی ہے جس سے ثابت کیا گیا ہے کہ خدا کو اب کہنا کسی طرح صحیح نہیں۔ مزید تشریح کے لئے پادری صاحب کو ان کی کتاب دین فطرت کے صفحہ ۳ پر توجہ دلائی جاتی ہے جہاں انہوں نے اپنی کتاب مقدس پیدائش کی عبارت ادھوری نقل کی ہے اور ہم نے کتاب ہذا میں پر پوری نقل کر کے تصدیق کا دوسرا رخ دکھایا ہے۔ اصل عبارت نقل کرنے سے پہلے ہم واقعات کی شہادت پیش کرتے ہیں کہ انسان کی اولاد کی اکثریت ماں باپ کی نسل نامتناس ہے۔ کتاب مقدس تورات کا بیان بصورت پیش گوئی اسی کی تائید کرتا ہے جو یہ ہے کہ۔

مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑے گا (پیدائش باب ۲: ۲۴)

عارف باللہ امیر خسرو دہلوی نے انسانی اولاد کا نقشہ کیا اچھا بتایا ہے کہ

دخترال را ہمہ جنگ است و جدل با مادر

پسراں را ہمہ بدخواہ پرے سے بنیم

بس اس شاہدے اور کتاب مقدس کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کو اپنانے سے باہمی اتصال حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے مسیحی تعلیم فطرت کے خلاف ہے اور پادری صاحب کا تصور خدا کو والدینی جہت میں داخل کرنا تو بہت ہی غلط ہے۔ آگے چل کر آپ نے مسیحی مذہب کے مقابلہ میں اسلام کا ذکر یوں کیا ہے کہ۔

اسلام میں اس قسم کا تصور نہیں پایا جاتا۔ قرآن کے مطابق خدا کی ذات محبت نہیں اس کے برعکس اللہ بے نیاز ہے سورہ اخلاص ۲، بقرہ ۲۴، آل عمران ۵۲، نساء ۱۳۰، یونس ۶۹، حج ۲۶۵ وغیرہ) پس اللہ اور انسان میں رفاقت نامکن ہے۔ (ص ۱۱)

عجیب | خدا کی بے نیازی کا ذکر اور اس اعتراض کا جواب کتاب ہذا میں صفحہ ۹۲ پر درج ہو چکا ہے۔

ہیں حیرت ہے کہ پادری صاحب کا خیال کہاں تک ترقی کر گیا ہے آپ لکھتے ہیں کہ خدا بنی نوع انسان کے ساتھ ابدی اور اٹلی محبت رکھتا ہے لہذا اپنی پدسا نہ محبت اور پیار کی وجہ سے خدا انسان کی خاطر ہر قسم کا دکھ اور رنج برداشت کرتا ہے۔ والدین کی محبت کا ظہور اسی میں ہے (ص ۱۱)

عجیب | اللہ کے اقتباس میں آپ نے یہ نتیجہ استخراج کیا تھا کہ

”لازم ہے کہ دین فطرت بچوں کو ان کی ذمہ داریوں کے متعلق آگاہ کرے۔“

اس کا جواب ہو چکا۔ اس اقتباس میں آپ خدا کی ذمہ داری اور اس وجہ سے اس کے ذمہ اٹھانے کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن آپ اس عقیدہ کی مضرت کا خیال نہیں کرتے کہ یہ عقیدہ بنی نوع انسان کو گمراہی میں کہاں تک ترقی دے سکتا ہے۔ اس لئے عملی الاعلان کہتے ہیں کہ اسلام نے خالق اور مخلوق کے درمیان نسلی نسبت یا تعلق کو پسند نہیں کیا جو انسانوں کی گمراہی کا سبب ہو سکے۔

ناظرین! | پادری صاحب نے چونکہ دعوے کیا ہے کہ خدا انسان کے لئے دکھ اٹھاتا ہے اس لئے اس کی تشریح آپ نے مندرجہ ذیل فقرے میں یوں کی ہے جو پہلے سے عجیب ہے آپ فرماتے ہیں :-

خدا کی پیرا نہ شفقت اس امر کی متقاضی ہوئی کہ جب ہم کمزور تھے تو عین وقت پر
 مسیح بے دینوں کی خاطر موات (منہ)

مجیب | جل جلالہ! یہ بیان دراصل مسئلہ کفارہ ہے جس کا جواب ہم کتاب ہذا کے ص ۱۲۶
 سے ص ۱۳۰ تک دے چکے ہیں۔ اسی طرح آپ کا مندرجہ ذیل فقرہ بھی اہل انصاف کی توجہ
 کے قابل ہے جو آپ لکھتے ہیں کہ:-

قرآنی تعلیم کے مطابق خدا کی ذات میں محبت اور ایثار نہیں۔ پس صرف محبت کی
 تعلیم ہی فطرت کے مطابق ہے (منہ)

اللہ اللہ! کس قدر حق سے دشمنی ہے کہ قرآنی تعلیم کے مقابلہ میں دوڑنے چار کا بھی انکار ہو
 رہا ہے۔ خدا کی محبت کا ذکر ہم کتاب ہذا کے ص ۱۱۱ پر بالتفصیل کر چکے ہیں یہاں پھر ایک
 آیت پیش کرتے ہیں ارشاد ہے: **إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَكَرِيمٌ** (پ۔ ع) خدا لوگوں
 کے حال پر بڑا بہر بان اور رحم کرنے والا ہے
 کیا ہی سچ ہے

تو کریمی تو رحیمی تو سمیعی تو بصیری

تو معززی تو غدلی ملک العرش سجائی

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں:-

بہجت والدینی اور مسیحی اور اسلامی اخوت انسانی | کلمۃ اللہ نے ہم کو یہ تعلیم

دی ہے کہ چونکہ خدا ہمارا باپ ہے لہذا کل بنی نوع انسان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔
 اخوت انسانی اوت خداوندی کا لازمی اور منطقیانہ نتیجہ ہے آپ نے فرمایا "میرا حکم یہ ہے کہ
 جیسا میں نے تم سے محبت رکھی غنی تم بھی ایک دوسرے سے محبت رکھو" دیونا ۱۱۱۔ یوحنا
 ۱۳، ۳۴، ۳۵ وغیرہ) جیسا تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں۔ تم بھی ان کے ساتھ جیسا ہی
 کرو۔ اگر تم اپنے محبت کرنے والوں ہی سے محبت رکھو تو تمہارا کیا احسان ہے؟ اور اگر تم صرف
 ان ہی کا بھلا کر دو جو تمہارا بھلا کریں تو تمہارا کیا احسان ہے۔ تم اپنے دشمنوں سے محبت رکھو۔
 اور ان کا بھلا کرو تو تم خدا تعالیٰ کے بیٹے ٹھہرو گے۔ (دوفا ۱۱۱) کلمۃ اللہ کے اصول اوت الہی

اور اخوت و مساوات انسانی مسیحیت کو تمام ادیان عالم سے ممتاز کرتے ہیں اور حقیقی
 معنوں میں اس کو عالمگیر مذہب اور دین فطرت بنا دیتے ہیں۔ نوع انسانی کے متعلق آپ
 دسیح کا نصب العین ایک خاندان کا نصب العین ہے جس میں کل اقوام عالم کے
 تمام افراد ایک ہی خاندان سے متعلق کئے گئے ہیں۔ پس کلمۃ اللہ نے والدین حلیت
 کے ذریعہ خدا کی محبت اور اہوت اور انسانی اخوت و مساوات کے اصول کی حقیقت
 ہم پر آشکار کر دی ہے۔ اسلام میں اخوت انسانی کا اصول ڈھونڈنے سے بھی
 نہیں ملتا۔ قرآن میں ایک جگہ یہ وارد ہے کہ مسلمان آپس میں بھائی ہیں اور حرمت
 آیت ۱۰ ان آیت کے ذریعہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اہل اسلام کے ساتھ
 برادرانہ سلوک کریں لیکن ان پر یہ فرض نہیں کہ وہ کسی غیر مسلم سے محبت کریں
 کیونکہ غیر مسلموں سے محبت کرنا قرآن میں کہیں نہیں پایا جاتا۔ ان کے برعکس
 ان کے ساتھ دشمنی رکھنے اور لڑنے کے احکام قرآن میں بکثرت موجود ہیں
 (آیت ۵۶ و ۶۲۔ ممتحنہ آیت ۹ وغیرہ وغیرہ) اہل اسلام کو حکم ہے کہ
 یہودی شرع کی طرح اپنے نبی سے محبت رکھنے والوں ہی سے محبت رکھو اور اپنے
 دشمن سے عداوت رکھو۔ یہاں تک کہ اسلام نے دنیا کو دو حصوں میں منقسم
 کر دیا ہے۔ ایک دارالاسلام اور دوسرا دارالکفر اور مسلمانوں پر فرض کر دیا گیا
 کہ غیر مسلموں کو قتل کریں خواہ یہ بات مسلمانوں کو بڑی گئی۔ (بقرہ آیت ۱۷۱)

(ض ۹۲ تا ۹۳)

اس مضمون کا جواب ہم کتاب ہذا میں ص ۲۵ تا ۲۷ پر دے چکے ہیں۔ وہیں آپ کے
 مندرجہ ذیل فقرے کا جواب بھی مذکور ہے کہ:-

اسلام میں اخوت انسانی کا اصول ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا۔

ہاں آپ کا یہ فقرہ واقعی قابل غور ہے:-

کلمۃ اللہ کا نصب العین ایک خاندان کا نصب العین ہے جس میں کل اقوام عالم کے

تمام افراد ایک ہی خاندان سے متعلق کئے گئے ہیں۔ (ص ۹۲)

مجیب | ہمیں تعجب ہے کہ پادری صاحب قرآن مجید پر اعتراض کرتے ہوئے قرآن سے بے خبر رہنے کے ساتھ انجیل سے بھی کیوں بے خبری کا ثبوت دیتے ہیں۔ سنئے! انسانی برادری اور اخوت انسانی کی مفصل بحث ہم ۳۳۳ پر کر آئے ہیں یہاں اس کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں مسیحی تعلیم متعلقہ اخوت انسانی کا نمونہ دکھاتے ہیں۔

کلمۃ اللہ اپنے مخالفین کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ

”اے سانپوں کے بچے! تم بے ہو کے کیونکر اچھی بات کہہ سکتے ہو۔ (متی ۱۲: ۳۴)

اور سنئے! ایک کنگانی عورت کی درخواست دعا پر مسیح نے فرمایا کہ

مناسب نہیں کہ رطکوں کی روٹی لے کر کتوں کو پھینک دیں۔ (متی ۱۵: ۲۶)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ بقول پادری صاحب مسیحی مذہب میں تثلیث کی طرح انسانی برادری کے بھی تین اقنوم (اصناف) ہیں۔ ایک آدم زار، دوسرے سانپوں کے بچے اور تیسرے کتوں کے بچے۔ پس بقول پادری صاحب یہ تینوں اصناف انسانی برادری میں داخل ہیں۔ معاف فرمائیے قرآن مجید ان تینوں گروہوں کو انسانی برادری میں شمار نہیں کرتا بلکہ وہ انسانی برادری کے متعلق یوں ارشاد فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ (قرآن)

داسے لوگو! تم سب ایک ہی مال باپ آدم اور حوا کی اولاد ہو

لیس لعربی علی بنی فضل کلکم بنو آدم مرد و آدم من التراب (المحدثا)

عربی کو بھی پر کوئی فضیلت نہیں تم سب انسان آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوا تھا۔

آگے چل کر ص ۹۲ پر پادری صاحب نے جہاد سے متعلق چند احادیث پر اعتراض کیا ہے۔ مسئلہ جہاد کی تفصیلی بحث کتاب ہذا میں ۲/۳ اور ص ۹۵ پر گذر چکی ہے۔

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں۔

جہالت والدینی اور مسیحی اور اسلامی فضائل | والدینی جہالت کے ساتھ

تمام لطیف جذبات و اہستہ میں جن پر مسیحی تعلیم زور دیتی ہے۔ چنانچہ کلمۃ اللہ کی تعلیم میں دل کی

۱۲ غیر بنی اسرائیل کو۔ ۱۲

غریب، علم، رحم، صبر، صلح، پاکیزگی، محبت، ایشیا، نفسی، خود فراموشی وغیرہ کو افضل
 جگہ دی گئی ہے اور یہ نسوانی فضائل شمار کی جاتی ہیں لیکن اس کے برعکس اسلام نے
 ہمیشہ مردانگی، شجاعت، جنگ، جہاد، حکومت، سیاست، غنیمت، قصاص وغیرہ پر زور
 دیا ہے جو مردانہ فضائل ہیں۔ والدینی جبلت کا تعلق نسوانی فضائل، نازک جذبات اور
 لطیف خیالات کے ساتھ ہے۔ لیکن مردانہ فضائل نازک اور لطیف جذبات کو ٹھکراتی
 ہیں۔ پس اس پہلو سے بھی اسلام کی نسبت مسیحیت کا تعلق والدینی جبلت اور انسانی
 فطرت کے ساتھ زیادہ قریب ہے۔ (۹۴)

مجیب | معلوم نہیں پادری صاحب جبلت والدینی کو کہاں تک کھینچ کر اپنی کتاب کو طول دیتے
 جا رہے ہیں۔ ان سب باتوں کے جوابات اگرچہ اس سے پہلے بھی ہو چکے ہیں۔ تاہم یہاں
 بھی کچھ عرض کیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں قرآن کریم ایک حکیمانہ کتاب ہے اور ہر چیز
 اور ہر کام میں اعتدال رکھنا حکمت کا اصول ہے اسی لئے قرآن مجید میں ارشاد ہے اِعْدِلُوا
 هُوَ اقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (ہر ایک کام میں اعتدال رکھا کرو کیونکہ اعتدال ہی تقویٰ کے درجے
 تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ ہے)

دنیا میں کوئی قوم عاکم ہوتی ہے اور کوئی رعایا۔ اس کے علاوہ مختلف قوموں کی ایک
 دوسرے سے لڑائی بھی ہو جاتی ہے اس لئے جہاد کا حکم دے کر اس کا بوجھ مردوں کے
 کندھوں پر ڈالا گیا جو اس کو برداشت کر سکیں۔ باوجود اس کے رحم، معافی، صبر وغیرہ سب
 اوصاف کو ملحوظ رکھا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:-

(۱) وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (پ۔ ۴)

(۲) وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (پ۔ ۵)

(۳) وَالصَّلٰءُ خَيْرٌ لِّكَ (پ۔ ۶)

(۴) يَوْمَئِذٍ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَكُؤَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (پ۔ ۷)

(۵) وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ الْأَرْحَامِ وَالْقُرْبَىٰ

وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللَّهَ

لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَلًا فُخُورًا طرہٗ - (ع)

(۱) مومن وہ ہیں جو غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں۔ اللہ نیکو کار بندوں کو دوست رکھتا ہے۔

(۲) جو عیب کر کے اور بخش دے تو بے شک یہ بات بختر ہے۔

(۳) صلح سب سے اچھی چیز ہے۔

(۴) ایمان دار لوگ اپنی حاجت کے باوجود دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں۔

(۵) اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور قربت داروں اور غمیوں اور مسکینوں اور آس پاس کے ہمسائے اور دور کے ہمسائے اور پہلو میں بیٹھنے والے رفیق اور مسافر اور لڑائی نام کے ساتھ نیکی کرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے اور شیخی مارنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔

ان آیات کے علاوہ اور بہت سی آیات ہیں جن میں نہایت خوبی سے اخلاق فاضلہ کی تعلیم دی گئی ہے جو کسی سے مخفی نہیں۔ اس کے باوجود پادری صاحب اگر قرآن پر اعتراض کریں تو کہا جائے گا۔ ع

گل است سدی و در چشم دشمنان خار است

آگے چل کر پادری صاحب نے ایک عنوان بالفاظِ جبلت والدینی اور غصہ قائم کیا ہے۔ اس عنوان کے ماتحت آپ نے کوئی بات قابلِ اعتراض نہیں کہی تاہم اس کے متعلق ہم ناظرین کو آیت **اَوَّلِكَا ظَهِيْرَ الْعِيْظِ** کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

آگے چل کر آپ نے ذیلی عنوان یوں رکھا ہے "جبلت والدینی اور ایشارہ نفسی" اس عنوان کے ماتحت بھی آپ نے کوئی نئی بات نہیں بتائی۔ صرف حیوانوں، بچوں اور بے کسوں وغیرہ پر رحم کرنا جبلت والدینی پر متفرع قرار دیا ہے اس کا جواب کتاب ہذا کے صفحہ ۲۶۲ پر ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ صفحہ ۲۰۹ ملاحظہ ہو۔

آگے چل کر ایک سرخی یوں لکھتے ہیں "مسیحی اور اسلامی ایشارہ"۔ اس سرخی کے نیچے آپ نے پھر وہی باتیں دہرائی ہیں۔ جن کا جواب پہلے کسی دفعہ ہو چکا ہے۔ اس عنوان کے

ماتحت جو کچھ آپ نے کہا ہے وہ آپ ہی کے الفاظ میں درج ہے :-

دین فطرت کا کام یہ ہے کہ داندنی حیلت کے میدان عمل کو وسیع کر دے اور اس باب میں مسیحیت کو کل ادیان عالم پر فوقیت حاصل ہے۔ بچوں بے کسوں، منظوروں، محتاجوں بے یار و مددگار لوگوں کی خاطر اپنی خودی اور امانیت کو دبانانا اور ان کی خاطر ہر طرح کی ایثار نفسی کو کام میں لانا مسیحیت کا جزد اعظم ہے (مترس ۵۲)

ایک دفعہ ایک دولت مند شخص حکمت اللہ کے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ اے استاد میں کونسی نیکی کروں تاکہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں؟ آپ نے جواب میں فرمایا: اگر تو کامل

ہونا چاہتا ہے تو جاپنا مال و اسباب بیچ کر غریبوں کو دے تجھ کو آسمان پر خزانہ ملیگا (متی ۱۳: ۱۲)

مجیب | اس اقتباس کے پہلے حصے کا جواب ہماری پیش کردہ آیات میں کافی غنا ہے۔ ان کے علاوہ ایک اور آیت پیش کرتے ہیں جن کے الفاظ بہت وسیع المعنی ہیں۔ ارشاد ہے :-
 وَمَنْ يُؤْتِكُمْ نَفْسًا فَادْرِكْهَا فَتَكُونَ أَفْوَاجًا مُّسَبِّحِينَ (جولوگ اپنے نفس کی شمع یعنی غصہ و غیرہ نفسانی اوعائن سے بچ جائیں وہی لوگ نجات پانے والے ہوں گے) مالدار کے فتنے کا جواب ۵۲ پر جو چکا ہے۔ آگے چل کر آپ نے ایک عجیب بات کہی ہے چنانچہ آپ لکھتے ہیں۔

حیلت واندنی کے میدان عمل کے وسعت کے مشورہ پر غور کرتے وقت یہ لازم ہے کہ اس بات کی جانچ پڑتال کی جائے کہ خیرات کا صحیح مصرف کیا ہے، او کون اس کے مستحق ہیں۔ قرآن اس معاملہ میں ایک نرالی تجویز پیش کرتا ہے کہ زکوٰۃ کا مال ان لوگوں کے لئے ہے جن کے دل لالچ و رے کے اسلام کی جانب راغب کرنے منظور ہیں۔ دوسرہ توبہ آیت ۱۰ اور خیرات کا مال جہاد کے اخراجات کو برداشت کرنے کے لئے ہے کیا لالچ و رے کو مسلمان بنانا اور دشمنوں پر جہاد کرنے کے لئے خرچ کرنا خیرات کو صرف کرنے کا اچھا طریقہ ہے؟ ہر صحیح العقل شخص اس کا جواب نفی میں دے گا۔ اس کے برعکس انجیل میں وارد ہوا ہے: اگر تیرا دشمن بھوکا ہو تو اسے روٹی کھانے کو دے پیاسا ہے تو اسے پانی پینے کو دے، دروم پہا قرآن کہتا ہے کہ خیرات کے مال سے دشمنوں

تفیع کر دے۔ ماخول کہتی ہے کہ خیرات کے مال سے بھوکے پیاسے دشمن جان تک کا پیٹ پال۔ ناظرین خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کونسا مذہب جدت والذنی کے میدانِ عمل کو وسعت دیتا ہے۔ (ص ۹۹)

مجیب | اگر ہم نے قرآن مجید کی روشنی میں فطرت انسانی کا مطالعہ نہ کیا ہوتا تو ہمیں پادری صاحب کے ایسے اعتراضات پر بہت تعجب ہوتا لیکن اب یہ نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید نے ہمیں بتایا ہوا ہے کہ ضد اور دشمنی انسان سے بہت سی غلط کاریاں کرا دیتی ہے۔ سنئے اجہاد کا فعل چونکہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور دنیا کا انتظام بھی اسی پر موقوف ہے اس لئے اس فعل کے اچھا ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اس کی تفصیل چنانچہ درج ہو چکی ہے۔ جہاد کے واسطے بعض دفعہ مالی حیثیت سے کمزور ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو خیرات و زکوٰۃ کے مال سے سامان جنگ بہم پہنچانا یا ان کی ضروریات میں مدد دینا بلاشبہ نیک کا کام ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ تعلیم و تربیت کرنا یقیناً نیک کام ہے اسی لئے اس کی تعلیم و تربیت میں جن چیزوں کی ضرورت ہو۔ مثلاً سامان از مسم خوراک و پوشاک وغیرہ تیار کرنا نیک میں داخل ہے یہ جواب ہم نے علی وجہ التسلیم دیا ہے۔ ورنہ قرآن شریف میں مصارف زکوٰۃ کے بیان میں خاص جہاد کا ذکر نہیں ہے بلکہ عام حکم ہے کہ فی سبیل اللہ رہا ایک نیک کام میں زکوٰۃ کا مال خرچ کرو۔ جہاد بھی ایک نیک کام ہے اس لئے اس میں بھی خرچ کرنے کی اجازت ہے۔ ساری آیت یوں ہے۔

رَأْسًا الْمَصَدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمَوْلَاتِ قُلُوبَهُمْ

وَفِي السَّبَابِ وَالْعَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ (نپ۔ ۴۴)

سوائے اس کے نہیں کہ صدقات محتاجوں کا حق ہے اور مسکینوں کا اور صدقات وصول کرنے والوں کا اور ان کا جن کی تالیف قلوب منظور ہے۔ نیز غلام آزاد کرنے میں اور قرضداروں کے لئے اور راہ خدا میں اور مسافروں کی امداد میں (خرچ کئے جائیں)

اس آیت کا میدان کتنا وسیع ہے کوئی لفظ اس میں ایسا نہیں ہے جو مساکین اور غرباء

میں کفر و اسلام کی تمیز کرتا ہو مطلب یہ ہے کہ جو بھی مسکین اور غریب ہو اس کو زکوٰۃ میں سے حصہ دے سکتے ہو۔ ہاں آپ نے مؤلفۃ القلوب کے معنی سمجھنے میں ٹھکر کر کھائی ہے حالانکہ آپ کا تبلیغی مشن اسی روش پر چل رہا ہے۔ ہر شہر اور ہر قریہ میں عیسائی مشن میں یہ طریقہ جاری ہے کہ زیر تبلیغ مغرباء کی امداد کی جاتی ہے۔ ہم اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتے۔ مؤلفۃ القلوب کے معنی ہیں زیر تبلیغ لوگ یعنی جن کو مذہب کی خوبیاں بتائی جائیں اور وہ ان خوبیوں کو تسلیم کر کے اپنی ضروریات کو قبولیت مذہب میں مانع کے طور پر پیش کریں ان کی مالی امداد کرنا ہر ایک مذہب بلکہ عام انسانیت کا بھی تقاضا ہے۔

ایک صحیح واقعہ | ایک روز میں اور مولانا ابراہیم یا لکڑی حاجی نور احمد صاحب سداگر دہلی باڑہ ہندوراٹھ کے مکان میں بطور تہان ٹھہرے ہوئے تھے کہ اسی اتنی میں ایک پادری صاحب آگئے جو اسلام کو ترک کر چکے تھے۔ ان سے گفتگو ہوئی۔ جب ان کے بشہرہ پر قبولیت اسلام کے آثار نظر آنے لگے تو ہم نے پوچھا کہ اب مانع کیسے اس کے جواب میں انہوں نے اپنی ضروریات پیش کیں۔ ہم نے کہا انشاء اللہ پوری ہو جائیں گی۔ اس پر کہنے لگے کہ مجھے اتنی بات سے تسلی نہیں ہو سکتی بلکہ میرے نام پر کسی معقول کرایہ والے مکان کے کرایہ کی جسٹری کرائی جانے۔ یہ باسکل سچا واقعہ ہے **رَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا** بتائیے ایسے اصحاب کی امداد کس طرح ناجائز ہو سکتی ہے۔

قرآن مجید نے زکوٰۃ کے مال میں ایسے ہی مؤلفۃ القلوب کا حصہ رکھا ہے۔ اور قرآن کھیکم سن انتظام پر مبنی ہے جو کسی طرح محل اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ قرآن مجید دشمنوں کو بھی کھانا کھلانے کا حکم دیتا ہے۔ آیت ذیل غور سے پڑھیے۔

يَطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا (ع ۱۹)

مومن وہ ہیں جو اللہ کی محبت سے ہر قسم کے مسکینوں یتیموں بلکہ قیدیوں کو بھی کھانا کھلاتے ہیں چاہے وہ بدکار اور بد معاش ہوں!

اس سے زیادہ ہم اور کیا بتائیں مع درخانہ اگر کس است یک حرف بس راست

آگے چل کر پادری صاحب نے یہ عجیب بات کہی ہے کہ:-

یقیناً، بلکہ کبھی، وغیرہ کے متعلق جو حرکات مسیحی مذہب میں ہیں وہ اسلام

میں نہیں ہیں کیونکہ اسلام تقدیر کا قائل ہے (مسئلہ)

مسئلہ تقدیر بجائے خود صحیح ہے اور یہ علم الہی کا دو کسر نام ہے قرآن اور اسلام کے

نزدیک یہ مسئلہ احسان اور عروت سے مانع نہیں ہے۔ تاہم پادری صاحب بقول "تو

ان زمان میں تیرا مہمان" قرآن اور مومنین قرآن کو الٹی تلقین کرتے ہیں کہ تم اس کو مانع

خیرات سمجھو، ہم پادری صاحب کی یقین کسی طرح گوارا نہیں کر سکتے۔ اس لئے ریٹرن

وڈ ٹینکس کہہ کر شکریہ کے ساتھ واپس کرتے ہیں۔ اس بحث کے اخیر میں بطور نتیجہ

آپ لکھتے ہیں:-

اس فصل میں حلیت والدینی کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی ہے اور جس پہلو سے

اسلام پر نگاہ کی ہے وہ دینِ فطرت نظر نہیں آتا (ص ۱۲)

عجیب | بے شک! آپ کے اس بیان کی تصدیق قرآن مجید میں آچکی ہے۔ غور سے

سنئے اور تدبر سے پڑھئے۔ ارشاد ہے:-

إِذَا قُرَأَتِ الْقُرْآنُ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

بِالْحِزْبِ حِجَابًا مَّا سْتَدْرَأُ (ع) (اے پیغمبر! آپ قرآن پڑھتے ہیں تو

دوہم تمہاری قرأت اور منکرین کے درمیان ایک مخفی پردہ ڈال دیتے ہیں)

غالبِ رجوم نے سچ کہا ہے:-

کی دغا نام نہ تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بڑکتے ہیں

اس سے آگے پادری صاحب نے مسئلہ ۱۳ پر فصل پنجم کا عنوان دے کر جنگِ جوئی کی حلیت

کی ضمنی سرخی لکھی ہے۔ اس کے نیچے آپ نے بہت طویل تمہید پر وقت خرچ کیا ہے۔ خدا

کا شکر ہے کہ بانی فطرت کے تصرف سے آپ کے قلم سے یہ فقرہ بھی نکل گیا ہے کہ

"اگر غصے کا مقصد نیک ہوگا تو غصہ جائز ہوگا۔ اگر اس کا مقصد شکر الہی کے خلاف

ہوگا تو غصہ ناجائز اور ممنوع ہوگا اور مسیحیت جائز غصے کے خلاف نہیں (ص ۱۷)

اس تمہید کے بعد آپ نے اصل مطلب پر آنے کو ایک سرخی یوں لکھی ہے۔
 بھٹے کی جبلت اور قصاص۔ اس سرخی کے نیچے آپ لکھتے ہیں :-

اس قسم کے غصہ میں اور انتقام کے غصہ میں بعد المشرقین ہے۔ انجیل سلیل میں بدلہ
 قصاص اور انتقام کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔ کلمۃ اللہ نے فرمایا ہ تم سن چکے ہو کہ
 کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ لیکن میں تم سے یہ
 کہتا ہوں کہ بشر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیر سے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی
 اس کی طرف پھیر دے۔ دمتی شیپا اگر تم آدمیوں کے قصور معاف کرو گے تو تمہارا
 آسمانی باپ بھی تم کو معاف کرے گا اور اگر تم آدمیوں کا قصور معاف نہ کرو گے تو
 تمہارا باپ بھی تمہارے گناہ معاف نہ کرے گا۔ (متی ۵)

مجیب قصاص کا ذکر کتاب ہز کے ۱۷ پر آچکا ہے۔ قصاص کے معنی ہیں کسی قاتل
 و فعل قتل یا ارادہ قتل کی سزا دینا۔ یہ سزا تعزیرات ہند کی دفعہ ۳۰۲ اور دفعہ ۳۰۷ کے
 تحت آتی ہے۔ حیرانی ہے کہ پادری صاحب قرآن مجید کے ایسے حکم پر بھی اعتراض کرتے
 ہیں جو آج کل دنیا کے مالک تمدن میں مسلم بلکہ جاری ہے۔ اس کے برخلاف قاتل اور ضارب
 کے حق میں انجیل کا حکم پیش کرتے ہیں۔ جس پر فی زمانہ کوئی حکومت کوئی قوم بلکہ کوئی شخص عمل
 نہیں کرتا اور نہ کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود پادری صاحب دین مسیحی کو عالمگیر کہتے ہیں۔ چہ خوش
 حالانکہ دنیا میں عمل درآمد اس کے خلاف ہے۔ پھر بھی مسیحیت کی عالمگیری کا دعوے ہے
 اس کے بعد آپ نے لکھا ہے کہ :-

مسیح نے اپنی زندگی اور نمونہ سے دشمنوں کو معاف کرنے کا سبق سکھایا حتیٰ کہ جب
 آپ کے خون کے پیاسے آپ کو مصلوب کر رہے تھے آپ نے ان کو اس
 جان کنی کی حالت میں بھی دعا خیر دی اور کہا کہ اے باپ ان کو معاف کر کیونکہ وہ
 نہیں جانتے کہ کیا کر رہے ہیں (متی ۲۷)

مجیب | پادری صاحب واقعات محمدیہ اور واقعات مسیحیہ کو سامنے رکھ کر انصاف کیجئے۔ مسیح
 کو دشمنوں نے ستایا اور آپ نے ان کو ایسے وقت میں معاف کیا جب کہ آپ بدلہ

نہیں لے سکتے تھے۔ مگر رسولِ عربی نے اپنے ظالم دشمنوں کو فتح کر کے روزیسی حالت میں معاف کیا جب کہ آپ ابروئے چشم کے ایک اشارہ سے سب کا قتل عام کر سکتے تھے اس موقع پر آپ کے فرمودہ الفاظ بھی قابلِ شنید ہیں۔ آپ نے فرمایا:-

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ لَقِيْعِدَاللّٰهِ كَكْرٌ-

(جاؤ تم پر کوئی خصلی نہیں خدا تم سب کو معاف کرے)

پادری صاحب ذرا انصاف سے اس عاری شعر کے معنی بتائیے۔

تواضع نہ گردن فرازاں نکوست گد اگر تواضع کنسہ خوئے اوست

اللہ اکبر! کیا حکم ہے اور کیسی برداشت ہے کہ دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ پادری صاحب کا یہ فقرہ بھی بہت ہی قابلِ غور ہے کہ:-

فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ جوں جوں انسان اور اقوام ترقی کی طرف گامزن ہوتے جاتے

ہیں ان میں ضبط کی قوت بڑھتی اور قصاص کا مادہ زائل ہوتا جاتا ہے۔

محبیب کیا پادری صاحب واقعاتِ زمانہ سے اس امر کی شہادت دے سکتے ہیں کہ اقوام

دنیا میں ضبط اور برداشت کی قوت بڑھ گئی ہے۔ جنگِ یرب و ایشیا وغیرہ کو ملحوظ رکھ کر جواب

دیتے گا۔ قصاص تو ایک قانونی مسئلہ ہے جو حکومت سے تعلق رکھتا ہے اور ہم بتا چکے

ہیں کہ اسی پر دنیا کا امن و امان موقوف ہے۔ ورنہ جاہلوں کے ہاتھوں سے یسوع

مسیح کی طرح کوئی پادری بچ سکتا نہ مولوی اور نہ پنڈت نہ راہب۔ آپ نے جوش

تغضب میں انفرادی اور سیاسی احکام میں فرق نہیں کیا۔ قصاص ایک سیاسی حکم ہے۔

جس میں حکومت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ کسی قانون دان سے پوچھ لیجئے کہ قتل بلکہ حملہ قاتلانہ

کے مقدمہ میں بھی سرکارِ مستغیث ہوتی ہے۔ اس میں معافی کا سوال ہی پیدا

نہیں ہوتا۔

پادری صاحب! اگر آپ کسی مقام کے تھانیدار ہوں تو آپ واقعہ قتل کی تفتیش کر

کے لازم کا چالان کریں گے۔ یا انجیل کی تعلیم کے ماتحت اس ظالمانہ کیس کو خورد برد کر دینگے

(خدا کرے ہم آپ کو تھانیدار دیکھیں)۔

مثلاً ضبط و صبر کے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے جہاں تک کسی کی ذات خاص کا تعلق ہے وہ بے شک صحیح ہے۔ ہاں آپ نے جو زبانی دعوے کیے ہیں قرآن مجید ایماندار لوگوں کے حق میں اس سے زیادہ کہتا ہے چنانچہ ارشاد ہے

وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ (سج - ع) کمال ایمان دار اور مہذب لوگ وہ ہیں کہ جب ان کو غصہ آئے تو غصہ دلانے والے شخص کو معاف کر دیتے ہیں۔ افسوس ہے کہ آپ کو یہ آیت نہ ملی۔ ہم یہ بات کر رہے ہیں کہ آپ کے نوٹس میں لاتے ہیں کہ شخصی اور جماعتی حقیق میں فرق ملحوظ رکھنے کو تبلیغِ سعیدی کی نصیحت یاد رکھیں۔

اگر ایک سواری رہ خویش گیسر اگر پائے بندی رضا پیش گیسر

اخیر میں آپ کا یہ نتیجہ بھی سامنے رکھنا ہوں کہ

قصاص کو قرآنی تعلیم ثابت کرتی ہے کہ اسلام درحقیقت دینِ فطرت نہیں اور محبت کی انجمنِ تعلیم ہی دراصل فطرت کے مطابق ہے (ص ۱۱۲)

محبیب اسم نے اپنے گذشتہ جوابات سے ثابت کر دیا ہے کہ قرآن مجید ہی دراصل باطنی فطرت کا ظاہر ہے۔ جو حسب ضرورت معافی اور حسب موقع قصاص و انتقام کا حکم دیتا ہے تاکہ دنیا میں امن و امان قائم رہے اور بہ عورت معاف کرنے اور زکر کرنے کی رات میں شیخ سعیدی جیسے شہرہ کا رافلاق نوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے۔

نکوئی با بداراں کر دن چنالاں است کہ بد کردن بجائے نیک مردال

آگے چل کر آپ نے ۱۱۳ پر ایک سرخی یوں قائم کی ہے۔

۱۱۳ اکاپین کی حبلیت اور جہاد کی تعلیم

اس کے ماتحت ۱۱۴ تک آپ نے بڑے بڑے کلموں اور لفظوں میں اسلامی جہاد کا ذکر کیا ہے۔ ہم خدا گنتی کہنے سے نہیں رک سکتے کہ اسلام میں جہاد ہے اور یہی اس کی روح ہے۔ کیونکہ اسلام دنیا سے برائی کی بیخ کنی کرنے کے لئے دو طرح کی تعلیم دیتا ہے۔ اول بظلم و نصیحت سے دوم سیاست اور حکومت سے۔ اس دوسری چیز کا دار و مدار جہاد پر ہے۔ آپ کو یقین نہ ہو تو یورپ کی تاریخ پڑھیے اور گذشتہ جنگِ عظیم اور آج کل سوشلزم کی جنگِ اعظم

انسانی فطرت میں یہ ایک طبعی میلان ہے کہ جس چیز کو نہیں جانتا اس کی نسبت استفسار کرتا ہے۔ یہ جبلت (استفسار کی عادت) عقلی قوت اور ذہنی ماسخی کا سرچشمہ ہو جاتی ہے (صفحہ ۱۲۵)

باس میں بھی مسلم ہے۔ آگے چل کر آپ لکھتے ہیں :-

اس جبلت (عادت استفسار) کو سائنس اور مذہب دونوں کی ایک اصل اور جڑ تصور کرنا چاہیے۔ پس ظاہر ہے کہ جس مذہب میں عقل کو یہ جاہلانہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم ہمارے معاملات میں دخل نہ دو۔ ایسا مذہب فطرت کے خلاف ہوتا ہے۔ (صفحہ ۱۲۶)

پھر بھی ہمارا صواب ہے۔ آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں :-

چونکہ مذہب کا تعلق عالم روحانیات سے ہے لہذا لازم ہے کہ ہم دین فطرت کے ذریعے خدا کی معرفت حاصل کر سکیں۔ پس دین فطرت کے اصول ایسے ہونے چاہئیں جن کو عقل سلیم نہ صرف قبول کر سکے بلکہ جبلتِ تجسس کو کام میں لا کر ان اصول کا اطلاق مختلف ممالک و اقوام کے مختلف حالات پر کر سکے۔ (صفحہ ۱۲۷)

عبارت کی بھی تم تصدیق کرتے ہیں۔ آگے چل کر آپ لکھتے ہیں :-

۱۱۔ کلمۃ التدریج، نئے دنیا کے اخلاق کو ایک تنگ و تاریک چاہ سے نکالا۔ جہاں اخلاقیات کے اصول زمان و مکاں کی قیود میں جکڑے ہوئے تھے اور شریعت اور رسوم اور فقہ کے جاری ہو جھٹکے دب کر دم دے رہے تھے۔ ابن اللہ نے اپنے مسیحائی دم سے اس نیم مردہ میں روح چمک دی اور ان کو اس قابل بنا دیا کہ عالمگیر ہو کر تمام دنیا پر تاباں حکمرانی کریں (صفحہ ۱۲۸)

اس سے آگے آپ نے جو خط لکھا ہے وہ قابلِ غور ہے کہ :-

۱۵۔ کلمۃ التدریج، نہ صرف خود جبلتِ تجسس و استفسار کو کام میں لاتے تھے بلکہ یہ آپ کی عین خواہش تھی کہ آپ کے حواریین اور سامعین بھی اس خدا داد جبلت کو کام میں لائیں (صفحہ ۱۲۹)

عجیب! یہ فقرہ واقعات کے صریح خلاف ہے۔ پادری صاحب مسیحی مذہب کی تائید

میں ایسے مشغول ہیں کہ ان کو اپنے گھر کے واقعات کی بھی خبر نہیں رہتی۔ سنئے! ہم ایک صحیح اور پیش کوئے ہیں۔ اپنے لفظوں میں نہیں بلکہ انجیل متی کے الفاظ ہیں۔

بعض فقہیہوں اور فریسیوں نے کہا کہ اسے استاد! ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس (مسیح) نے جواب دیا اور کہا کہ اس زمانے کے بدکار اور حرامکار لوگ نشان ڈھونڈتے ہیں پر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی نشان انہیں دکھایا نہ جائے گا (انجیل متی باب ۱۲: ۳۹)

یہ صریح عبارت صاف بتا رہی ہے کہ یسوع مسیح نے خود یا انجیل نویسوں نے جلت استفسار کی خوب مٹی پیدا کی تاکہ اس کے بعد کوئی شریف آدمی سوال ہی نہ کر سکے۔ اگر کرے تو بد اور حرامکار ٹھیرے۔ استاد ذوق نے اپنے معشوق کا گلہ کرتے ہوئے کیا خوب کہی ہے۔

وہ کہیں کون ہے چتون یہ ہماری مفتوں

میں کہوں میں تو کہیں میں کی چھری گردن پر

یہی کیفیت اس سچی جواب کی ہے جس میں جواب دینے سے انکار پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ساتھ ہی سائلین کو بدکاری کا ڈپو مہ بھی عطا کیا گیا ہے۔

پادری صاحب! آپ نے سکول یا کالج میں کبھی کسی استاد کو کم سے اپنے حق میں

بیسالفاظ سنے ہیں۔ اچھا اگر کبھی سن پائیں تو ایسے استلو کے متعلق اخلاقی حیثیت سے کیا رائے قائم کریں گے اور کیا کہیں گے۔ یہی تاکہ ع تمہیں کہو یہ انداز گفتگو کیا ہے۔

یہ انجیلی جواب اپنے اندر جو تلخی رکھتا ہے وہ جامع مسجد دہلی کے کبابوں سے بھی زیادہ

ہے۔ ناظرین! ایسا جواب دینے والے استاد کی نسبت یہ کہنا کہ اس میں استفساری جلت کو کام میں لانے کی بڑی خواہش تھی۔ کہاں تک ٹھیک ہو سکتا ہے۔

پادری صاحب! میں آپ کے مندرجہ ذیل فقرات کو پڑھ کر بہت متحیر ہوا ہوں۔ آپ علم کلام کے قواعد کو اپنے کلام میں کیوں ملحوظ نہیں رکھتے۔ مثلاً۔

منہجی عالمین نے فرمایا کہ راہ حق اور زندگی میں ہوں (یوہا: ۶) ہمیشہ کی زندگی یہ ہے

کہ وہ محمد نذائے واحد و برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں اور جو کلام تو نے مجھے پہنچایا وہ میں نے ان کو پہنچا دیا اور انہوں نے قبول کر لیا اور مسیح جان لیا (دینِ فقرات منہ بحوالہ یوحنا باب ۱۴)

عجیب | فرمائیے۔ اس قسم کے فقرات کو حجت استفسار سے کیا تعلق ہے؟ یا یونہی کتاب کے صفحات کی تعداد بڑھانا چاہتے ہیں ہاں میں اس فقرے سے بہت خوش ہوں اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسیح کی تعلیم کا خلاصہ یہ تھا۔

لا الہ الا اللہ عیسیٰ رسول اللہ ﷺ

یہ بالکل صحیح اور درست ہے۔ اَمَّا وَصَدَّقْنَا فَالْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ط

مذکورہ اقتباس سے بھی عجیب تر مندرجہ ذیل فقرات ہیں۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں۔

کتاب مقدس حجتِ تجسس کے استعمال پر جا بجا زور دیتی ہے اور اس کے نیک

نتائج سے ہم کو آگاہ کرتی ہے۔ مثلاً ہم خدا کے گھر میں داخل ہوں تو وہ اپنی راہیں ہم کو بتائیگا

(یسایا ۶۰) جس طرح سمندر پانی سے جہاز سے اسی طرح زمین خداوند کے عرفان سے سمور

ہوگی۔ (۱۰) خداوند فرماتا ہے جو فخر کرتا ہے اس پر فخر کرے کہ وہ سمجھتا اور مجھے جانتا ہے

کہ میں ہی خداوند ہوں جو دنیا میں شققت و عدل اور راستبازی کو عمل میں لانا ہوں۔

(یرمیا ۹) اہل دانش نور ملک کی مانند ٹھیکیں گے اور وہ جن کی کوشش ہے تیرے سادق

ہو گئے ہیں۔ ستاروں کی مانند ابدال آباد تک روشن ہوں گے۔ (دانی ۱۲) (منہ)

عجیب | بتائیے کہ ان فقرات میں بھی حجت استفسار کے متعلق کوئی تعلیم ہے؟ پھر ان کو

اس حجت میں کیوں داخل کیا ہے؟ اس سے زیادہ دل خوش کن فقرہ یہ ہے کہ:-

”جسے عقاید پر نظر کرو تو ان کو عقل کے تقاضاؤں کے مطابق پاؤ گے“ (۱۳)

یہ فقرہ تو غالباً آپ کے علم سے بہرہ نسل گیا اگر ہوشیاری اور بیداری کی حالت میں لکھا ہوتا تو

پہلے فقرات کے خلاف نہ ہوتا جن کی تفصیل الوہیت مسیح کے ذکر میں ص ۱۷ سے ص ۱۸ تک

ہو چکی ہے۔ جہاں پورا اور حضرات کے اقوال نقل کئے گئے ہیں کہ تجسّم مسیح کا عقیدہ انسانی عقل

سے خدا کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ عیسیٰ اس کا پیغمبر ہے۔

کی دسترس سے باہر ہے۔ ناظرین! ذرا ورق الٹ کر لائحہ عمل کریں۔ باوجود اس استفادہ کلامیہ کے پادری صاحب کس دلیری سے لکھتے ہیں کہ۔

سطور بالا کے روشن ہو گیا ہوگا کہ مسیحیت جلت استفسار کے اقتضاؤں کو بطرز جن پر راکتی ہے (ص ۳۳)

لیجئے ہم بھی آپ کو خوش کرنے کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ مسیحیت جلت استفسار کو بہت اچھی طرح ذہن کرتی ہے اور پتہ بھی نہیں دیتی کہ اس کا ذہن کہاں ہے (الی اللہ المشتکی)

اس کے بعد پادری صاحب قرآن پر حملہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

”جلیت تحس اور قرآن کی تعلیم“ چونکہ اسلام میں تمام باتوں اور سوالوں کے فیصلوں کا دار و مدار قال اللہ اور قال الرسول پر ہوتا ہے۔ لہذا اسلام میں سب سے یہ صلاحیت ہی موجود نہیں کہ اس میں تحس و استفسار کی جلیت نشوونما پائے

یا اس کا میدان عمل وسیع ہو سکے۔ چنانچہ قرآن میں آیات ہے کہ جس بات کا تجھے علم نہیں اس کے درپے مت ہو۔ بیشک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی اس سے

پرکش ہوگی۔ زمین پر اترتا ہوا نہ چل۔ نہ تو زمین پھاڑ سکتا ہے نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتا ہے ان سب باتوں کی برائی تیرے رب کو ناپسند ہے۔ (بنی اسرائیل ۳۸ تا ۴۰) پس قرآن جلیت استفسار کے تقاضاؤں کے خلاف ہے۔ (ص ۳۳)

مجیب آہ تعصب! تیرا ستیاناس! قرآن مجید میں کئی ایک مقامات پر بیسٹلونک سائلٹ اور سائل سائل وغیرہ الفاظ آئے ہیں جن کے معنی ہیں۔ اسے پیغمبر لوگ تم سے سوال کرتے ہیں اور تم ان کو یہ جواب دے دو۔ یہ آیات بصراحت تمام عادت استفسار کی تعلیم کو ترقی دے رہی ہے۔ جب امت کو پیغمبر اسلام سے پوچھنے کا حق حاصل تھا تو علماء سے پوچھنے کا حق کیوں نہ ہوگا۔ پادری صاحب نے کیا ظلم کیا ہے کہ قرآن مجید کی اعلیٰ اخلاقی تعلیم کو الٹی پھری سے ذبح کرنے کی کوشش کی ہے یعنی وہ فقرات جو عبارت منقولہ میں درج ہیں جن پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے آپ نے ان کو خواہ مخواہ اپنے اعتراضات کا ہدف بنا لیا ہے۔

پادری صاحب | میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے آپ کے کسی حملے پر اتنا رنج نہیں ہوا جتنا اس موقع پر ہوا۔ اس لئے نہیں کہ آپ کے اس حملے سے اسلام کو نقصان پہنچا ہے بلکہ اس لئے کہ آپ ایک مسلم خاندان کی اولاد ہو کر قرآن مجید سے ناواقفیت کا اتنا ثبوت دیتے ہیں جتنا کہ کوئی برہمن لحم البقر کے بھاؤ سے بھی نہ دیکھا۔ سنئے! قرآن مجید کی جس آیت پر آپ نے اعتراض کیلئے وہ یہ ہے:-

لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ بِكَ بِهِ عِلْمٌ طَائِفَاتٍ أَلْسِنَتُهُنَّ يَتَّبِعُنَّ أَقْوَابَهُنَّ
مِمَّا سَمِعْنَ وَأُولَئِكَ كَانُوا عَشْرًا مَسْئُولًا (پ ۱۵ ص ۱)

براہ راست سنی کی بڑی بنیاد یہ ہے کہ آدمی ہر سنی سنائی بات کو سگے کہہ دیتا ہے۔ سنی کے متعلق اس کو یقینی علم نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ عدالتوں میں ایسی ہی حلفیہ شہادتیں بھی دے آتے ہیں اور بسا اوقات کسی غیر معتبر آدمی کے کہنے پر کہ فلاں شخص تم کو برا بھلا کہتا تھا لالہ پیسے ہو کر خون خرابہ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ لوگ بے ثبوت شخص سنی سنائی باتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ پس اس خرابی کے سدباب کے لئے یہ آیت نازل ہوئی کہ جس بات کا تم کو یقینی علم نہ ہو اس کی پیروی نہ کیا کرو بلکہ اس کو سننا بھی گزار نہ کرو۔ اسی لئے فرمایا کہ

تبار سے کان۔ آنکھ اور دل وغیرہ اعضاء کے متعلق تم سے سوال ہوگا کہ ان کو کہاں استعمال کیا تھا جائز جگہ یا ناجائز جگہ،

آپ کے پادری عماد الدین صاحب نے اس آیت کا جو ترجمہ کیا ہے۔ اگر آپ اس کو ہی ملحوظ رکھتے تو بھی اعتراض نہ کرتے۔

لَا تَقْفُ جو صیغہ نہیں ہے باب تفاعیل سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں کسی بات کے پیچھے پڑ جانا۔ یعنی اس کو مدار قرار دے کر مخاصمت یا معاشرت کو اس پر مبنی ٹھیرانا یہی فعل باب تفعیل سے بھی آیا ہے چنانچہ ارشاد ہے وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعَيْسَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ (یعنی ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو ان پیغمبروں کے پیچھے بھیجا) اس کے علاوہ آپ نے اس سے آگے ایک اور آیت پر بھی ظلم کیا ہے کہ تکبر نہ چال سے ممانعت کو بھی

جنت استفسار میں داخل کر لیا ہے۔ اللہ اللہ کیا یہ فہم قرآن ہے یا ظلم بقرآن۔

اب سنئے! پہلے حقے کا جواب۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ مومنوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ اللہ رسول کا حکم پہنچنے پر ان کو اس کی تعمیل میں کوئی عذر نہ ہونا چاہیے چنانچہ ارشاد ہے: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مَوْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمَا الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ (پا۔ ۱۷۰)

پادری صاحب نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے:

جب اللہ اور اس کا رسول کوئی بات مقرر کر دے تو کسی ایمان دار مرد یا عورت

کا کام نہیں کہ اس میں چوں چوا کرے۔ یا اس کی نسبت سوال کرے۔ کیونکہ

(اس معاملہ میں) ان کا کوئی اختیار نہیں رہتا (ص ۱۷۰)

اس ترجمہ میں آپ نے کئی کمال دکھائے ہیں۔ ان کمالات میں سے بڑا کمال یہ ہے کہ ترجمہ میں اپنی طرف سے یہ جملہ بڑھا دیا کہ "یا اس کی نسبت سوال کرے" ایسا تصرف کہ آپ نے اپنی غرض فاسد کے ماتحت اپنی ہوشیاری کا ثبوت دیا ہے ورنہ یہ جملہ آیت کے کسی لفظ کا ترجمہ نہیں ہے۔

آپ کی مثال | آپ سے پہلے پنڈت لیکھ رام آریہ نے دعویٰ کیا تھا کہ قرآن مجید میں بھی تنازع کا ثبوت ملتا ہے اور اپنے دعوے کے ثبوت میں ایک آیت بھی لکھی تھی جس میں ذکر ہے کہ جانور وغیرہ بھی تم انسانوں کی طرح حیوانات کی انواع و اقسام ہیں۔ مگر اتنے ترجمہ سے اس کا کام نہ چلتا تھا اس لئے انہوں نے آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ

"یہ جانور تمہاری طرح ایتھیں تھیں"

لفظ تھیں سے آپ کی غرض یہ ہے کہ یہ جانور پہلے انسان تھے اب باقاعدہ تنازع حیوان بن گئے ہیں۔ اسی طرح پادری صاحب نے بھی پنڈت جی کا اتباع کرتے ہوئے مذکورہ جملہ اپنی طرف سے بڑھا دیا۔ نہ وہ قرآن کا ترجمہ تھا نہ یہ ہے۔

پادری صاحب! آپ یہ خیال دل سے نکال دیں کہ قرآن بھی انجیل کی طرح ہے جو اصل

لہ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُنْمِئَتْ وَرَدُّهَا (پا۔ ۱۷۰)

زبان میں ملتی ہی نہیں۔ قرآن مجید بفضلہ تعالیٰ اپنی اصل زبان میں محفوظ ہے اس لئے اس کے ترجمہ میں کوئی غلطی نہیں چل سکتی۔ پس آیت موصوفہ کا با محاورہ ترجمہ سنئے!

خدا رسول جب کسی کام کا حکم دے دیں تو کسی مرد مؤمن یا عورت مؤمنہ کو اس کی تعمیل کرنے یا نہ کرنے میں اختیار نہیں بلکہ ضرورتاً تعمیل کرنی ہوگی۔

یہ حکم بالکل صحیح ہے اور قطعاً درست ہے ہم مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ کل انبیاء علیہم السلام کی امتوں کو یہی حکم تھا کہ حضرات انبیاء کرام کی تعلیم پر عمل کرو۔ اسی لئے مسیح فرماتے ہیں۔

اگر تم مجھ سے پیار کرتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو (یوحنا ۱۴: ۱۵)

پس یہ آیت قرآنی تعمیل احکام کے متعلق ہے۔ استفسار سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔ وہ ایک الگ چیز ہے اس کا ثبوت قرآنی آیات لیسٹونک اور سائلنگ وغیرہ میں ملتا ہے۔ آگے چل کر پادری صاحب نے ایک اور کمال کیا ہے کہ:-

باوجود اس وعدہ کے کہ میں حدیثوں کو بالاستقلال زیر بحث نہیں لاؤں گا (دین فطرت) مشکوٰۃ باب القدر میں سے ایک حدیث نقل کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ صحابہ کرام تقدیر کے مسئلہ میں جھگڑ رہے تھے تو حضور نے ان کو خفگی کے لہجے میں منع فرمایا۔ (ص ۱۳۰)

اس حدیث سے آپ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کسی مؤمن مسلمان کا کام نہیں ہے کہ وہ کسی دینی مسئلہ کے متعلق سوال پوچھے (ص ۱۳۰)

مجیب | اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا بھی غلط ہے۔ حدیث کا مضمون بتانے سے پہلے میں آپ کو ایک مثال بتا دوں۔ غور سے سنئے۔

مثال | کسی سکول کے بچوں کے اوقات سکول میں سیاسیات (پالیٹکس) پر بحث کرنے لگ جائیں تو اسناد کا فرض ہے کہ ان کو اس قسم کی بحث سے روک دے کیونکہ ایسا کرنا ان کے حق میں مفید ہونے کی بجائے مضر ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسناد لڑکوں کو کوئی بات پوچھنے سے بھی منع کرتا ہے۔ منع نہیں کرتا بلکہ غیر مفید کام سے ہٹا کر مفید کام پر لگاتا ہے۔ یہ اعلیٰ درجے کی تربیت ہے

اس سے آگے آپ نے مسئلہ جہاد کے متعلق خواہ مخواہ کی پھیٹر خانی کی ہے جس کا

جواب یہ ہے کہ اجتہاد علماء اسلام کی اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح ہے۔ بیشک قرآنی تصریحات میں سے نہیں ہے۔ علماء اسلام میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے یا بند ہو گیا ہے۔ ہمارے نزدیک ابتدائے اسلام سے اجتہاد کا دروازہ کھلا آیا ہے اور آئندہ بھی کھلا رہے گا۔ آج تک بہت سے مجتہد ہو چکے ہیں آئندہ بھی ہوتے رہیں گے کتب اصول میں یہ مسئلہ مقررہ کتاب ہے

پس آپ کا یہ اعتراض کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا ہے ہم پر وارد نہیں ہوتا۔ ہاں پادری صاحب اگر میں ایک مثل پیش کروں تو آپ کو جواب دینا مشکل ہو جائے گا۔ اچھا آپ کی آزمائش کے لئے پیش کئے دیتا ہوں۔ سنئے جناب مسیح کا ارشاد ہے:-

وے جو ایمان لائیں گمان کے ساتھ یہ علامتیں ہوں گی کہ وے میرے نام سے دیووں کو نکالیں گے اور نئی زبانیں بولیں گے۔ سانپوں کو اٹھائیں گے۔ اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پیش گے انہیں کچھ نقصان نہ ہوگا۔ وے بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو چنگے ہو جائیں گے (مرقس باب ۱۶ : ۱۷)

پادری صاحب! آپ کی ذات میں ان اوصاف میں سے اگر ایک وصف بھی ہو تو یہ بڑے فائدے کی چیز ہے۔ آپ حکومت سے درخواست کریں کہ میر ہسپتال لاہور کے جملہ مریض میرے حوالے کئے جائیں۔ ان کے علاوہ پبلک میں بھی اشتہار دے دیں کہ سب مریض میرے پاس آئیں۔ آپ ان کو ہاتھ سے چھو کہ تندرست کئے جائیں پھر دیکھیں کہ دینی اور دنیوی ہر دو قسم کے نوآئند کس طرح حاصل ہوتے ہیں۔ مسلمان مولویوں اور ہندو پنڈتوں کے منع کرنے سے کوئی نہ رکے گا بلکہ سب لوگ مسیحی ہو جائیں گے اور دولت بھی فراواں ہاتھ آجائے گی۔ اگر ان اوصاف میں سے کوئی وصف بھی آپ لوگوں میں نہیں ہے تو اس عبت کام میں اپنا اور لوگوں کا وقت کیوں ضائع کرتے ہو۔ اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو میں ایک اور بات پیش کرتا ہوں جو بالکل آسان ہے وہ یہ ہے کہ اگر آپ کو جنگ کی وجہ سے جسمن زبان سے نفرت ہے تو بڑی خوشی سے کشمیری زبان میں تقریر کریں۔ ہم بھی سننے آئیں گے۔

پادری صاحب! باتیں کرنے کو تو بہت ہیں اس لئے اختصار کرنا مفید ہے۔ آپ انجیل اور قرآن میں بتائی ہوئی ایمانداروں کی نشانیاں سامنے رکھیں۔

انجیل کی بتائی ہوئی نشانیاں تو آپ سن چکے ہیں اب قرآن میں بتائی ہوئی نشانیاں غور سے سنئے۔ ارشاد ہے: **إِنَّهَا السُّمُونُ السِّدِّينَ إِذَا ذَكَرَ اللَّهُ وَجِلَّتْ لُهُمْ صُفُوفٌ وَإِذَا تَنَبَّأَ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ** (طہ- ۸۴) (مومن وہ لوگ ہیں جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل کانپ جاتے ہیں اور جب ان پر اللہ کے احکام پڑھے جاتے ہیں تو ان کا ایمان ترقی کرتا ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں)

ان دونوں کتابوں کی بیان کردہ نشانیوں کے مطابق امتحان دینے کی تکلیف ہم کسی اور کو کیوں دیں۔ بلکہ مجھے اور آپ کو خود ہی اپنی اپنی کتاب کے مطابق امتحان دینا چاہیے ہیں آپ کے گرجے میں آجاؤں گا۔ وہاں کوئی حافظ قرآن کا رکوسٹ پڑھ دے تو آپ سیری اور مسلمانوں کی قلبی کیفیت کا امتحان کر لیں کہ ان آیات کے مطابق ان میں ایمان ہے یا نہیں؟ میں آپ کے امتحان کے لئے ایک زہریلا سانپ اور زہر کا پیالہ رکھ دوں گا پھر لوگ دیکھ لیں گے کہ آپ میں کہاں تک ایمان کی نشانیاں پائی جاتی ہیں۔

نہ دے ملتے کو اتنا طول غالب! مختصر کھو دے

کہ حسرت سنج ہوں عرض ستم نائے جدائی کا

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں کہ :-

بروئے قرآن کوئی مسلمان دین کے معاملات میں آزاد خیالی کو جگہ نہیں دے سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں تحقیق کی گنجائش نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گیا ہے کہ بااختیار اشخاص کے احکام کو بے چون و چرا تسلیم کرنا تعصب اور سٹ دھرمی کو کام میں لانا۔ ہر شے کو دوسروں کی سند پر قبول کر لینا اور یوں بے بنسٹ و استفسار کو روکنا اور دباننا مسلمانانِ عالم کا طغرائے امتیاز ہے۔ یقیناً نوسی تفاسیر اور کتب احادیث اور فقہ کو رٹ لینا عنایت خیال کیا جاتا ہے۔ متقدمین کی تصانیف سند کے لئے کافی

سمجھی جاتی ہیں۔ علمائے سلف کے نقش قدم پر چلنا موجب فخر ہوتا ہے۔

(دین فطرت ص ۱۲۱)

مجیب | معلوم نہیں کہ آپ کس گاؤں یا بستی میں بیٹھے ہوئے یہ باتیں کر رہے ہیں۔ لاہور جیسے دارالعلوم شہر میں یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔ پادری صاحب! میں اہل اسلام کی علمی ترقیات کا کیا ذکر کروں۔ آپ، ائمہ اے ہونے کے باوجود اگر اس سے بے خبر نہیں تو کون آپ کو بتا سکتا ہے۔ میں اس کی تفصیل کروں تو کتاب میں گنجائش نہیں ہے اس لئے مختصر طور پر آپ کے لئے ایک ایسی کتاب کا حوالہ دیتا ہوں جو کسی مسلمان کی تصنیف نہیں۔ بلکہ ایک فریخ مورخ کی ہے جن کا ذکر یورپ میں بڑی عزت سے کیا جاتا ہے آپ کا نام نامی ڈاکٹر گستاوی بان ہے۔ محمود نے عرب کے علوم و فنون پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا اردو ترجمہ شمس العلماء سید علی بگرامی نے تمدن عرب کے نام سے شائع کیا جس میں تھوڑا سا اقتباس نہ صرف آپ کے لئے بلکہ اپنے ناظرین کے لئے نقل کرتا ہوں۔ غور سے سنئے! ڈاکٹر موصوف فرماتے ہیں:-

ہم اس باب کو اس بیان پر ختم کرتے ہیں کہ تمدن اسلامی کا بہت ہی زبردست تسلط تمام عالم پر رہا ہے مگر اس تسلط کے بانی صرف عرب تھے نہ وہ مختلف اقوام جنہوں نے ان کے مذہب کو اختیار کیا۔ عربوں کے تسلط اخلاقی نے یورپ کی ان اقوام وحشی کو جنہوں نے رومیوں کی مسطنتوں کو تہ و بالا کیا، انسان بنایا۔ ان کے علمی و دماغی تسلط نے یورپ کے لئے علوم و فنون اور ادب اور فلسفہ کا جس سے وہ بالکل نادانف تھا دروازہ کھول دیا اور چھ صدی تک یہی عرب ہمارے استاد اور ہمیں تمدن سکھانے والے رہے۔ (تمدن عرب ص ۵۲۴)

مشورہ | پادری صاحب! یہ ساری کتاب آپ کے دیکھنے کے قابل ہے۔ اگر مشن لائبریری یا پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں نہ ہو تو آپ میرے ہاں تشریف لاکر بڑے شوق سے اس کو دیکھ سکتے ہیں۔ ایں خانہ خانہ ثنا است۔ مولانا حالی مرحوم نے مسلمانوں کی علمی ترقی کا ذکر نہایت مجمل مگر لطیف پیرائے میں کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:-

ہراک میکہ سے پھرے بھر کے ساغر ہراک گھاٹ سے آئے سیراب ہو کر
گرے مثل پروانہ ہر روشنی پر لیا گرہ میں باندر حکم مہمپ

کہ حکمت کو اک گم شدہ لال سمجھو
جہاں پاؤ اپنا اسے مال سمجھو

ہاں اس میں شک میں کہ سنانوں میں بھی بعض لوگ رومن کیتھولک عیسائیوں کی طرح سرج
تنگ نظر ہیں۔ سہ آپ ان کی تنگ نظری کا الزام سب مسلمانوں پر نہ رکھیں۔ کیونکہ محقق
مسلمانوں کا مذہب تو وہ ہے جو ایک حدیث نبوی پر مبنی ہے جس کے الفاظ ہیں لا
تنقضی عجا ئبہ کہ قرآن مجید کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے۔ یعنی اس کے معانی اور
نکات نئے سے نئے نکلتے آئیں گے۔ واقعی جو لوگ قرآن مجید کو اس کے خادم علوم و
فنون کی روشنی میں پڑھتے ہیں بے ساختہ ان کے منہ سے نکل جاتا ہے یہ

کیا جانے تجھ میں کیا ہے کہ لوٹے ہے تجھ پہ جی

قرآن!

یوں اور کیا جہان میں کوئی حسیں نہیں

اس سے آگے آپ نے جہالت تحسنت اور اسلامی تہذیب وغیرہ کا مضمون جو کئی صفحوں
پر پھیلا لیا ہے۔ ان سب باتوں کا جواب آپ کو تمدن عرب میں مل جائے گا ایک بات
خاص طور پر قابل ذکر یہ ہے کہ آپ نے ص ۱۲۱ سے لے کر ص ۱۲۸ تک مختلف مالک
اسلامیہ کے رطب و یابس جمع کر کے نتیجہ نکالا ہے کہ

”تذکوں نے بھی اسلام کو تھوڑا دیا۔ (ص ۱۲۱)

خدا کی قدرت نے آپ ہی کے قلم سے اس کا جواب بھی لکھا دیا سنئے آپ کے الفاظ یہ ہیں:-

”تذکوں نے ترکی میں نماز پڑھنے کا حکم دے دیا۔ (ص ۱۲۱)

بھلا جو قوم اسلامی طریق پر مسجدوں میں نماز پڑھتی ہو اس کے حق میں بھی یہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے
کہ اس نے اسلام کو تھوڑا دیا۔

(نوٹ) پوری صاحب ہوں یا کوئی اور صاحب۔ کان کھول کر سن لیں کہ کوئی مذہب اپنے

لے کلمۃ الحکمۃ الصالۃ المؤمن حیث وجدہا فہا حق بہا (الحديث) کی طرف اشارہ ہے ۱۲۰ منہ

اتباع کے اقوال یا افعال کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہر مذہب میں کچھ روہوتے ہیں جو مذہب کے تابع نہیں ہوتے بلکہ مذہب کو اپنے تابع کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ عیسائیوں میں بھی ان کی تو نہیں۔ چنانچہ رومن کیتھولک عیسائیوں کی مثال کافی ہے جو آپ کے نزدیک بھی گمراہ ہیں۔ پس آپ نے جو ترکوں وغیرہ کا ذکر کیا ہے ایک بے بات ہے جو طلعت کتاب کی موجب ہے۔ اگر ایسے ہی رطب و یابس سے کتاب کو پر کرنا ہے تو ہم بھی مسٹر بریڈلا سابق ممبر پارلیمنٹ انگلستان کی کتاب نقل کر دیں گے پھر۔

مشغل بہت بڑی برابری کی چوٹ ہے آئینہ دیکھنے کا ذرا دیکھ بجال کر ہم اسی کتاب میں صفحہ ۱۴ پر لکھا آئے ہیں کہ ترک چونکہ حنفی المذہب ہیں اور حنفی المذہب میں غیر عربی زبان میں نماز پڑھنے کی اجازت موجود ہے اس لئے انہوں نے اپنے مذہب کے فتوے کے ماتحت اگر یہ طریقہ اختیار کر لیا ہو تو کیا حرج ہے اور قرآن شریف کیا اعتراض ہے؟

پادری صاحب! اگر الہامی زبان کو چھوڑ کر اپنی مادری زبان میں نماز پڑھنے سے مذہب کا ترک کرنا لازم آتا ہے تو بتائیے کہ انگریز عیسائی اور ہندوستانی عیسائی کس زبان میں نماز پڑھتے ہیں؟ یقیناً انگریز عیسائی انگریزی میں اور ہندوستانی عیسائی اردو میں نماز پڑھتے ہیں۔ پھر کیا یہ دونوں زبانیں انجیل کی الہامی زبان کی مصداق ہیں؟ ہرگز نہیں۔ مسیحی دوستو! ع ایس گناہیت کہ در شہر شامینہ کنند آگے چل کر پادری صاحب اگھتے ہیں کہ :-

جبلت استفسار ہماری سرشت کا ایک زبردست حصہ ہے (صفحہ ۱۶۸)

ہم بھی آپ کی تائید کرتے ہیں بلکہ قرآن شریف آپ کی خواہش کو پورا کرتا ہے۔ لیکن انجیل ایسی جہتی خواہش کا اظہار کر سکتا ہے کہ وہ منغلطات سناتی ہوئی بداد و حرام کار قرار دیتی ہے (صفحہ ۱۲: ۳۹) ایسا کیوں ہے؟ ع اگر گویم زبان سوزد

لے تفصیل بر ص ۱۸ ملاحظہ ہو (محبوب)

ہیں! پادری صاحب کی ہر بات کا شکر یہ ہے کہ آپ تعلیم یافتہ طبقے کے ساتھ اظہارِ ہمدردی
تے ہوئے لکھتے ہیں۔

تعلیم یافتہ مسلمان چاہتے ہیں کہ ان کے دینی عقائد وغیرہ کی اصلاح عقل سلیم
کے مطابق ہو سکے۔ وہ بزرگانِ سلف کی سداور اقوال کے سامنے سر تسلیم خم کرنے
کو تیار نہیں! (ض)

یہاں ہم ان تعلیم یافتہ مسلمانوں کے تقاضا کی قدر کرتے ہیں اور آپ کی دسالت سے
میںم یافتہ مسیحی اصحاب تک اپنا یہ سوال پہنچاتے ہیں کہ دشمنوں کے زبغے میں پھنس کر
ٹپ ٹپ کر جان دینے والا شخص بھی خدا ہو سکتا ہے؟ (تفصیل بر صفحہ ۱۹۱ ملاحظہ ہو)
پادری صاحب کا فرعون ہے کہ ایسے لوگوں کی تسلی عقلی دلیل سے کریں۔ پھر آپ کا یہ لکھنا
جی عجیب ہے کہ:-

قرآن کا یہ مقصد نہیں تھا کہ ان احکام کو ایک با ترتیب دے کر کتابی صورت میں
جمع کیا جائے نہی نے ایسا حکم بھی نہیں دیا تھا اور نہ آپ کا یہ ارادہ اور مقصد تھا (ض)
عجیب! جو شخص اپنے مومنین سے الگ ہو کر ادھر ادھر کی باتوں میں وقت ضائع کرے
اس کے حق میں عرب لوگ کہا کرتے ہیں "یشی خبط العشاؤ" اورہ دیرانی اونٹنی کی طرح
چلتا ہے) سبعہ علقہ کا ایک مصرع سنئے! ع

رایت المنایا خبط عشواء من تصب

یعنی موت پاگل اونٹنی کی طرح دنیا میں پھرتی ہے۔

پادری صاحب کی تصنیفات میں ہم نے یہ خاص وصف پایا ہے۔ بھلا آپ کی سرخی جلتی
استفسار سے اس فقرہ کو کیا تعلق؟ باوجود اس کے ہماری خیالی دیکھنے کہ ہم آپ کو آگاہ کرے
ہیں کہ قرآن مجید آنحضرت کے حکم سے آپ کی زندگی میں جمع کیا تھا اس کے متعلق احادیث
بکثرت ملتی ہیں۔ لولا غرابت المقام لاقبت بها۔

آگے چل کر پادری صاحب نے صفحہ ۱۹۱ پر جلتی اجتماع پسندی کا ذکر کیا ہے جس کی تہید
کا خلاصہ اصل الفاظ میں یہ ہے کہ:-

(۱) انسانی فطرت ایسی واقع ہوئی ہے کہ مختلف افراد آپس میں مل جل کر رہنا پسند کرتے ہیں (ص ۱۴۱) ہمارا بھی اس پر صاد ہے۔

(۲) دین فطرت کا یہ کام ہے کہ اس بات کا خیال رکھے کہ اجتماع پسندی کی جبلت افراد کی ہستی کو دبا-نے نہ پائے بلکہ ہر فرد کو ذمہ دار آزاد اخلاقی ہستی قرار دے (ص ۱۴۲) بشرط حفظ مراتب صحیح ہے نوکر و آقا اور ماتحت و افسر کا لحاظ رکھا جائے گا۔ ع
گر حفظ مراتب نہ کنی زندقی

(۳) دین فطرت کا یہ بھی کام ہے کہ خدا کی ذات کی نسبت ایسی تعلیم دے جو اس جبلت کے اقتضا کے مطابق ہو اور ایسے اصول بتائے جس سے خدا اور انسان کے باہمی تعلقات میں رفاقت کا سلسلہ قائم اور جاری رہ سکے (ص ۱۴۳)

مجیب | اس نمبر کا پہلا حصہ بلکہ دوسرا بھی ہم صحیح سمجھتے ہیں اور پادری صاحب کی دیری کی داد دیتے ہیں کہ مسیح کو مجسم خدا کہہ کر مذکورہ جبلت کے اقتضا کو پورا کر رہے ہیں۔ خدا کی ذات کے تعلق مسیحیت نے جو تعلیم دی ہے اس مفصل بحث ص ۱۴۴ سے متشکل ہو چکی ہے اس کے بعد پادری صاحب اصل مطلب پر یوں گویا ہوئے ہیں۔

”مسیحیت اور افراد کی وقعت | یہ ایک تواریخی حقیقت ہے کہ کلمۃ اللہ اس دنیا

کے پہلے معلم تھے جنہوں نے کل عالم کو یہ سکھلایا کہ ہر فرد بشر ایک ذمہ دار اخلاقی ہستی ہے۔ آپ نے یہ تعلیم دی کہ خدا باپ ہر فرد بشر سے لازم محبت رکھتا ہے۔

اور ہر ایک بشر کی زندگی کا خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ بچہ ہو یا بوڑھا، خفیف سے خفیف و اضعیف بھی خدا کے علم اور محبت کا مظہر ہے (متی ۱۱: ۲۵) آپ نے سزا یا کہ حقیر ترین انسان

کی روح کی قدر نہ صرف تمام دنیا سے زیادہ ہے (مرقس ۱۶: ۷) بلکہ وہ ایسی قیمتی شے ہے کہ اس کو حاصل کرنے کے لئے خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو اس دنیا میں بھیجا۔

تاکہ کسی فرد بشر کی روح ہلاک نہ ہو۔ بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے (یوحنا ۱: ۲۹)

مجیب | اس سارے اقتباس کو عنوان مذکورہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ ہم اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ پیش کرنا کافی سمجھتے ہیں وَمَا أَدْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً

لِّلْعَالَمِينَ ط رِیَاط - ع

”اے نبی! ہم نے تم کو اس لئے بھیجا ہے تاکہ دنیا کے تمام لوگوں پر رحم رحم کریں،
باقی رہا خدا کا اکلوتا بیٹا اور اس کا کفارہ ہونا سو اس کی بحث کتاب ہذا میں ص ۱۲۵ سے
ص ۱۳۷ تک مفصل ہو چکی ہے۔ اسی ضمن میں آپ لکھتے ہیں کہ:-

”ہر ایک انسان کا دل خدا کا مقدس ہے اور خدا کا روح اس میں بسا ہوا ہے، ڈاکر
۲۱) پس ہر ایک شخص خواہ وہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ، خواہ امیر ہو یا غریب، خواہ بڑا ہو خواہ
چھوٹا، خواہ مرد ہو خواہ عورت، جو مسیح میں ہے وہ نیا مخلوق ہے اس میں سے پرانی
چیزیں جاتی رہیں۔ دیکھو وہ نئی ہو گئیں (۱۷ کر ۵ وغیرہ وغیرہ) (ص ۱۷۶)

”معم اس عبارت کو اگر تسلیم کریں تو ہمارا کوئی حرج نہیں۔ اخیر میں آپ اس طویل عبارت
کا خلاصہ نکال کر لکھتے ہیں کہ:-

غرضیکہ مسیحیت کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ ہر انسان کو موقع اور توفیق عطا کرنے کی صلاحیت
رکھتی ہے تاکہ دنیا کا ہر فرد بشر اپنی انانیت کا جائزہ طور پر اظہار کر سکے اور اپنی ذات
کو ترقی اور تکمیل دے سکے جس سے ظاہر ہے کہ مسیحیت دینِ فطرت ہے (ص ۱۷۷)

عجیب | بادر جو اس خوبی کے پادری صاحب سے وہ تعلیم مخفی رہی جسے انجیل مسیح کے
الفاظ میں پیش کرتی ہے کہ:-

”وہ چیز تو پاک ہے کتوں کو مت دو اور اپنے موتی سوڑوں کے آگے نہ پھینکو۔ ایسا نہ

ہو کہ وہ انہیں پامال کریں اور پھر کہ نہیں بھاڑیں (متی باب ۷، ۶)

پادری صاحب! اس اقباس میں کتے اور سوڑوں کو کہا گیا ہے۔ حیوانوں کو یا انسانوں کو
حیوانوں کو کہنے کی تو ضرورت ہی نہیں۔ اگر برے انسانوں کو کہا گیا ہے تو ایسا کہنا آپ
کے فتنا کے خلاف تو نہیں ہے؟ ع سیمو! ذرا انصاف سے کہو خدا لگتی۔

آگے چل کر آپ فرماتے ہیں:-

اسلام اور افراد کی وقعت قرآنِ عظیم کی تبلیغ رسم کو جائز قرار دیتا ہے اور اس

کو جہاد وغیرہ کے مرغبات اور محرمات حسہ میں شمار کرتا ہے (ص ۱۷۸)

عجیب | غلامی کا ثبوت ہم مسیح کی مسلمہ شریعت موسوی سے پہلے وے چکے ہیں۔

ہو (میتھ) قرآن مجید نے غلاموں پر کئی قسم کے احسانات کئے ہیں۔ مثلاً

(۱) گناہوں کے کفاروں میں ان کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔

(۲) مکاتبت طلب کرنے پر ان کو مکاتبت کرنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:-

وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ الْكِتَابَ مِنْكُمْ فَكُفُّوا رُءُوسَهُمْ

إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا وَإِن كُنْتُمْ مِنْ قَوْلِهِمْ أَتَاكُمْ دِينُ اللَّهِ

دینہارے غلام جو مکاتبت چاہتے ہوں۔ اگر تم ان میں نیکی پاؤ تو ان سے مکاتبت

کرو اور ان کو اس مال میں سے جو خدا نے تم کو دیا ہے بطور راس المال کچھ دے دو

(تاکہ وہ اس کے ذریعہ کچھ مال کما کر تم سے آزادی حاصل کریں)

(۳) مالک کو حکم ہے کہ جو خود کھائے وہی اپنے غلام کو کھلائے اور جو خود پیئے وہی غلام

کو پینائے۔

پادری صاحب دیکھئے کہ باوجود حفظ مراتب کے کیسی مساوات کی تعلیم ہے۔

آگے چل کر آپ لکھتے ہیں کہ:-

(۱) اسلام نے انسان کو اخلاقی طور پر بھی آنا دہ دارستی قرار نہیں دیا۔ چنانچہ قرآن

کہتا ہے: جب تم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہو تو وہاں کے دو تہذیبوں

کو حکم دیتے ہو۔ پھر وہ اس میں نافرمانی کرتے ہیں تب ان پر وعدہ عذاب ثابت

ہو جاتا ہے پھر ہم ان کو اکھاڑ پھینکتے ہیں (بنی اسرائیل آیت ۱۷)

(۲) ہم (اللہ) نے آدمیوں اور جنوں میں سے اکثروں کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے

(اعراف ۱۷، ۱۸) (۳) اگر تیرا رب چاہتا تو سب لوگوں کو راہ پر کر دیتا۔ اور وہ ہمیشہ

اختلاف کرتے رہیں گے۔ مگر جس پر تیرے رب کا رحم ہوا۔ اللہ نے ان کو اختلاف کرنے

کے لئے ہی پیدا کیا ہے اور تیرے رب کی بات پوری ہوئی کہ البتہ میں جنوں اور

غلام اپنے مالک سے کہے کہ میں آپ کو سو پچاس روپے کما کر دے دوں تو مجھے آزاد کر دینا اور

مالک اس کو مشروط آزادی نامہ لکھ دے۔ اس کو مکاتبت کہتے ہیں۔

آدیوں سب سے دوزخ کو بھروسہ دوں گا" (ہود ۱۲۰) (۲) اگر اللہ چاہتا تو
سب کو ایک ہی دین پر کر دیتا۔ لیکن وہ جس کو چاہے گمراہ کرے اور جس کو چاہے
ہدایت دے (نحل ۵۵ و ۳۸) (۵) یہ نصیحت ہے کہ پس جو کوئی چاہے
اپنے رب کی طرف راہ پکڑے لیکن تم چاہ نہیں سکتے جب تک اللہ نہ چاہے
درہر ۲۹-۳۰ (۶) اللہ نے تم کو اور تمہارے افعال اور کاموں کو پیدا کیا۔

(صافات ۹۲) (ص ۱۴۹، ص ۱۴۸)

جواب آیت علیٰ پہلی آیت جس پر آپ نے اعتراض کیا ہے اس کے الفاظ میں

اِذَا ارَدْنَا اَنْ نَّهْلِكَ قَدْرِيَةً اَمْرًا مَّا تَرْفِيهَا فَتَسْفُوْنَ فِيهَا

فَحَقَّ عَلَيَّهَا الْقَوْلُ كَمَا مَرَّ بِهَا تَنْدِمًا مِثْرًا طَرِيًّا (ع)

اس آیت کا مطلب ہم آپ کو بتاتے ہیں۔ غور سے سنئے!

کسی بستی میں قحط سالی ہے یا وبا کی امراض پھیل گئے ہیں۔ غمراہی کی حالت
میں گمراہ رہے ہیں۔ امراء کو بزبان یا دیان مذہب یا بزبان حال حکم ہوتا ہے اَنْفِقُوا مِمَّا
رَزَقَكُمُ اللّٰهُ رِزْقًا مِّنْ لَّدُنْهُ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۱۰۲) اللہ کے دینے ہوئے میں سے کچھ خرچ کرو تو وہ لوگ اپنی بدستی
میں اور مل کے نشے میں جواب دیتے ہیں:-

اَنْطَعِرُ مِنْ لَّدُنْكَ اللّٰهُ اَطَعَمَكُمُ رِزْقًا (ع)

کیا ہم ان لوگوں کو کھلائیں جن کو خدا نے نہیں کھلایا یعنی ان کو فائدہ پہنچائیں جن کو خدا نے نہیں پہنچایا

ایسی ہی مغرور بستی کے لوگوں پر خدا کی طرف سے تباہی و بربادی آجایا کرتی ہے۔ آیت

مَوْصُوْفٌ فِيْ نَفْسِكُمْ اَنْفِقُوْا كَالْفِطْرِ اِنْهٰی مَعْنٰی پَرِوَالَتِ كَرْتَابِہٖ كَمَا وَهْ خُدَاثٰی اِحْكَامٌ مُّتَعَلِّقٌ

احسان و مروت کا خلاف کر کے اپنی بد عملی کا ثبوت دیتے ہیں تو ان پر تباہی آجاتی ہے

پادری صاحب! کیا آپ کو نبی اسرائیل کے عذاب اور اسیری کا زمانہ اور دوسرے واقعات

یاد نہیں رہے۔ آخر یہ بھی کیسی بد عملی کی منرائی یا جن لوگوں نے مسیح کو تکلیفیں دیں کیا آپ

کے نزدیک وہ عذاب کے مستوجب نہیں تھے؟

دوسری تشریح بعض اوقات کسی بستی پر تکلیف آجاتی ہے تو وہ لوگ بجائے عاجزی

اور زاری کرنے کے اپنی بد عملیوں میں منہمک رہتے ہیں پھر ان پر مزید تباہی سہماتی ہے اس تشریح کے لئے قرآن مجید کے الفاظ یہ ہیں۔

فَإِذَا جَاءَهُمْ بِأَسْنَانٍ تَضَرَّعُوا وَلَكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ط رپ - ع

ہمارا عذاب پہنچنے پر وہ لوگ نرم دل اور متوجہ نہ ہوئے بلکہ بے کاموں میں لگے رہے اور شیطان نے ان کے بے کامیوں کی نظروں میں اچھے کر دکھائے آیت زیر بحث کی یہ دونوں تشریحیں قرآن مجید میں ملتی ہیں جو بالکل صحیح ہیں۔ بائبل میں بیت کے دن مچھلیاں پکڑنے کا جو ذکر ملتا ہے وہ بھی اسی قسم سے ہے (نعمیہ ۱۳: ۱۶) جواب آیت ۲۱ | دوسری آیت کا جواب ص ۹۴ پر بالتفصیل گزر چکا ہے۔

جواب آیت ۲۲ | تیسری آیت کے پورے الفاظ یہ ہیں:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَذُورُنَّ فَتَلِفِينَ
إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ ط وَلِذَلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَنَبَّأَهُمْ كُلًّا لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى النَّاسِ لَئِنْ أَشَاءُوا لَكُنَّا عَنْهُمْ
مِنَ الْجَحِيمِ وَالنَّاسُ أَجْمَعِينَ رپ - ع

یہ آیت ایک نیچرل لاقانون قدرت، پر اطلاق دیتی ہے جس کو پہلے تمہید کے طور پر سمجھ لینا ضروری ہے۔ پس توجہ سے سنئے:

نوع انسان کے افراد کو دیکھئے کہ ان کے حالات، خیالات، اور مقامات کس قدر مختلف ہیں۔ پہلے تو فطری طور پر بہت سے لوگ مذہب کو بلکہ خدا کو بھی جواب دے بیٹھے ہیں۔ پھر مذہب اور خدا کے قائلین میں بہت سے نیک اور پرہیزگار ہیں اور بہت سے فاسق و بدکار۔ ان کے علاوہ کوئی ظالم ہے اور کوئی مظلوم مزارعوں کا اختلاف بھی اسی اختلاف میں داخل ہے۔ بعض لوگ سرد مزاج یعنی حلیم اور بردبار ہوتے ہیں اور بعض آتشیں مزاج یعنی غصیلے اور جلد باز اور یہ سب قدرتی اختلاف کے مظاہر ہیں۔ جس پر کسی اہل دل شاعر نے کہا ہے ع اے ذوق اس چمن کو ہے زریب اختلاف سے

مذہبی حیثیت کا اختلاف بھی اسی فطری اختلاف پر متفرع ہے چنانچہ اسی اختلاف کی بنا پر

آپ (پادری برکت اللہ) جیسے ذہین اور طباع اور مشکل اور باریک مشکہ کو بھی حل کر لیتے ہیں کہ کھاتا پیتا اور گناہ موتا مکہ تڑپ تڑپ کر جان دینے والا انسان خدا بھی ہو سکتا ہے مگر میرے جیسا کم علم اس حقیقت کو نہیں پاسکتا۔ اس قسم کے تمام قدرتی اختلافات ملحوظ رکھ کر مذکورہ بالا ارشاد کا مطلب سنئے کہ

اگر ہم چاہتے تو نوع انسان کے سب افراد کو یکساں مزاج یکساں عقل اور یکساں ذہنی رجحانات عطا کر دیتے پھر وہ سب خود بخود راہ راست اختیار کر لیتے۔
لَا دَیْبَ صَدَقَ اللهُ! یہ کلام شرطیہ معنی میں بالکل صحیح ہے۔

منطقی طریق سے | پادری صاحب! آپ نے ایمے کی ڈگری پاس کی ہوئی ہے غالباً آپ نے کم وبیش لاجب (منطق) پڑھی ہوگی۔ اہل منطق کہا کرتے ہیں کہ قضیہ شرطیہ کا صدق محض اتصال پر ہوتا ہے۔ چاہے اس کے دونوں اجزاء مقدم اور زامالی بحال ہی ہوں۔ اگر ان میں اتصال پایا جائے تو قضیہ شرطیہ صحیح ہوتا ہے (کیا آپ کو اس جملہ شرطیہ میں شک ہے کہ اگر خدا چاہتا تو مسیح کے دشمنوں کو ہدایت کر دیتا یا اگر چاہتا تو کفارہ مسیح کے بغیر کسی خاص صفت کے ماتحت گنہگاروں کو بخش دیتا)

اہل منطق اس قاعدہ کی مثال دیتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ

”اگر پانچ کا عدد زوج ہے تو دو پر دو پر تقسیم ہو جائے گا۔“

یہ کلام بصورت شرط بالکل صحیح ہے حالانکہ پانچ کا زوج (جفت) ہونا محال ہے پس جس طرح یہ قضیہ منطقی شکل میں صحیح ہے اسی طرح آیت قرآنی کی صورت میں یہ جملہ شرطیہ بھی صحیح ہے کہ: اِذَا كَرِهَ اللهُ حُرْمًا وَاَقْبَلَهُ اسْتَأْذِنَ مِنْكَ لَعَلَّ تَعْلَمَ (یعنی سب کو ہدایت کر دیتے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا۔ وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدًى لَكِنَّمَا لَعَلَّ تَعْلَمَ) چاہا۔ چنانچہ حقیقت واقعہ پر اطلاق دینے کو اسی آیت میں ارشاد ہے لَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَن رَّحِمَدُ بَلْ رَءَاكَ قَائِلِينَ لَئِن لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ فِئْتَانًا لَلْأُمَّةَ لَوَاقِفًا (یہ لوگ قانون قدرت کے ماتحت ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جس پر خدا کا رحم ہوگا وہ اس اختلاف سے نکل کر حق کی طرف رجوع کرے گا، مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کی طبیعت میں یہ ضد نہ ہوگی کہ میں اپنے

مخالف کی سچی بات بھی کیوں قبول کروں یہ استثنا جملہ معترضہ ہے اس کو الگ کر کے آیت کو یوں پڑھیے مَلَا سَيَاوُونَ مُخْتَلِفِينَ وَاذْكَرْتَ خَلْقَهُمْ یعنی لوگ اپنی مزاجوں اور عادتوں میں ہمیشہ مختلف رہیں گے کیونکہ وہ اسی فطرت پر پیدا ہوئے ہیں ہاں جن لوگوں پر خدا نے رحم کیا ہوگا۔ وہ اس قدر قوی اختلاف کو اس کی حد سے آگے نہیں جانے دیں گے۔ مولانا حالی مرحوم نے صحابہ کرام کے اختلاف کا نقشہ انہی معنی میں دکھایا ہے۔

آپ فرماتے ہیں

اگر اختلاف ان میں باہم دگر تھا تو باہم مدار اس کا اخلاص پر تھا
جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں بتر تھا خلاف آشتی سے خوش آئندہ تر تھا

یہ تھی مروج پہلی اس آزادی کی

ہر جس سے ہونے کو تھا باغ گیتی

مولانا حالی مرحوم نے جس چیز کو شر سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے مراد قدرتی اختلاف کی حد سے تجاوز ہے قرآن مجید نے نَمَتْ كَلِمَةٌ وَاذْكَرْتَ كَانَتِجِبَ اسى بے اعتدالی پر مرتب کیا ہے۔
جواب آیت نمبر ۵۔ | چوتھی اور پانچویں آیتوں کا مطلب بتانے سے پہلے مثال کے طور پر ایک اور آیت پیش کرنا ہوں تاکہ آیات زیر بحث کا مطلب اچھی طرح ناظرین کے ذہن نشین ہو جائے۔ کیونکہ یہ مسئلہ بڑا دقیق ہے۔ اسی لئے یہ آیات بھی مشکل ترین آیات میں سے ہیں۔ قرآن مجید نے کسی صاحب علم شخص کی مثال بیان کی ہے جو بڑا حریص و طامح تھا اس کے متعلق ارشاد ہے۔

كُوْشِشْنَا لَرْفَعْنَهُ بِهَا وَلٰكِنَّهُ اٰخَلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَهُ

هُوَ اَسْءُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ وَاذْكَرْتَ (۱۲)

اس میں فرمایا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو اپنی آیات کی برکت سے اس شخص کا رتبہ بلند کر دیتے لیکن ایسا نہیں کیا کیونکہ وہ شخص دنیا سے دوں کی تحصیل میں ہمہ تن متوجہ ہو گیا (جیسے آج کل بھی ہر قوم و مذہب میں بہت سے دنیا دار اہل علم ملتے ہیں) پس خدا کے

نزدیک اس کی مثال کتے کی سی ہے جو ایک ذلیل حیوان ہے۔
پس جس طرح اس آیت میں لکن کے مابعد اور ماقبل کلام میں باعم ربط ہے اسی
طرح سورہ نحل کی آیت میں لکن سے ماقبل اور مابعد کلام باعم مربوط اور متصل ہے پس
اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ

اگر ہم چاہتے تو باختیار خود ہم سب کو ایک ہی گروہ بنا دیتے یعنی سب کو ایک ہی
قسم کی ذہنیت اور عقل عطا کر دیتے لیکن چونکہ ایسا نہیں ہوا اور واقعی نہیں ہوا تو اب ہم اپنے
قانون کے ماتحت ہدایت کرتے ہیں اور اسی قانون کے ماتحت گمراہ کرتے ہیں۔

مشیت اللہ سے مراد قانون الہی ہے جو کل مخلوق پر حاوی ہے یہی حنیٰ میں سورہ دہر کی
اس آیت کے جس کا ترجمہ پادری صاحب نے یوں کیا ہے کہ

یہ نصیحت ہے پس جو کوئی چاہے اپنے رب کی طرف راہ پکڑے لیکن تم نہیں چاہ

سکتے جب تک اللہ نہ چاہے (دہر ۲۹-۳۰)

قرآن میں اسی قانون قدرت کے معنی میں لفظ اذن اللہ بھی آیا ہے۔ چنانچہ ایمان اور
موت دونوں کو اذن اللہ سے مشروط ٹھہرایا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُّجَلَّدًا - ع

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ مَطْبُوكًا - ع

ان دونوں آیتوں میں اذن اللہ سے مراد قانون قدرت ہے پس مذکورہ بالا آیات

کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ ہدایت نہیں پاسکتے جب تک قانون قدرت کے ماتحت
خدا اور لغتیب سے غالی ہو کر نیک نیتی سے تلاش حق نہ کرو اگر ایسا کرو گے تو دولتِ ایمان
سے بہرہ افروز ہو جاؤ گے

ہم نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے جو مسائل کی تحقیق اخلاص مندی سے نہیں کرتے

اس لئے وہ الہامی ہدایات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ بلکہ الٹا پاہ ضلالت میں گر کر گمراہ

ہو جاتے ہیں۔

جواب آیت نمبر ۱ | پادری صاحب نے اس آیت پر بھی اعتراض کیا ہے جس کا عنوان

ہے کہ :- اللہ تعالیٰ نے تم کو اور تمہارے افعال کو پیدا کیا ہے (پٹا - ع)

اس کی صداقت میں کیا کلام ہے۔ مگر پیدا کرنے کے معنی سمجھنے ضروری ہیں پس
تو جسے سینٹے اکوٹی کافر بے دین کسی نیک بندے کی گردن تلوار سے اتار دیتا ہے
تو ہمارے سامنے دو باتیں آتی ہیں :- ایک کافر بصورتِ فاعل - دوسرے اس کا فعل قتل۔
یہ فعل کیوں ہوا؟ اس لئے کہ قانونِ قدرت یہی ہے کہ کوئی تیز دھار چیز مثلاً تلوار جب کسی ملام
جسم پر چلائی جائے تو اپنا اثر کرتی ہے، یہ قانونِ قدرت ہے جو کاٹنے کے متعلق ہم ہر روز
مشاہدہ کرتے ہیں کہ تیز دھار چیز برابر کاٹتی ہے پس اسی لحاظ سے اس فعل کو خالقِ فطرت
اور بانٹی قانون کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید چونکہ فلسفہ روحانی ہے اس لئے
اس میں ایسی نسبتیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ سنئے ایک واضح مثال سناتا ہوں۔

بنی نوع انسان کے کل افراد کی شکلیں رحم مادر میں اسی قانونِ قدرت کے ماتحت
بنتی ہیں جو اندر ہی اندر اپنا کام کئے جاتا ہے۔ اس کے باوجود قرآن مجید اس قسم کے
افعال بھی خدا کی طرف منسوب کرتا ہوا کہتا ہے ھُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ
كَيْفَ يَشَاءُ (پٹ - ع) (خدا تعالیٰ تمہاری صورتیں تمہاری ماؤں کے رحموں میں
جس طرح چاہتا ہے بنا دیتا ہے)۔ کیا آپ کے نزدیک ایسے افعال میں علتِ العفل
کی طرف فعل کا منسوب کرنا صحیح نہیں ہے؟

پادری صاحب! بانخ العلوم سے اوپر کی ڈگری حاصل کر کے بھی اگر آپ اس
علمی اصول کو نہ سمجھیں یا سمجھنے کے باوجود اعتراض کرتے جائیں تو کہا جائے گا کہ آپ بھی
کسی قانونِ قدرت کے ماتحت ایسا کرتے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ ایسی آیات میں دو باتوں کا اظہار کرنا مقصود ہوتا ہے۔

(۱) قدرتِ تامہ الہیہ، جس کے معنی ہیں کہ خدا کو اتنی بڑی طاقت حاصل ہے کہ اگر
وہ چاہے تو انسان کی سرکشی اور عناد کے باوجود اس کو قوت اور جبر سے ہدایت کر
دے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انسانوں کو ان کے افعال اختیار یہ اور نتیجہ پر اطلاع دی
جاتی ہے دونوں باتیں فی نفسہ اچھی ہیں اور ضد و عداوت سے کام لے کر اعتراض کرنا

بری بات ہے اس لئے کسی اہل دل شاعر نے کیا خوب کہا ہے

چوں بشنوی سخن اہل دل گو کہ خطا است

سخن شناس نہ دلبر خطا میں جا است

میری اس فلسفیانہ تفصیل کی تائید انجیل سے بھی ہوتی ہے جس وقت یسوع مسیح کو گرفتار کرنے کے لئے پولیس ٹنگ دو کر رہی تھی اس وقت جناب مسیح نے ایک عارفانہ فقرے میں جناب باری کے حضور عرض کی تھی کہ :-

اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ زور سے مجھ سے گزر جائے تو بھی میری خواہش

نہیں بلکہ تیری خواہش کے مطابق ہو (انجیل متی ۲۶:۳۹)

اللہ اللہ! کیسا عارفانہ کلام ہے۔ مخالفوں کے ہاتھوں گرفتار ہو جانا تو قانونِ قدرت کے مطابق تھا۔ اسے تسلیم کر کے آپ قدرتِ خداوندی کا واسطہ دیتے ہیں جو قانونِ مجریہ سے بالاتر ہے۔ اس کلامِ نظام کے معنی یہ ہیں کہ گرفتاری کے تمام اسباب تو ہتھیار ہو چکے ہیں تاہم تیری قدرت میں داخل ہے کہ تو مجھے اس مصیبت سے بچالے۔ اسی لئے قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَمَا تَسْأَلُوهُ يَقِينًا سَبَل رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا

(پت - ع) (مسیح کو اس کے مخالفوں نے ہرگز قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے اس کو اپنی طرف اٹھا کر محفوظ کر لیا) اس کی وجہ بھی بتا دی کہ خدا بہت بڑا غالب اور بڑی حکمتوں والا ہے مسیح نے ماسی غلبہ قدرت کے ماتحت درخواست کی تھی جسے حسب بیان قرآن خدا نے منظور کر لیا۔

اسی طرح حضرت یوسف کے ساتھ زلیخا کا عشق قرآن میں مذکور ہے جس کا نتیجہ قرآن نے یہ بتایا کہ اس عورت نے حضرت یوسف کے ساتھ بدکاری کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ موصوف، اگر خدا کی برہان نہ دیکھ لیتے یعنی نور نبوت ان کے دل میں جلوہ گر نہ ہوتا تو آپ بھی ارادہ کر لیتے۔ مگر انہوں نے تصرف قدرت کے ماتحت برا ارادہ نہیں کیا۔ یہ مثال تبارہی ہے کہ تو انین قدرت جاری ہو جانے کے بعد خدا تعالیٰ

اپنے دین سے پھر جانے والا اور تارک للجماعت کے معنی ہیں جماعت المسلمین یا
یا بالفاظ دیگر جماعت المجاہدین کو چھوڑ کر چلا جانے والا۔ جنگی قوموں میں ایسا شخص
دشمن کے حکم میں ہوتا ہے۔ پس اس حدیث کی روشنی میں پہلی حدیث کو دیکھیں تو جامع
الفاظ یوں ہونگے۔

من بدل دینہ، ای شریک دین الاسلام و خروج عن جماعت
المسلمین ای المجاہدین خاتموہ۔

پس حدیث مذکورہ کو قرآن کے ساتھ ملا کر دیکھنے سے نتیجہ صاف نکلتا ہے کہ محض
ارتداد موجب قتل نہیں ہے، ارتداد صرف اس حالت میں موجب قتل ہے جب مرتد
شخص مسلمانوں کی بدخواہی کرنے کو دشمن کی جماعت میں جا ملے۔ آج فوجی قانون کے
ماتحت سپاہی کو معمولی سی بات پر کورٹ مارشل کیا جاتا ہے جو ضرورت کے لحاظ سے
سختی بجانب ہے۔ پس حدیث زیر بحث میں جنگی قانون مذکور ہے جس پر آج ساری دنیا عمل
کر رہی ہے۔ اگر پادری صاحب بھی فوج میں کسی عہدہ پر فائز ہو جائیں تو اس قانون کی تحسین
بلکہ تائید کریں۔ یہی معنی ہیں اس مصرع کے ع

قاضی اربابا ماشیند بر فشانند دست را

پس ایسے جنگی قانون کو سامنے رکھ کر اسلام پر آزادی رائے سلب کرنے کا اعتراض کرنا
بے جا ہے کیونکہ ہر نقطہ مکانے وارد۔

اسی جہلت اجتماع پسندی کے ضمن میں پادری صاحب نے ایک سرخی یوں لکھی ہے۔

جہلت اجتماع پسندی اور انانیت

اجتماع پسندی سے مراد جماعتی احکام ہیں اور انانیت سے مراد شخصی احکام۔ مثلاً اسلام
میں روزہ شخصی احکام کی قسم سے ہے کیونکہ اس کو دوسرے شخص سے کوئی تعلق نہیں
ہے۔ بلکہ اکیلا ہی رکھ سکتا ہے۔ اسی طرح اکیلے شخص کی نماز انفرادی حیثیت رکھتی ہے
اور جماعت کے ساتھ اجتماعی۔ علیٰ ہذا الفیاس حج اور زکوٰۃ بھی اجتماعی عبادات ہیں
اور سب سے بڑا حکم جس پر جماعت کی ترقی موقوف ہے یعنی جہاد وہ بھی جماعتی ہے

جس کی شان میں فرمایا ذرۃ سنامہ الجہاد رشتہ داروں سے ملنا جلنا اور اچھا سلوک کرنا بھی اجتماعی کام ہے۔ ان سب امور کے متعلق قرآن مجید میں ہدایات ملتی ہیں۔ لطف یہ ہے کہ نماز باجماعت جو اجتماعی حالت کا نام ہے اس میں بھی ہر فرد کی جداگانہ حیثیت بحال رہتی ہے۔ کیونکہ جماعت کا ہر فرد رکوع سجود اور تسبیح و تہلیل کرتا ہے۔ پھر نمازیوں کی ہیئت کذاتی سے ان کی اجتماعی حیثیت بھی نمایاں نظر آتی ہے۔ اس اجمالی تمہید کے بعد پادری صاحب کا اعتراض سنئے۔ آپ فرماتے ہیں۔

چونکہ قرآن اور اسلام افراد کو خود مختار، آزاد ذمہ دار ہتیاں تسلیم نہیں کرتے لہذا وہ اس تصور کا گرویدہ نہیں ہو سکتا کہ ہر فرد دیگر افراد کی خدمت کرتے میں ہی اپنی شخصیت کی ترقی اور نشوونما کر سکتا ہے۔ قرآن کے مطابق افراد کی زندگی کا اعلیٰ ترین نصب العین اور بہترین مطمح نظر خلق خدا کی خدمت کرنا نہیں ہے۔ لہذا وہ اخلاقیات کے اس پہلو کو چھوٹا نہیں اور اگر چھوٹا بھی ہے تو اس پر زور نہیں دیتا۔ جس طرح انجیل دیتی ہے لیکن دینِ فطرت کے لئے لازم ہے کہ وہ جبلتِ اجتماع پسندی کے تقاضاؤں کو پورا کرے چونکہ قرآن و اسلام اس تقاضا کو پورا کرنے سے قاصر ہیں لہذا اسلام دینِ فطرت کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ مسیحیت کی تسبیح ہی دینِ فطرت کا جزو ہو سکتی ہے۔ (مکملہ ۱)

یہ تو بڑا قرآن مجید پر حملہ پادری صاحب خاص اپنی تعلیم یہ بتاتے ہیں کہ:-

کوئی بشر جماعتی تعلقات کے بغیر خدا کی خدمت نہیں کر سکتا (مکملہ ۱)

(مکملہ ۲۵ - ایضاً ۱۱ - لوقا ۱۲ - روم ۱۱ - یوحنا ۳ باب ۱۵ تا ۱۸)

مجیب | قرآنی ثبوت دینے سے پہلے ہم پادری صاحب کے ان حوالہ جات کی تحقیق کرتے ہیں جن کی نیا پڑا آپ نے یہ حکم لگا دیا کہ کوئی بشر جماعتی تعلقات الخ۔ ان حوالہ جات کے اصل الفاظ ترتیب وار یہ ہیں۔

(۱) تب بادشاہ ان سے جواب میں کہے گا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تم نے میرے ان

سب سے چھٹے بھائیوں میں سے ایک کے ساتھ کیا تو میرے ساتھ کیا (متی ۲۵) (۲)
 جہتیں قبول کرتا ہے مجھے قبول کرتا ہے اور جو مجھے قبول کرتا ہے اسے جس نے
 بھیجا ہے قبول کرتا ہے (متی ۲۵)

(۳) کوئی نوکر دو غاندروں کی خدمت نہیں کر سکتا اس لئے کہ یا ایک کی دشمنی کرے گا اور
 دوسرے کی دوستی کرے گا یا ایک کو ملنے گا۔ دوسرے کو ناپسند جانے گا۔ تم خدا اور رو
 دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے (لوقا ۱۶)

(۴) پس جو کوئی انہیں باتوں میں مسیح کی بندگی کرتا ہے خدا کا مقبول اور آدمیوں کا پسندیدہ
 ہے۔ پس ایسی باتوں کی جن سے صلاح ہو اور ایک دوسرے کی ترقی ہو جائے پیروی
 کریں۔ (روم ۱۲-۱۹)

(۵) ہر ایک جو اپنے بھائی سے دشمنی رکھتا ہے خونی ہے اور تم جانتے ہو کہ کوئی خونی حیات
 ابدی کو نہیں رکھتا کہ اس میں قائم رہے۔ ہم نے اس سے محبت کو جانا کہ اس نے ہمارے
 واسطے اپنی جان دے دی اور لازم ہے کہ ہم بھی بھائیوں کے واسطے جان دیں۔
 پر جس کسی کے پاس دنیا کا مال ہو اور وہ اپنے بھائی کو محتاج دیکھے اور اپنے تئیں رحم
 سے باز رکھے تو خدا کی محبت اس میں کیونکر قائم رہ سکتی ہے۔ اے میرے بچو چاہئے
 کہ ہم کلام اور زبان سے نہیں بلکہ کام اور چپائی سے محبت رکھیں۔
 (۱ یوحنا ۳ باب ۱۵ تا ۱۸)

ناظرین! ان حوالوں کو بغور پڑھیے اور بتائیے کہ پادری صاحب کا دعویٰ ان حوالوں
 سے ثابت ہو سکتا ہے۔ پادری صاحب کے طریق عمل سے ہم تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں
 کہ آئندہ ہم آپ کے پیش کردہ حوالہ بات کی حسب تک تفتیش نہ کر لیں قبول نہیں
 کریں گے کیوں؟ یہ نہیں وہ قول کا پتکا ہمیشہ قول دے دیکر
 جو اس نے ہاتھ میرے ہاتھ پر مارا تو کیا مارا

اب قرآن مجید کا ارشاد سنئے!

وَالْعَبْدُ وَاللَّهُ وَلَا تَشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَ

بِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ
الْمُجْتَبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ
إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا (پ - ع)

یعنی اللہ ہی کی عبادت کرو کسی چیز کو اس کا سا بھی نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ
قرابت داروں کے ساتھ یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ، نزدیک کی پڑوسیوں اور دور کے
پڑوسیوں کے ساتھ، سفر یا مجلس میں پاس بیٹھنے والوں کے ساتھ اور راہروں و مسافروں
کے ساتھ اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ احسان و مروت کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ مغروروں
اور تکبروں سے ہرگز محبت نہیں کرتا۔

اس مضمون کی آیات قرآن پاک میں بکثرت ہیں۔ اس اخلاقی تعلیم کے علاوہ قومی اجتماعی
کاموں کے متعلق جو ہدایت ہے وہ خاص طور پر قابل غور ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوا (ط - پ - ع)

ایمان داروں کی نشانی یہ ہے کہ جب وہ رسول (یا نائب رسول) صدر مجلس یا صدر
انجمن کے ساتھ کسی جامع کام میں مشغول ہوتے ہیں تو اس جگہ سے باہر نہیں نکلتے جب
تک رسول (یا اس کے نائب) سے اجازت نہ لیں۔

(نوٹ) آج کا زمانہ روشنی، تہذیب اور جمہوریت کا زمانہ کہلاتا ہے۔ اس میں بھی یہ پابندی
نہیں ہے۔ میونسپل کمیٹی سے لے کر اسمبلی تک یہ دستور ہے کہ جو ممبر کسی بات پر ذرا سا
ننھا ہو جائے وہ بغیر اجازت باہر نکل جاتا ہے جس کو واک آؤٹ کرتے کہتے ہیں۔ یعنی بغرض
اظہار ناراضگی مجلس سے باہر نکل جاتا۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا جس کا نتیجہ بعض
دفعہ یہ ہوتا ہے کہ بقایا ممبروں سے نصاب بھی پورا نہیں رہتا۔ اس لئے بنا بنا یا کھیل
بگڑ جاتا ہے۔

قرآن مجید نے اجتماع قومی کو یہاں تک ملحوظ رکھا ہے کہ صدر کی اجازت کے بغیر
کوئی ممبر باہر نہیں جاسکتا۔ بایں ہمہ آزادی رائے کا حق سب کو حاصل ہے۔ بس کا ثبوت،
در بار رسالت اور خلافت راشدہ میں کافی تھا ہے۔ اس کا اظہار مولانا حالی مرحوم نے

اس شعر میں کیا ہے

غلاموں سے ہر جالتے تھے بند آقا خلیفوں سے لڑتی تھی ایک ایک بڑھیا
ناظرین! ہماری پیش کردہ آیت کو دیکھئے جس میں ہر ایک مفلس محتاج اور اچھوتوں کے ساتھ
نیک سلوک کرنے کا حکم ہے اسی کی تائید میں یہ حدیث بھی سامنے رکھی جیسے جس کے
الفاظ ہیں۔

المخلوق عيال الله اقربهم الى الله الفقير لعیالہ (مشکوٰۃ شریف)

اس حدیث کا مضمون مولانا حالی مرحوم نے اس بند میں ادا کیا ہے
یہ پہلا سبق تھا کتابِ ہدی کا کہ مخلوق ساری ہے کنبہ خدا کا
وہی دوست ہے خالقِ دوسرا کا خلائق سے ہے جس کو رشتہ و لا کا
یہی ہے مروتِ ہی دین و ایمان
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

ایک طرف اخلاقِ فاضلہ کی یہ تعلیم۔ دوسری طرف پادری صاحب کی یہ ستم ظریفی کہ قرآن
کا اعلیٰ ترین نصب العین خلقِ خدا کی خدمت کرنا نہیں ہے (حوالہ مذکور)
پچ ہے ع گل است سعدی و در حشمت دشمنان غار است
آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں: جہالتِ اجتماع پسندی اور نوع انسان کی
کا طبیعت۔ اس سرخی کے نیچے آپ یوں گویا ہوئے ہیں۔

اسلام میں بنی نوع انسان کی ترقی ایک موہوم شے ہے جس مذہب نے بنی نوع انسان
کو تیرہ سو سال سے خوف و دہشت کی حالت میں رکھ کر ان کے اعضاء سے ایسے کو مضمحل
کر دیا ہو کہ کثرتِ ازدواج اور طلاق کو جائز قرار دے کر نوع انسانی کے نصف حصہ کی
زندگی کو ہر سال کر رکھا ہو اور دوسرے حصہ کی اخلاقی حالت کو گرا دیا ہو۔ اولاد کے
حقوق کی طرف سے لاپرواہی اختیار کر رکھی ہو۔ دنیا کے مصیبت زدوں، نفلوں
اور بے کسوں کو ان کی قسمت پر چھوڑ رکھا ہو۔ دنیا کے قریب چوبیس کروڑ افراد کو چھوڑ کر
باقی ایک ارب اور ستر کروڑ افراد کو کافر یا ذمی کہہ کر ان کو گردن زدنی قرار

دینا ہو۔ خیالات کی آزادی جرمِ عظیم گردانتا ہو اور علوم و فنون کی نشوونما اور ترقی کی راہ میں حائل ہو۔ غلامی کی تیسرے رسم کو جائز قرار دینا ہو۔ ہر فرد کی زندگی کی قدر اور وقعت کرنے کی بجائے اس کو ایک آزاد خود مختار اخلاقی ہستی بھی تسلیم نہ کرتا ہو۔ غرضیکہ جو مذہب انسانی فطرت کی تمام جبلتوں کے اقتضاؤں کے پورا ہونے میں رکاوٹ کا باعث ہو۔ ایسے مذہب سے کیا امید ہو سکتی ہے کہ وہ بنی نوع انسان کی ترقی کے اصول کی تلقین کرے یا نوع انسان کو کالمیت کی شاہراہ پر گامزن ہونے میں سحر و معاون ہو سکے۔ مسیحیت ہی ایک ایسا واحد مذہب ہے جس سے نوع انسانی کی امیدیں وابستہ ہیں۔ کلمۃ اللہ ہی ایک ایسا یگانہ روزگار استاد ہے جس پر بنی نوع انسان کی آنکھیں لگی ہوئی ہیں۔ (رسالہ مذکور ص ۱۸۶)

ناظرین! پادری صاحب تو اپنی عادت (تکرارِ مضمون) میں مجبور ہیں اور ہم اختصار پسندی پر مجبور۔ اس لئے ہم آپ کو تکلیف دیتے ہیں کہ جواب کے لئے کتاب بذلکے وارقی سابقہ صفحہ ۲۰۹ تک ملاحظہ فرمائیں۔

وہ اپنی خونہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں

سبک مسرین کے کیوں پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

آگے چل کر پادری صاحب ایک مسرخی یوں لکھتے ہیں :-

”جبلت اجتماع پسندی اور ذات الہی“

مجیب | اس عنوان کے ماتحت بھی آپ نے وہی باتیں لکھی ہیں جو آپ بار بار لکھ چکے ہیں۔ مثلاً قرآن خدا کو بے پروا بتاتا ہے وغیرہ جس کا جواب مشہور ہو چکا ہے۔ البتہ یہ چند الفاظ قابلِ غور ہیں۔

خدا کا تصور جو مسیحیت پیش کرتی ہے۔ وہ جبلت اجتماع پسندی کے تقاضا کے

مطابق ہے۔ خدا کی ذات محبت ہے (ایرجائے وغیرہ) چونکہ خدا ازل سے محبت

ہے اور چونکہ اس کی ذات میں محدودت کا امکان نہیں۔ لہذا خدا کی ازلی محبت اس

امر کا تقاضا کرتی ہے کہ خدا کی ذات میں ازل سے محب، محبوب اور محبت کا رشتہ موجود ہو۔ پس سمیحت خدا کی وحدت میں ثالوث کی قائل ہے۔ یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس خدا کی ذات و احد میں محب، محبوب اور محبت کے رشتہ کے طور پر ہیں (متی ۲۸ - یوحنا ۱۴ - ۱۵ وغیرہ) باپ ازل سے بیٹے کے ساتھ محبت رکھتا ہے اور بیٹا باپ کے ساتھ محبت رکھتا ہے (یوحنا ۱۶ - ۱۷ - ۱۸ - متی ۱۱ وغیرہ) پس ہم حبیبیت اجناس پسندی کے ذریعہ جو ہماری سرشت میں موجود ہے خدا کی ذات کا علم حاصل کر سکتے ہیں۔ (۱۸۹)

اس اقتباس کا مفصل جواب اور اسی سالبہ (ص ۲۵ تا ص ۲۸) میں آچکا ہے۔ ناظرین ورق الٹ کر ملاحظہ فرمائیں۔

خدا کی محبت کا ذکر آپ بار بار کرتے ہیں۔ جس پر ہمارا بھی ایمان ہے۔ مگر آپ بائبل کے ان حوالہ جات پر نظر نہیں کرتے جن میں ذکر ہے کہ مائیکہ جو اکی غلطی کی سزا اس کی کل بنات کو درد زہ کی شکل میں ملتی آ رہی ہے اور با با آدم کی غلطی کی سزا تمام مزدور ہمیشہ خصوصاً کسانوں کو پہنچ رہی ہے (پیدائش باب سوم) یہ کیسی محبت اور کیا انصاف کیا ہی سچ ہے نہ سہ

ذری سے بات پر اے داغ تم ان سے بگڑ بیٹھے

اسی کا نام الفت ہے محبت اس کو کہتے ہیں؛

قرآن کی تصدیق | پادری صاحب نے اس سے پہلے جو کچھ لکھا ہے ناظرین اسے مع جواب پڑھ چکے ہیں۔ یہاں پہنچ کر آپ نے جو کچھ لکھا ہے اسے بھی ہم نقل کر دیتے ہیں تاکہ ناظرین کو گونہ مسرت حاصل ہو۔ پادری صاحب لکھتے ہیں:-

اس آیت کے کلام کا یہ مطلب نہیں کہ ہم تین خداؤں کے ماننے والے ہیں۔ ہم

خدا کے واحد کے قائل ہیں (مرقس ۱۲ - یوحنا ۱۴ - ۱۵ - ۱۶ - ۱۷ وغیرہ) ہم شرک سے

متنفر اور بیزار ہیں (خروج ۲۰ - ۱ - ۲ - ۳ - ۴ - ۵ - ۶ - ۷ - ۸ - ۹ - ۱۰ - ۱۱ - ۱۲ - ۱۳ - ۱۴ - ۱۵ - ۱۶ - ۱۷ - ۱۸ - ۱۹ - ۲۰ - ۲۱ - ۲۲ - ۲۳ - ۲۴ - ۲۵ - ۲۶ - ۲۷ - ۲۸ - ۲۹ - ۳۰ - ۳۱ - ۳۲ - ۳۳ - ۳۴ - ۳۵ - ۳۶ - ۳۷ - ۳۸ - ۳۹ - ۴۰ - ۴۱ - ۴۲ - ۴۳ - ۴۴ - ۴۵ - ۴۶ - ۴۷ - ۴۸ - ۴۹ - ۵۰ - ۵۱ - ۵۲ - ۵۳ - ۵۴ - ۵۵ - ۵۶ - ۵۷ - ۵۸ - ۵۹ - ۶۰ - ۶۱ - ۶۲ - ۶۳ - ۶۴ - ۶۵ - ۶۶ - ۶۷ - ۶۸ - ۶۹ - ۷۰ - ۷۱ - ۷۲ - ۷۳ - ۷۴ - ۷۵ - ۷۶ - ۷۷ - ۷۸ - ۷۹ - ۸۰ - ۸۱ - ۸۲ - ۸۳ - ۸۴ - ۸۵ - ۸۶ - ۸۷ - ۸۸ - ۸۹ - ۹۰ - ۹۱ - ۹۲ - ۹۳ - ۹۴ - ۹۵ - ۹۶ - ۹۷ - ۹۸ - ۹۹ - ۱۰۰)

تمام باتوں سے پہنچنے کے لیے ہیں جن سے شرک کی بو آتی ہے (روم ۱۲ - ۱۳ - ۱۴ - ۱۵ - ۱۶ - ۱۷ - ۱۸ - ۱۹ - ۲۰ - ۲۱ - ۲۲ - ۲۳ - ۲۴ - ۲۵ - ۲۶ - ۲۷ - ۲۸ - ۲۹ - ۳۰ - ۳۱ - ۳۲ - ۳۳ - ۳۴ - ۳۵ - ۳۶ - ۳۷ - ۳۸ - ۳۹ - ۴۰ - ۴۱ - ۴۲ - ۴۳ - ۴۴ - ۴۵ - ۴۶ - ۴۷ - ۴۸ - ۴۹ - ۵۰ - ۵۱ - ۵۲ - ۵۳ - ۵۴ - ۵۵ - ۵۶ - ۵۷ - ۵۸ - ۵۹ - ۶۰ - ۶۱ - ۶۲ - ۶۳ - ۶۴ - ۶۵ - ۶۶ - ۶۷ - ۶۸ - ۶۹ - ۷۰ - ۷۱ - ۷۲ - ۷۳ - ۷۴ - ۷۵ - ۷۶ - ۷۷ - ۷۸ - ۷۹ - ۸۰ - ۸۱ - ۸۲ - ۸۳ - ۸۴ - ۸۵ - ۸۶ - ۸۷ - ۸۸ - ۸۹ - ۹۰ - ۹۱ - ۹۲ - ۹۳ - ۹۴ - ۹۵ - ۹۶ - ۹۷ - ۹۸ - ۹۹ - ۱۰۰)

گنتی ۱۳۱ (غیر) ہم خدا کو کیسلا اور واحد خدا تسلیم کرتے ہیں۔ ہم قرآن کے ہم نوا ہو کر کہتے ہیں کہ بے شک وہ کا شر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تین ہیں سے ایک ہے۔ (مائدہ ۷۷) ہم بھی کہتے ہیں کہ خدا کی نسبت حق بات بولو اور تین نہ کہو۔ بڑا ڈرتہارا بھلا ہوگا۔ اللہ جو ہے وہ تو ایک ہی معبود ہے (نساء ۱۶۹) قرآن کتبے اللہ کی کوئی جوڑ نہیں ماس کا بٹیا کیونکر ہو گیا؟ (العاصم ۱۰۱) ہم بھی اس پر صا د کرتے ہیں اور مسیح کی ابنیت کے تصور میں سے ہر طرح کے جسمانی اور دنیاوی مناصر کو خارج کر کے سورد اخلاص کی آیات کو نہایت اخلاص سے پڑھتے ہیں کہ اللہ نے نہ کسی کو جنا اور نہ وہ خود کسی سے جنا گیا اور اس کے جوڑ کا کوئی نہیں۔ آیات ۳ و ۴ ہم خدا کی ذات میں تین ہستیوں کے قائل نہیں۔ خدا ایک واحد ہستی ہے۔ ہم اس کی ہستی میں جمع اور تفریق کو جائز قرار نہیں دیتے کہ کوئی کہے کہ ایک جمع ایک جمع ایک تین ہوتے کیونکہ خدا کی ذات میں اجزا نہیں۔ خدا روح ہے اس کی ذات ان باتوں سے پاک اور منزہ ہے۔ (ص ۱۸۹)

ناظرین اہم پہلے صفحہ پر مفصل بتا چکے ہیں کہ نزول قرآن کے وقت عیسائیوں کے دو گروہ تھے جو آج بھی ملتے ہیں۔ ایک گروہ کا عقیدہ تھا کہ باپ بٹیا اور روح القدس تینوں خدا ہیں۔ تین کہنے کے باوجود وہ کہتے تھے کہ خدا ایک ہی ہے۔ دوسرے گروہ کا عقیدہ تھا کہ خدا نے مسیح کا جسم اختیار کیا جیسا کہ پادری صاحب فرماتے ہیں۔ مسیحیت تجسم کی قائل ہے یعنی ہستی ہے کہ کلمۃ اللہ خدائے معجم تھا جو بارے درمیان رہا مسیحیت کی عالمگیری (ص ۹۷)

پادری صاحب نے یہ ہوشیاری کی ہے کہ قرآن مجید میں جو تین خدا کہنے والوں کا رد آیا ہے جس کی مفصل تردید صفحہ ۷۳ پر ہو چکی ہے۔ اس میں تو قرآن شریف کے ہمنوا ہوئے مگر ان کے عقیدے کے رد بالفاظ لفظاً کفر اللذین قالوا ان اللہ ہوا المسیح ابن مریم۔ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے۔ اس کا ذکر تک نہیں کیا بلکہ اس پر خوب ناک بھوں چڑھایا ہے۔ چنانچہ آپ کے الفاظ اس بارے میں یہ ہیں۔

اگر قرآن شریف کا ان آیات سے یہ مطلب تھا کہ مسیحی عقیدہ پر اعتراض وارد کرے تو اس نے مسیحی عقیدہ کے سمجھنے کی زحمت گوارا نہیں کی **سُبْحَانَكَ لَمَّا بَلَغْنَا عَظِيمَ دُنْيَاكَ** کے کل مسیحی بغیر کسی استثنائے کے ایسے عقیدہ کو مذہب و مطعون گردانتے ہیں۔ کلیسیا شے جامع خدا کی وحدانیت کی قائل ہے۔ تاریخ کلیسیا اس بات کی شاہد ہے کہ خدا کی توحید کے عقیدہ کو بحال اور مستحکم کرنے کی خاطر نیکا یاہ کی کونسل نے تثلیث فی التوحید اور توحید فی التثلیث کا عقیدہ واضح کیا تھا۔ اسلام خدا کی وحدت کی تلقین کرتا ہے لیکن جب انسان یہ پوچھتا ہے کہ اس وحدت کا مفہوم کیا ہے تو جواب ملتا ہے کہ وحدت کا مطلب محض وحدت ہے جب انسان اپنی جبلت استفسار سے مجبور ہو کر یہ جاننا چاہتا ہے کہ وحدت محضہ کیا شے ہے۔ کیونکہ وہ اس قسم کی وحدت کو نہ تو عالم شہود میں اور نہ اپنی فطرت اور معرفت میں اور نہ اپنے روحانی تجربات میں پاتا ہے۔ تو قرآن اس کو اپنے رعب اور اختیار سے خاموش کر دیتا ہے (حج ۳۵ - اخلاص ۱)

(دین نطرت میٹھ ۱۸۹)

محبیب اس اقتباس میں آپ نے بہت بڑا دعوے کیا ہے کہ عیسائی قوم تین خداؤں کی قائل نہیں ہے۔ تثلیث کی مفصل بحث ۶۷ سے ۷۹ تک ہو چکی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی مذہب تثلیث کہلاتا ہے اور یہی عقیدہ تمام عیسائیوں میں مقبول ہے اسی لئے پادری عبدالحق صاحب نے اپنے رسالے کا نام اثبات التثلیث فی التوحید رکھا ہے۔ ہم خوش ہیں کہ مسلمانوں کے علاوہ پادری برکت اللہ صاحب نے بھی پادری عبدالحق صاحب نے رسالہ مذکور میں مندرجہ عقیدہ مسترد کر دیا ہے۔ اس کی تردید میں آپ کا یہی نقشہ کافی ہے کہ خدا کی ذات میں اجزا نہیں ہیں۔ حالیکہ پادری عبدالحق صاحب کے مندرجہ ذیل الفاظ کتاب ہذا میں ص ۷۷ پر نقل ہو چکے ہیں۔

کلام مقدس سے یہ معرفت حاصل ہوتی ہے کہ ذات الوہیم میں باپ بیٹا اور

روح القدس تین اقنوم میں مبتی ۱۸: ۱۹ (رسالہ تثلیث ص ۱۶)

آنا بھی غنیمت ہے کہ پادری برکت اللہ صاحب تثلیث سے نکل کر توحید میں آگئے ہیں تاہم جو کسر باقی ہے اسے ہم نکال دیتے ہیں۔ آپ نے جو مذہب اختیار کیا ہے وہ آپ کے الفاظ میں یہ ہے۔

مسیحیت تجسم کی قائل ہے اور انتی بے کہ صیح کلمۃ اللہ فعلیٰ مجسم تھا۔
(مسیحیت کی عالمگیری ص ۹)

مجیب | اس اقتباس سے صراحتہ معلوم ہوتا ہے کہ پادری صاحب تجسم خدا کے قائل ہیں جس کا رد قرآن شریف نے بالفاظ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ کیا ہے مگر پادری صاحب کی جرأت ملاحظہ ہو کہ آپ جس بات کا رد کرتے ہیں اسی کے قائل بھی ہیں۔ مثلاً نیکایاہ کے فیصلے کو صحیح سمجھ کر اس کا نام خود تثلیث فی التوحید اور توحید فی التثلیث رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود کہتے ہیں کہ ہم خدا کی ذات میں اس بنا کے قائل نہیں ہیں۔ عیسائیوں کی جس کونسل کا بانی مہائی قسطنطین اعظم تھا۔ اس کا فیصلہ کتب ہذا میں ص ۱۶ پر مفصل درج ہو چکا ہے جس میں عقیدہ اتھاناسیس منظور ہوا تھا۔ اسی کا نام تثلیث فی التوحید ہے جس کا اقرار آپ اور پادری عبدالحق صاحب بالاتفاق کرتے ہیں مگر آپ اقرار کے ساتھ انکار بھی کرتے ہیں۔ تثلیث فی التوحید ایسا تیراھا مسئلہ ہے کہ خود پادری اور حضرات اس کو مطلق ترین مسئلہ قرار دیتے ہیں۔ کتاب ہذا میں ص ۱۶ ملاحظہ ہو۔ تاہم فریب الفہم کرنے کو ہم اس کی مثل دیتے ہیں۔

مثال | ایک شخص عبد اللہ نامی اپنی دوکان کا مالک ہے اس کے دو بیٹے وہ کان کے کاروبار میں برابر کے شریک ہیں۔ ان تینوں کی کاروباری حیثیت کو ملحوظ رکھ کر لوگ تینوں کو مالک کہتے ہیں اور باپ کے اصل مالک ہونے کے لحاظ سے دوکان کا مالک ایک بھی کہا جاسکتا ہے۔ یہی معنی میں اتھاناسیس کے اس قول کے۔

باپ قادر مطلق بیٹا قادر مطلق روح القدس قادر مطلق تو بھی تین قادر مطلق نہیں

بلکہ ایک قادر مطلق تفصیل کتاب ہذا میں ص ۵۵ پر ملاحظہ ہو۔

اللہ اللہ عیسائی راہنماؤں کے اقوال صریحہ کی موجودگی میں آج ہمارے کار

میں آواز آتی ہے کہ قرآن نے مسیحی عقیدہ کو نہیں سمجھا، یا للعجب!

چونکہ پادری صاحب مثل تثلیث کی نفی کرتے ہیں اور تجسم کے قائل ہیں اس

عم ان کو توجہ دلاتے ہیں کہ وہ کتاب ہذا میں بحث تثلیث کو غور سے پڑھیں جہاں ص ۶۷

تک بالتفصیل کی گئی ہے۔ اسی میں عقیدہ تجسم کا رد بھی ہے۔ اس کے علاوہ ہم

اس جگہ انجیل کا ایک مقام پیش کرتے ہیں جو آپ کے اور ہمارے درمیان فیصلہ کن

سنئے! مسیح فرماتے ہیں

ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ دے تجھ خدا سے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے

تو نے بھیجا ہے جانیں (یوحنا باب ۱۷-۱۸) از بائبل مطبوعہ ۱۹۱۶ء

جس وقت مسیح نے یہ فرمایا تھا کہ اس وقت بھی آپ تجسم خدا تھے۔ اگر اس وقت بھی خدا

تھے تو آپ کا یہ فرمانا کہ یسوع کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں؟ کیا معنی رکھتا ہے یہ تثلیث

(دوئی) کیسی ہے کیا اس مسیحائی ارشاد کا عربی ترجمہ ان الفاظ میں صحیح نہیں ہے؟

لا اله الا الله مسیح رسول الله

اگر یہ عربی ترجمہ صحیح ہے تو پادری صاحب کے عقیدہ تجسم خدا کی تردید کے لئے اور

اس دلیل کی ضرورت ہے (تجسم خدا کی بحث چاہئے پر ملاحظہ ہو)

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں:-

”اسلام خدا کی وحدت کی تلقین کرتا ہے لیکن جب انسان یہ پوچھتا ہے کہ اس وحدت

کا مفہوم کیا ہے تو جواب کتاب سے کہ وحدت کا مطلب محض وحدت ہے“ (ص ۱۹)

محبیب! ہمیں معلوم نہیں کہ اسلام نے یا علمائے اسلام نے ایسا کہاں کہا ہے ہاں

اگر آپ یہ کہیں کہ خدا روح ہے اور اس کی ذات ان باتوں سے پاک اور منزہ ہے

(صفحہ ایضاً) تو بے غبار صحیح ہو اور جب قرآن یوں کہے کہ تَمَّ يَلِدُ وَكَمْ يُولَدُ

تو آپ اس پر اعتراض کریں اور اس کے باوجود سورہ اخلاص کو اخلاص کے ساتھ

سننے کا اظہار بھی کریں، کیا ہی صحیح ہے۔

ہم جو چپ ہوں تو سٹری کہلائیں شیخ چپ ہو تو توکل ٹھیرے
 پوری صاحب! یہی سوال اگر مسیحیت پر وارد ہو کہ حسبِ تعلیم انجیل یوحنا باب ۱۱ خدائے
 مدد کے کیا معنی ہیں؟ یہ وحدت کیسی ہے جنسی ہے یا نوعی یا صفتی؟ تو آپ اس سوال
 کیا جواب دیں گے بے شک پادری عبدالحق اور پادری سلطان محمد خان سے مشورہ
 کے جواب دیجئے۔ اور ان سے یہ بھی پوچھئے کہ اپنا گھر شیشے کا بنا کر دوسروں پر پتھر
 مارنے والا کون ہوتا ہے؟

آگے چل کر پادری صاحب نے پھر وہی اعتراض کیا ہے کہ اسلام نہ را کو باختیار
 سلطان کی طرح مانتا ہے اور مسیحیت خدا کو ہر بان باپ قرار دیتی ہے۔ ان سب باتوں کا
 باب پہلے ہو چکا ہے۔ دیکھو مثلاً۔ اس بحث کے اخیر میں پادری صاحب نے لکھا
 ہے کہ:-

قرآن مجید میں اس تعلیم کی تصریحات بکثرت ملتی ہیں۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:-

(۱) لَا تَكْفُرْ بِاللَّهِ فَإِنَّكَ رَافٍ عَلَيْهِ وَإِنَّكَ كَفِرٌ كَمَا كَفَرُوا بِهِمْ أُولَئِكَ هُمُ الْمُجْرِمُونَ (پہلے آیت)

(۲) عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَنْفُكُونَ مِنْ خَلْقٍ وَإِنْ كَفَرُوا يَكْفُرُوا بِاللَّهِ وَالرَّسُولِ لَكَيْفَ يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَفَرُوا (پہلے آیت)

اے ایمان والو! تم پر اپنی جانوں کی حفاظت لازم ہے جب تم ہدایت یاب ہو گئے
 تو گمراہ لوگ تم کو ضرر نہ پہنچائیں۔

(۳) لَا تَسْزِرُوا زُرَّةً وَلَا زُرَّةً وَلَا خُرَّةً وَلَا خُرَّةً وَلَا تَسْزِرُوا زُرَّةً وَلَا خُرَّةً وَلَا تَسْزِرُوا زُرَّةً وَلَا خُرَّةً (پہلے آیت)

گنہگاروں کا بوجھ نہیں اٹھانے کا،

(۴) لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (پہلے آیت) جو کہ کسی نے اچھا کیا ہے اس

کا ثواب اسی کے لئے ہے اور جو برا ہے اس کا نقصان بھی اسی کے لئے ہے۔

پادری صاحب سے یہ آیات اسی طرح معنی رہی ہیں جس طرح مسیح نے فرمایا ہے کہ

ریا کار دوسرے کی آنکھ کا تشکا دیکھتا ہے مگر اسے اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا (متی باب ۲۳)

آگے چل کر آپ لکھتے ہیں: "جہلت سکرم اور جہلت عجز"

تکلم کے معنی ہیں دباؤ اور عجز کے معنی ہیں عاجزی اور تواضع۔ اس کے متعلق پادری صاحب لکھتے ہیں۔

دینِ فطرت کا یہ کام ہے کہ تکلم اور خود نمائی کے جذبہ کو حد سے نہ بڑھنے دے (ص ۱۹۴) پھر لکھتے ہیں کہ

مکتہ اللہ نے یہ تعلیم دی ہے کہ جو کوئی اپنے آپ کو بڑا بنا لے گا وہ چھوٹا کیا جائے گا اور جو چھوٹا بنا لے گا وہ بڑا کیا جائے گا۔ (ص ۱۹۴)

یہ بھی صحیح ہے۔ اس کے ساتھ قرآن شریف کی تعلیم بھی آپ نے دکھی یا سنی ہے۔ سینے! قرآن شریف تو ان دونوں باتوں کی جزا سزا بھی ایسی بتاتا ہے جو کسی کتاب نے نہیں بتائی ہوگی۔ بڑائی کا اظہار کرنے والے کا نام تکبر رکھتا ہے اور کہتا ہے اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ (پک - ۲۱ - ص ۳) کیا تکبر کا اظہار کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم نہیں ہے؟ ضرور ہے۔

نیز تواضع اور عاجزی اختیار کرنے والوں کے حق میں فرماتا ہے۔

ذٰلِكَ السَّبُّ اَلْاٰخِرَةُ جَعَلَهَا لِّلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَلَا فِسَادًا (پک - ۲۱ - ص ۳) آخرت کا یہ گھر ہم ان کو عطا کریں گے جو دنیا میں بلندی و برتری یا فساد کا ارادہ نہیں کرتے

پادری صاحب اس سے زیادہ اور کیا چاہتے ہیں؟ آگے چل کر ص ۱۹۹ پر لکھتے ہیں کہ:-

پس مسیحیت تکلم اور خود نمائی کو حد سے بڑھنے نہیں دیتی۔ ہر طرح کے غرور و لاف و گراف کا استیصال کرتی ہے پس مسیحیت دینِ فطرت ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

مجیب | بے شک مسیحیت یہ صلاحیت رکھتی اگر اس میں یہ تعلیم نہ ہوتی کہ

نبی اسرائیل ہی انسان ہیں باقی سب لوگ کتے ہیں۔

ناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی کتوں کو پھینکی جائے (ص ۱۵، ۱۶، ۱۷)

پادری صاحب اسی ضمن میں قرآن مجید پر حکم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

قرآن کی تعلیم ہے کہ مسلمان اپنے لوگوں کو ہی سلام کریں اور غیر مسلموں کو سلام کرنے

میں پہل نہ کریں (نور ۱۶) لیکن اگر وہ سلام کریں تو ان کے سلام کا جواب دیں۔
(نساء ۸۸) مسلمان مرد عورتوں پر حاکم ہیں (نساء ۳۹) غرضیکہ قرآنی تعلیم
بے جانغور، فخر اور جھوٹی عزت اور شان کی حمایت کرتی ہے لیکن انجیل جلیل

کی تعلیم اس قسم کے جذبات کے منافی ہے (مثنیٰ باب ۵، ۲۳ تا ۲۸ ص ۲)

مجیباً ہم کہاں تک پادری صاحب کے ظلم اور حکم کی شکایت کریں۔ آپ قرآن
کے ذمے وہ مضامین ٹھنٹے ہیں جو قرآن میں نہیں۔ آپ نے سورہ نور کی آیت ۶۱
کا حوالہ دیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ ذٰلِكَ أَدْبَارَ الْعِلْمِ (جب تم گھروں میں

داخل ہو تو اپنے ہم جنسوں کو جو وہاں بیٹھے ہوں سلام کہا کرو۔

کے معنی ہم جنس کے بھی آتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنفُسِكُمْ

أَزْوَاجًا (پ ۲ - ع ۱) خدا نے تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں بنائیں، مگر ہم اس
تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ بلکہ ایک اور آیت پیش کر دیتے ہیں جو فیصلہ کن
ہے۔ غور سے سنئے!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْأَلُوا

وَتَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا (پ ۲ - ع ۱) (اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے

گھروں میں داخل نہ ہو کر جب تک تم معلوم نہ کرو کہ جس سے تم ملنا چاہتے ہو وہ گھر میں ہے

یا نہیں اور اہل خانہ پر سلام کیا کرو)

پادری صاحب! میں کبھی آپ کے دولت خانہ میں بغیر سلام کئے جا بیٹھوں تو میں آپ

کو اجازت دیتا ہوں کہ آپ یہ آیت میرے سامنے پیش کر کے سلام کا تقاضا کریں۔

اے قرآن! اللہ کے تیری شان کہ منکرین تیری جس بات پر اعتراض کریں تو خود ہی

اس کا جواب دے دیتا ہے۔

ناظرین! سوامی دیانند کی شستیار تھپ پکاش میں قرآن مجید پر ۱۵۹ اعتراضات درج

ہیں اور ہر شہ دھرم پال سابق نوآریہ حال مسلمان کی کتاب "تذکرہ اسلام میں قرآن مجید"

پر ۱۱۶۔ اعتراضات درج ہیں۔ مگر حق یہ ہے کہ ان دونوں معتزلوں نے باوجود بسواہ رومی کے اس قدر تحکم اور ظلم سے کام نہیں لیا۔ جس قدر پادری برکت اللہ صاحب نے لیا ہے۔ ہیں اس کا افسوس ہے جس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک وجہ یہ کہ آپ مسلمانوں کی اولاد ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ آپ مسیح کی بھڑوں میں سے ہیں یعنی ایک بے ضرر قوم کے فرد ہیں۔ اس موقع پر ہمیں مولانا عالی مرحوم کی ایک رباعی یاد آگئی ہے جو یہ ہے۔

حالی راہ راست جو چلتے ہیں سدا خطرہ انہیں گرگ کا نہ ڈر شیروں کا
لیکن ان بھڑوں سے واجب حذر بھڑوں کے لباس میں جو ہیں جلوہ نما

اس سے آگے پادری صاحب نے ص ۲۲ پر یہ عجیب سرخی قائم کی ہے۔

تحکم کی جبلت محمد عربی اور مسیح ناصری " اس سرخی کے ماتحت آپ نے عجیب رنگ دکھائے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اور آپ کے مہنواؤں نے شان الوہیت اور مرتبہ رسالت پر غور نہیں کیا۔ پس توجہ سے سنئے۔ بہر فن اور ہر حکومت میں ایک منتہائے کلام ہوتا ہے جہاں پہنچ کر جھگڑا ختم ہو جاتا ہے۔ مثلاً رعیت کے لئے بادشاہ کی ذات منتہائے نزاع ہے اور اس کے مقرر کرنے سے ہائیکورٹ عدالت عالیہ منتہائے نزاع ہے۔ یہ ایسی صداقت ہے کہ کسی خرد انسان کو اس میں کلام کی گنجائش نہیں ہے۔ اس اصول کو ملحوظ رکھ کر پادری صاحب کی تہید سنئے۔ آپ لکھتے ہیں کہ:-

قرآن اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ وہ اللہ کی سطوت اور جبروت کے منوالے پر نہایت غلو اور مبالغہ سے کام لیتا ہے۔

آل عمران ۲۹-۱۲۶۔ نساء ۲۲-۲۳۔ ماائدہ ۹۳ وغیرہ" (ص ۲۲)

مجیب | ان آیات میں صرف ایک ہی حکم ہے کہ اللہ اور رسول کی تابعداری کرو۔ نہ اس میں غلو ہے نہ مبالغہ ہے بلکہ اسی قاعدے کے مطابق اللہ کی ذات اور اس کے بنانے سے رسول خدا ہائیکورٹ (عدالت عالیہ) کی حیثیت سے منتہائے کلام ہیں۔ شروع سے کل انبیاء علیہم السلام کی تعلیم یہی چلی آئی۔ حتیٰ کہ خود مسیح نے بھی فرمایا کہ

میسرے حکم پر عمل کرو (یوحنا ۱۵: ۱) جابیح کا یہ ارشاد بقول مسیحیاں اگر خدائے
مجسم ہونے کی حیثیت سے ہے تو بھی صحیح ہے اگر بحیثیت رسالت کے ہے تو بھی
صحیح ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ پادری صاحب کو اس پر کیا اعتراض سوچا ہے۔ ہم کھنے لفظوں
میں کہتے ہیں۔ تمام موافق اور مخالفت دل کھول کر سن لیں کہ۔

ہم تعلیم قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی ذات کو فقہانے کلام جانتے ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خدا کے بنانے سے ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ ہاں دونوں میں فرق
ذاتی اور عرضی کا ہے یعنی خدا اپنی ذاتی حیثیت کے فقہانے کلام سے اور رسول
منصب رسالت کی وجہ سے اسی لئے ہمیں آنحضرت کی اطاعت کے لئے کسی اور دلیل
کی ضرورت نہیں ضرور انہی کا قول و فعل کافی سند ہے۔ ہم ان دو مقبولوں کے علاوہ کسی اور
کا قول و فعل دلیل اور حجت شرعی نہیں جانتے۔

تعجب بالائسے تعجب ہے کہ مسلمانوں کے لئے اللہ اور رسول کا حکم واجب سبب
الاطاعت اور واجب نجات ہونا پادری صاحب کو کھٹکا ہے۔ حالانکہ ان کا اپنا مذہب
یہ ہے کہ ہر ایک مبلغ حجت کی تصنیفات بلکہ خطوط کو بھی الہامی اور نشتے قرار دے کر واجب
التعمیل مانتے ہیں۔ اللہ اللہ کس قدر بے انصافی ہے۔

تہیں تقییر اس بت کی جو ہے میری خطا گنتی

اے لوگو! ذرا انصاف سے کہو خدا گنتی

پس یہ اعتراض کچھ قابل توجہ نہیں ہے ہم جس طرح پیغمبر اسلام علیہ السلام کی شخصیت کو
تمام امت محمدیہ کے لئے اسوۂ حسنہ سمجھتے ہیں۔ اسی طرح کل انبیائے کرام کو اپنی اپنی
امت کے لئے نمونہ کاملہ جانتے ہیں۔ قرآن مجید اس اصول پر فلسفیانہ رنگ میں تباہ
کرتا ہوا کہتا ہے۔ اَمْ لَكُمْ لَعِينٌ قَوْمًا رَّسُولَهُمْ خَلَّمَ لَهُمْ مِثْرًا بَاطِلًا
اکیسا ان لوگوں نے اپنے رسول کے منصب رسالت کو پہچانا نہیں ہے کہ اس سے انکار
کر رہے ہیں۔

ہم مانتے ہیں کہ قرآن مجید نے خدا کی سطوت اور جبروت منوانے پر بہت زور

دیلے۔ یہاں تک کہ مصنوعی خداؤں کے حق میں فرمایا ہے۔

لَنْ يَسْتَنْفِكَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ ط (پ - ع)

مسیح کو خدا کا بندہ بننے سے عار نہیں ہے،

ابھی معنی میں مولانا عالی مرحوم کا ایک مسدس ہے جو اپنے مضمون میں بالکل

صحیح ہے۔

خرد اور ادراک رنجور ہیں واں مرد و مہر ادا دے سے مزدور ہیں واں

جہاندار مغلوب و مقہور ہیں واں نبی اور صدیق مجبور ہیں واں

نہ پرہا ہے ابرار و آسرار کی واں

نہ پرکشش ہے اجار و رہبان کی واں

صَدَقَ اللَّهُ بِأَكْلٍ لَّهُ فَانْتُونُ

بے دین منافقوں نے مخلص مسلمانوں کو شبہات میں ڈالنے کے لئے یہ رسم نکالی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب جا کر آپ کے کان سے منہ لگا کر کوئی بات کہہ دیتے جس سے مسلمانوں کو خیال ہوتا کہ لوگ دربار رسالت کے مقربین میں سے ہیں۔ اس لئے حکم نازل ہوا کہ رسول کے کان میں بات کرنے سے پہلے کچھ صدقہ رکے لیا کرے۔

اس سے غرض یہ تھی کہ یہ فتنہ مٹ جائے۔ پادری صاحب کو اس پر بھی اعتراض ہے (صفحہ ۲۱۳) پر ہم نے ابھی کہا ہے کہ خدا کے مقرر کردینے سے رسول کی حیثیت ہائی کورٹ کے چیف جج کی سی ہے پھر اس کا فیصلہ کیوں ناطق نہ ہو اور خاص کر بحیثیت مذہبی پیشوا اور بحیثیت نائب خدا ہونے کے اس کے فیصلے پر چون و چرا کی گنجائش کیوں ہو۔ مگر پادری صاحب کو اس پر بھی اعتراض ہے۔ میں ان اعتراضوں کی قدر کرتا ہوں صرف اتنا کہتا ہوں کہ ع

مجھ میں اک عیب بڑا ہے کہ وہ دار ہوں میں

اب سنتے پادری صاحب جناب مسیح کے حق میں لکھتے ہیں کہ

اس کے برعکس اگر ہم ابن اللہ کی زندگی پر سطحی نظر ڈالیں تو ہم کو معلوم ہو جائے گا کہ گو آپ علم اور فروتنی کا نمونہ تھے۔ (متی ۱۱: ۱۹) تاہم آپ کے علم اور فروتنی کا یہ مطلب نہ تھا کہ آپ پست بہت تھے یا آپ اپنی ذات اور خودداری کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ آپ محسوس کرتے تھے کہ آسمان وزمین کا کل اختیار مجھے دیا گیا (متی ۲۸: ۱۸) میرے باپ کی طرف سے سب کچھ مجھے سونپا گیا ہے (متی ۱۱: ۲۷) آپ ہر طرح سے صاحب اختیار تھے۔ (یوحنا ۳: ۳۵ ایضاً ۱۳، ۳) یہاں تک آپ نے فرمایا کہ آپ روزِ حشر دنیا کا انصاف کریں گے لیکن آپ باوجود صاحب اختیار ہونے کے پرلے درجے کے فروتن اور عظیم تھے (متی ۲۳)

مجیب اہم نہیں سمجھ سکتے کہ پادری صاحب اس مقابلہ میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں اور کہاں تک ناکام۔ ہم سے پوچھیں تو ہم یہ صاف بات کہنے سے نہیں رک سکتے کہ ہمارا نبی دوسرے انبیائے کرام کی طرح عبداً ورسولہ ہے اسی لئے حضور حکمِ خدا کھلے الفاظ میں اعلان کرتے ہیں:-

قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا (پہ ۲۵ - ۲۶)

میں نے تم پر کوئی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا) مسیح کے حق میں مسیحیوں کے ایسے غالبانہ اقوال سن کر حضور علیہ السلام نے جو ارشاد فرمایا وہ مولانا عالی مرحوم کے الفاظ ہیں درج ذیل سے:

نصاری نے جس طرح کھایا ہے دھوکا کھجے ہیں عیسیٰ کو بیٹا خدا کا مجھے تم سمجھنا نہ زہنہارا ایسا میری حد سے رتبہ بڑھانا نہ میرا

سب انسان ہیں واں جس طرح منگندہ

اسی طرح ہوں میں جی اک اس کا بندہ

اللہ اللہ کس قدر صاف گوئی اور رشد و ہدایت سے بھرپور کلام ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ الوہیت کے مقابلہ میں اپنی خالص عبودیت کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

لطیفہ | خدا کرے کہ کبھی پادری صاحب کا مقابلہ ان غلی مسلمانوں سے ہو جائے جو
اپنی محظروں میں کہتے ہیں۔

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہو کر | از پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر
تو ہم بھی ان بہادروں کا مقابلہ دیکھیں۔ | اللہ اللہ کس قدر خدا کی اور نبی کرام
کی توہین ہے، خدا ان سب کو ہدایت کرے آمین!

باقی رہا مسیح کے علم کا دعویٰ۔ ہمیں اس سے انکار نہیں ہے، ہاں اس سے
اختلاف ہے کہ آپ اس وصف کو مسیح کی ذات سے مخصوص ٹھہراتے ہیں تِلْكَ اِذَا
قَسَمْنَا ضِيزَىٰ۔ سنئے ہم آپ کو قرآن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سناتے
ہیں ارشاد ہے:-

(۱) فَمَا رَحْمَةً مِنَ اللَّهِ لَسْتَ لَهُمْ رِيبَ ع

(۱) اے پیغمبر! خدا کے فضل سے تم بڑے نرم دل واقع ہوئے ہیں،

(۲) اِنَّكَ اَعْلَىٰ خَلْقٍ عَظِيمٍ رِيبَ ع

(۲) اے! تم اعلیٰ اخلاق پر ہو

پادری صاحب! اگر مزاج سامی کے خلاف نہ ہو تو ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ اپنے مخالفوں
کو سانپ اور سانپوں کے بچے (متی ۱۲: ۳۴) بد اور حرام کار (متی ۱۲: ۳۹) کہنے والا
بھی حلیم ہو سکتا ہے۔ پادری صاحب! کیا مسیح کا یہی حکم دنیا کو دنیا کو دکھاؤ گے، جس
کے درباب میں مسکین مخاطب کو یہ کہنے کا موقع ملے۔ ع

بدم گفتی و خور ستم عفاک اللہ کو گفتی

اسی ضمن میں پادری صاحب نے لکھا ہے کہ

”ابن اللہ نے اپنے نمونہ سے ہم کو سکھایا ہے کہ ہم کو دوسروں کی خاطر اپنے

حقوق سے دستبردار ہو جانا چاہیے“ (ص ۲۰۵)

قرآن مجید نے اس کے متعلق جو تعلیم دی ہے وہ اس سے اعلیٰ اور ارفع ہے ارشاد ہے

يُؤْتِرُونَ عَلَىٰ الْفَسِيحِ وَيُؤْتِرُونَ كَانِ يَهْرُ خَصَاةً رِيبَ ع

کامل مسلمان (انصار کرام) اپنی حاجت کے باوجود دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔

ان دونوں تعینوں میں جو فرق ہے اس پر غور کیجئے۔

مثال کسی محلے میں دو شخص رہتے تھے ان میں سے ایک نے دوسرے سے بوجہ ناداری کے کچھ قرض لیا۔ پادری صاحب کی منقولہ ہدایت کے مطابق قرض خواہ کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اپنا حق چھوڑ دے۔ قرآن شریف بھی اس کے متعلق یہی ہدایت فرماتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:-

وَأَنْ كَانَ ذُو مَسْكَةٍ فَتُنْظَرُ إِلَىٰ مَيْسِرَةٍ وَأَنْ لَّصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ
إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (طہ ۲۴)

(اگر تمہارا مقروض تنگ دست ہو تو فراخی تک اس کو ہمت دیا کرو۔ اگر نیت صدقہ قرض معاف کر دو تو تمہارے حق میں بہت اچھا ہے)

ان کے علاوہ دو شخص ادب ہیں۔ دونوں کو بھوک لگی ہوئی ہے۔ ایک کے پاس روٹی ہے اور دوسرے کے پاس نہیں۔ آپ کی پیش کردہ ہدایت اس موقع پر کیا کہتی ہے۔ کچھ نہیں کہتی بلکہ خاموش ہے۔ قرآنی آیت (وَلَسَوْكَانَ) اس روٹی والے کو ترغیب دیتی ہے کہ تم اپنی بھوک کو مغلوب کر کے بھی یہ کھانا دوسرے کو کھلا دو۔ اللہ اللہ! اس تعلیم میں کس قدر رحمت و شفقت دی ہے۔ قرآن کے منکر و ناس

بس تنگ نہ کرنا صحیح ناداں بجھے اتنا

پاہل کے دکھائے رہن ایسا کر ایسی

آگے چل کر پادری صاحب نے منہ پر ایک سرخی یوں لکھی ہے:-

”جہلت حصول و کتاب“

اس سرخی سے مراد یہ ہے کہ انسان میں کسی نہ کسی چیز کو حاصل کرنے کی فطری خواہش پائی جاتی ہے۔ چنانچہ مشروع مضمون میں پادری صاحب لکھتے ہیں کہ:- ہر انسان میں ایسا کو فراہم کرنے اور ذخیرہ جمع کرنے کی اقتضا کسی نہ کسی صورت میں پائی جاتی ہے۔ کتاب و حصول کی جہلت انسانی فطرت میں داخل ہے (ص ۳)

ہمارا بھی اس پر صاف ہے۔ قرآن مجید اس کی تصدیق کرتا ہے۔ ارشاد ہے:-
 اُخْصِیْوْتِ الْاَنْفُسَ الشُّحْرَ (پ - ع) ہر نفس کو حاصلِ برعاً کا لالچ ہے
 آگے چل کر آپ لکھتے ہیں کہ:-

دینِ فطرت کا کام ہے کہ اس جبلت کے رجحان کو کم مایہ اور بے حقیقت اور ادنیٰ
 اشیاء کی طرف سے ہٹا کر ایسے اعلیٰ ترین مقاصد کو حاصل کرنے کی جانب راغب
 کرے جس سے انسان کی ذاتی ترقی اور بنی نوع انسان کی بہبودی مقصود ہو (صفحہ ۲۱۹)
 اس کو بھی ہم تسلیم کرتے ہیں۔ اس سے آگے آپ لکھتے ہیں کہ:-

سعیت ہم کو تعلیم دیتی ہے کہ دولت ایک بے مایہ پیچ ادنیٰ اور بے حقیقت شے
 ہے اور ہماری زندگی کا یہ نصب العین ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ ہم اس کے جمع
 کرنے میں منہمک ہو جائیں۔ جو کوئی اپنے آپ کو دولت مند بناتا ہے وہ
 نادار ہے اور جو کوئی اپنے آپ کو کنگال بناتا ہے وہ بڑا مالدار ہے (امثال
 ۱۳: ۷)۔ دین کا قول ہے کہ، جو لوگ دولت پر بھروسہ رکھتے ہیں ان کے لئے
 خدا کی بادشاہت میں داخل ہونا نہایت مشکل ہے۔ اونٹ کا سوئی کئے کہ میں سے
 نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو
 (مغز ۱۰: ۲۳) نیز فرمایا کہ اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا
 اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے ہیں اور چراتے ہیں۔
 بلکہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو جہاں نہ کیڑا خراب کرتا ہے نہ زنگ
 (صفحہ ۲۱۱)

ان حوالہ جات پر بنا کر کے پادری صاحب لکھتے ہیں کہ:-

سطور بالا سے ظاہر ہے کہ سعیتِ جبلت حصولِ دولت کا کارہ نہیں بتاتی یہ
 ہماری سرشت میں داخل ہے لہذا سعیت اس جہلی فطرت کو ضائع نہیں کرتی بلکہ اس
 جبلت کے رجحان کو زروالِ طیبی بے حقیقت اشیاء کے جمع کرنے کی طرف ہٹا کر
 اس کا رخ اعلیٰ مقاصد کی طرف کر دیتی ہے (صفحہ ۲۱۳)

تمثیل اہم اس دل خوش کن تعلیم کو ذرا واضح کرنے کے لئے ایک مثال پیش کرتے ہیں مسیحیت ہر شخص کو اجازت دیتی ہے کہ وہ دولت کمائے۔ خواہ بذریعہ علم کمائے یا بذریعہ تجارت۔ خواہ اس کی آمدنی سو نہیں ہزار بلکہ دس ہزار تک پہنچ جائے۔ ایسا کرنا مسیحیت کے خلاف نہیں۔ مگر اس رقم میں سے جتنا اس کی ضرورت سے زائد ہو وہ سارا نیک کاموں میں خرچ کر دے۔ اگر رکھے گا تو نجات سے محروم ہو جائے گا اس تشریح کے ہمارے خیال میں اس کی تردید کرنے کی حاجت نہیں۔ کیونکہ دنیا کا ہر ایک گوشہ خصوصاً مسیحی ممالک اس کی عملی تردید کر رہے ہیں۔ اس تعلیم کے پیش نظر ممالک مسیحیہ (یورپ اور امریکہ وغیرہ) کو دیکھا جائے تو ایک شخص بھی ایسا نہ پائے گا جو بادشاہت میں داخل ہو کر نجات کا حقدار ہو سکے۔ میرا سن ظن تو یہاں تک ہے کہ اس تعلیم پر پادری برکت اللہ صاحب اور ان کے اجاب کا بھی عمل نہ ہوگا۔ ان کے گھر میں بھی ٹھنڈا بہت اٹاٹا البیت ضرور ہوگا اور ایسا کرنا عقل مندی کی نشانی ہے۔ پھر کیا پادری صاحب اور ان کی پارٹی پر یہ شعر صادق نہ آئے گا

ترک دنیا بس روم آموزند خوشین سیم و عملہ اندوزند

اس کے بعد پادری صاحب قرآن پر متوجہ ہو کر لکھتے ہیں :-

قرآن میں ایسی آیات پائی جاتی ہیں جو زرا در دولت کے حصول کو بیچ اور ادنیٰ بتلنی ہیں۔ لیکن ایک طرف تو قرآن ان چیزوں کو کم مایہ قرار دیتا ہے۔ دوسری طرف انہی چیزوں کو بہترین مرغبات میں شمار کر کے مال غنیمت وغیرہ کے ذریعہ لوگوں کو جہاد کے لئے ابھارتا ہے (سورہ انفال ۱۰۲- فتح ۱۵)

جو تم لوٹ کے لاشے حلال پاک ہے تم کھاؤ۔ (انفال آیت ۷۰) یوں قرآن اس دنیا کے مال و اسباب اور مال بھی ایسا تو لوٹ کے ذریعہ حاصل کیا ہو، کی کم مائیگی کے اصول کو خود ہی زائل کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن نے یہ اجازت دے رکھی ہے کہ روپیہ کے ذریعہ لوگوں کے دل اسلام کی طرف راغب کرنا جائز ہے۔

(توبہ۔ آیت ۱۶) (ص ۲۱۹)

مجیب | ہائے تعصب تیرا بڑا ہوتا کیسے کیسے درعیانِ علم و غفل سے غلطیاں کرتا ہے
قرآن شریف چونکہ ایک با حکمت کتاب ہے جس میں انسانی تمدن کے ہر شعبے کا لحاظ رکھا
گیا ہے۔ علم اقتصادیات پر لٹریچر اکانومی، آج کمال ترقی پر پہنچ گیا ہے۔ اس علم کے فوائد
اساسی کو اساساً خوب ملحوظ رکھنا ہے اور نبھانا ہے۔ مال کمانے کی ترغیب دیتا ہے، تجارت
زراعت، صنعت و حرفت وغیرہ ہر کام کرنے کی اجازت بلکہ حکم دیتا ہے۔ ارشاد ہے:-

وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ رِزْقًا كَسْبًا وَتِجَارَةً اللَّهُ كَانُفُضِلَ تَلَّاشُ كِيَا كُرُوا پھر اس
طریق سے جو حاصل ہو اس کے متعلق ہدایت کرتا ہے:- اَلْفُقُوَا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا
كَسَبْتُمْ وَمِمَّا اخْرَجْنَا كُمْ مِنَ الْاَرْضِ (پ۔ ع۔) اپنی پاک کماٹی میں سے اور
ہماری اگائی ہوئی زمینی پیداوار میں سے بھی راہ خدا میں کچھ خرچ کیا کرو، اس کے
علاوہ فرمایا اَلْوَا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ رِزْقًا پيداوار حاصل کرنے کے دن خدا کا حق بھی
ادا کیا کرو۔ یعنی بقدر وسعت غرباء اور مساکین کو بھی دیا کرو۔ یہاں تک تو انجیل اور قرآن
ایک دوسرے کے ساتھ چلتے نظر آتے ہیں۔ اس سے آگے جس مقام پر جدا ہوتے ہیں
ہم آپ کو علیحدگی کا وہ کاٹنا بھی دکھا دیتے ہیں۔ آپ جو چاہیں راستہ اختیار کر لیں۔ آپ
نے انجیل کے جو روالے نقل کئے ہیں۔ ان سب کا محض ضمنی اس مصرع میں ہے ع
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

اس کے خلاف قرآن مجید علم اقتصادیات کے اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے فرماتا

ہے:-

لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسِطِ

فَتَقْعَدَ سَلَومًا مَحْسُورًا (پ۔ ع۔)

(خیرات کرتے ہوئے اپنے ہاتھ کو نہ بالکل بند رکھا کرو اور نہ کھلا چھوڑ دیا کرو اگر ایسا کیا تو

افسوس اور حسرت کی حالت میں بیٹھے رہو گے)

اللہ اللہ! کس قدر حکیمانہ تعلیم ہے جس سے غربا اور مساکین کی حاجت روائی بھی ہو اور نظام
عالم میں بھی خلل نہ آئے برخلاف اس کے کہ خیرات میں سارا مال خرچ کر دیا جائے جس کا

نتیجہ قرآن نے بتلادیا کہ تم خود مفلس اور تنگ دست ہو جاؤ گے۔

ایک سوال | میں با انصاف ناظرین کے سامنے ایک سوال رکھنا چاہتا ہوں۔ کسی قصبے میں دو ہزار کی آبادی ہے۔ ان میں سے چند اشخاص متمول ہیں جو جائز طور پر اپنا کاروبار کرتے ہیں۔ ان کے پاس بہت سے مزدور پیشہ لوگ ہیں جو محنت مزدوری کے ذریعہ اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ انجیل میں ان متمول لوگوں کو حکم ہوتا ہے کہ اپنا سارا مال خدا کے راستے میں خرچ کر دو۔ پھر یہ مال جس کے ہاتھ میں جائے گا اس کو بھی یہی حکم ہوگا کہ تم بھی آگے دے ڈالو۔ اس کے بعد جس کے ہاتھ میں جائے گا اس کو بھی یہی حکم ہوگا۔ آخر یہ سلسلہ کہاں جا کر رکے گا۔ ہاں اس سے یہ نتیجہ ضرور نکلے گا کہ یہ لوگ یا تو مزدور پیشہ میں مل جائیں گے یا کاشہ گدائی ہاتھ میں لے کر پھریں گے۔

ہے کوئی دانا جو روٹی کھلا دے

پادری صاحب! تاریخ کلیسیا میں آپ کوئی زمانہ ایسا دکھاسکتے ہیں کہ لوگوں نے اس حکم پر عمل کیا ہو۔ اگر نہیں دکھاسکتے تو نتیجہ صاف ہے کہ اس قسم کی تعلیم کا غدو میں تو سما سکتی ہے عمل میں نہیں آسکتی۔ اس لئے ایسا مذہب دینِ نطرت نہیں ہو سکتا۔ ہاں قرآن مجید کی تعلیم عمل میں آسکتی ہے بلکہ کل دنیا کے عمل میں آرہی ہے۔ اسی لئے قرآن ہی دینِ نطرت ہے۔ قرآن پادری صاحب کو لکار کر کہتا ہے

بس تہدبے کا عشق و ہوس میں بھی امتیاز

آیا ہے اب مزاج تیرا امتحان پر

پادری صاحب کی تعلی | ملاحظہ ہو۔ آپ لکھتے ہیں کہ یہ

قرآن حجتِ صول و کتاب کی قوت کو بے حقیقت اشیا کی طرف سے نہیں

بٹاتا۔ اس کی طاقت کے رجحان کو کسی اور بہتر مقصد اور نسب العین کی طرف نہیں

کر سکتا۔ سمیت حجتِ حصول و کتاب کے اقتضا کو تسلیم کر کے اس رجحان کو زر

جیسی بے حقیقت اشیا سے ہٹا دیتی ہے اور اس کا رخ اعلیٰ مقاصد کے حاصل

لے باقی جواب کے لئے ملاحظہ ہو (محبوب)

کرنے کی جانب لگاتی ہے؟ (دین فطرت ص ۲۲۱)

مجیباً | ہمارا گمان بلکہ یقین ہے کہ جو شخص ایک دفعہ بھی سرسری نظر سے قرآن کا سادہ ترجمہ کسی زبان میں دیکھ لے وہ بھی یقین کر لے گا کہ قرآن ہر حکم میں بلکہ ہر کام میں اعلیٰ مقصد (رضاء الہی) کی طرف توجہ دلا کر راغب کرتا ہے۔ اسی لئے افاق کے موقع پر فی سبیل اللہ کا لفظ بار بار فرماتا ہے۔ اس کے علاوہ پادری صاحب کے لئے فیصلہ کن تعلیم ہم صریح الفاظ میں پیش کئے دیتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

(۱) زُتِنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ

مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ لَئِنْ لَمْ يَنْصَرَفْ

مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَ حَسَنِ السَّابِ رَئِيفٌ

(۲) وَمَا تَنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ طَرِيفٌ

(۳) مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ طَرِيفٌ

(۴) وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى وَ

لَسَوْفَ يَرْضَى طَرِيفٌ

ترجمہ (۱) لوگوں کو فطرۃً بعض چیزوں کی محبت ہے جو ان کو بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً عورتیں بیٹے، سونے چاندی سے بھرپور خزانے، عمدہ عمدہ گھوڑے، چوپائے اور کشتیاں یہ تو محض دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور اللہ کے پاس بہت اچھا ٹھکانا ہے۔

(۲) جو بھی خرچ کرے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کرے۔

(۳) تمہارے پاس جو مال ہے وہ تو ختم ہو جائے گا اور خود اللہ کے پاس سے وہ باقی رہے گا۔ یعنی نیک اعمال کا بدلہ پائیدار ہوگا۔

(۴) اس پر کسی کا احسان نہیں کہ اس کا بدلہ دیا جائے بلکہ وہ اپنے عالیشان پروردگار کی رضا پاتا ہے اور ضرور اس سے راضی ہو جائے گا۔

پادری صاحب! دیکھئے ان آیات میں انسان کا مقصد اعلیٰ کیسے صاف الفاظ میں

رضائے الہی قرار دیا گیا ہے۔ ہمارا دعوے ہے کہ اس وزن کی آیات نہ نخل
میں ہیں نہ دوسرے صحف انبیاء میں۔ باوجود اس کے آپ انکار ہی کئے جا میں تو میں
کہوں گا کہ

بس تنگ نہ کرنا صح نادان مجھے اتنا یا چل کے دکھائے دہن ایسا کر ایسی

اشتراکیت اور مسیحیت

اسی کتاب (دین فطرت) کے خاتمہ پر پادری صاحب نے ایک مضمون بعنوان "اشتراکیت
اور مسیحیت" لکھا ہے جو تقریباً بیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس میں آپ نے روس کے
معاشری نظام کا ذکر کے اس میں کچھ خوبیاں اور کچھ برائیاں بتائی ہیں۔ پھر مسیحیت کو اس
کا نعم البدل قرار دیا ہے۔ مگر قرآنی تعلیم پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس لئے ہمارا فرض
نہیں تھا کہ اس کا ذکر کرتے یا جواب دیتے۔ چونکہ پادری صاحب نے اس مضمون
میں بھی غلو سے کام لیا ہے اس لئے بغرض اصلاح چند فقرے لکھے
جاتے ہیں۔

اشتراکیت کا منشا ہے کہ سب انسانوں میں مساوات ہو جائے۔ اسی لئے وہ سرمایہ دار کی
کا خاتمہ کر کے سرمایہ داروں کو بھی مزدوروں کی سطح پر لے آتے ہیں۔
پادری صاحب اس قسم کی مساوات کو تو اچھا سمجھتے ہیں۔ مگر روسیوں نے جس تشدد
اور جبر سے یہ نظام جاری کیا ہے اس کے آپ سخت مخالف ہیں۔ آپ کے
نزدیک مساوات محبت پر مبنی ہو تو بہت اچھی چیز ہے۔ مختصر یہ ہے کہ پادری
صاحب کے نزدیک مطلوب صحیح ہے۔ مگر ذریعہ طلب میں آپ کو اختلاف ہے۔ اسی
لئے آپ کہتے ہیں کہ انسانی مساوات، محبت اور اخوت پر مبنی ہونی چاہئے۔ آپ
کے الفاظ یہ ہیں۔

"خدا کی بادشاہت کے بنیادی اصول یہ ہیں کہ خدا ہمارا باپ ہے جو ہر فرد بشر سے

انہی اور ابدی محبت کرتا ہے اور کل بنی نوع انسان بلا لحاظ ذات، مذہب، نسل، رنگ
قوم اور ملک وغیرہ ایک دوسرے کے بھائی اور خدا کی بادشاہت کے شریک
ہیں۔ اس بادشاہت کے بانی کا ارشاد ہے کہ تمہارا باپ ایک ہی ہے جو آسمان
پر ہے اور تم سب بھائی ہو۔ (متی ۲۳)

اس موافقت کی وجہ سے ہر شخص پر یہ فرض عائد کر دیا گیا ہے کہ وہ دوسروں سے
اس طرح محبت کرے جس طرح اپنے آپ سے محبت کرتا ہے۔ ہر ایک شخص کو
جو خدا کی بادشاہت کا ممبر ہے مساوی حقوق حاصل ہیں پس خدا کی بادشاہت کا
اصل اصول محبت ہے اور اخوت و مساوات اس بادشاہت کے بنیادی اصول
ہیں۔ محبت، اخوت اور مساوات کے اصول کا یہ تقاضا ہے کہ دوسروں کے ساتھ
وہی سلوک روا رکھا جائے جو ہر انسان اپنے لئے چاہتا ہے۔ (روم ۱۲)

محبیب۔ بس یہ ہے پادری صاحب کی ساری تحریر کا لب لباب۔ ہمارے تصور میں بھی
یہ بات نہیں آسکتی کہ سرمایہ داروں کو فنا کر کے دنیا کا انتظام کیسے چل سکتا ہے۔ کیا مسیحیت
کی تاریخ میں کوئی زمانہ ایسا آیا ہے کہ اس نے تمدن کے اعلیٰ معراج پر پہنچ کر یہ نمونہ دکھایا
ہو۔ مسلمانوں میں اسلامی تعلیم کا صحیح نمونہ خلافت راشدہ کے زمانہ میں ملتا ہے۔ اور علیا میں
میں بہترین زمانہ جو قابل نمونہ ہے وہ قسطنطنیہ کے مسیحی بادشاہ قسطنطین اعظم کا زمانہ
ہے۔ کیا پادری بکت اللہ صاحب یا کوئی اور پادری صاحب ہمیں بتا سکتے ہیں
کہ اس زمانہ میں مبنی بر مساوات کا ثبوت ملتا ہے جس سے سرمایہ دار اور مزدور سب برابر
ہو گئے ہوں۔ اس کی تھوڑی سی تشریح ہم ص ۲۲ پر کر آئے ہیں۔

واقعہ صحیحہ۔ اردس نے اشتراکیت کو اپنا دستور العمل بنایا مگر جوہی اس نے اپنی
طرز معاشرت میں مساوات کو اپنا اصول قرار دیا۔ مسیحیت وہاں سے رخصت ہو گئی۔ جس
کا اعتراف خود مسیحیوں کو بھی ہے۔ یہاں پادری صاحب نے انجیل سے ایک حوالہ پیش
کیا ہے جسے ہم گذشتہ صفحات میں نقل کر چکے ہیں۔ یہاں بھی اس کو نقل کرنا خالی از رد و
نہیں ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

• ایک دولت مند نے خداوند مسیح کو کہا۔ اے آقا! میں کیا کروں کہ زندگی حاصل کروں؟ آپ نے جواب دیا "میں شریعت اور صحائف انبیاء پر عمل کرو" اس نے کہا کہ ان سب پر میں نے عمل کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ مجا جو کچھ تیرا بے بیج کرغریبوں کو دے اور اگر میرے پیچھے ہوئے۔ "اس پر وہ سر ہاتھ دیا۔ سخت برہم ہو گیا۔ کیونکہ یہ بات اس کی طبع پر ناگوار گزری۔
(کتاب مذکور ص ۲۳۱)

ناظرین کرام! یہی دولت مند شخص جو سچی ارشاد پر عمل پیرا ہونے سے بے بہرہ رہنے کے باعث نجات سے محروم ہو گیا۔ اگر دربار محمدی میں آکر وہی سوال کرتا جو اس نے مسیح سے کیا تھا تو اسے حکم ہوتا۔

اَلْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ

(خدا کے دیئے ہوئے میں سے کچھ خرچ کر دیا کرو)

یا حضور! اس کو فرماتے ہیں کہ ارشاد خداوندی اَلَّذِي رَزَقْنَاكُمْ مِّنْ غَيْرِ ذٰلِكَ فَجَعَلْهُ خَالِدًا فِيْهَا وَلَيْسَ لَهُ فِيْهَا حِسَابٌ۔ اس کے ماتحت خدا کے رستے میں ایک سال گزرنے پر مال کا چالیسواں حصہ دے دیا کرو۔ تو وہ بد نصیب اس حکم پر عمل کر کے خوش نصیب ہو جاتا۔ اور دربار نبوی سے یہ شعر پڑھتا ہوا نکلتا ہے۔

حسن بوسف دم عیسیٰ یومئذینا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(نوٹ) قرآن مجید نے بھی اشتراکیت کے محاسن کو اپنا لیتا ہے مگر اس حد تک نہیں پہنچا یا جو فطرت انسانی کے خلاف ہو۔ بلکہ انسانی فطرت کے دائرے کے اندر رہ کر۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ طَارِبِ (ع)

(مالداروں کے مالوں میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں دونوں کا حق ہے جو

بصورت زکوٰۃ اور صدقات ان کو ادا کرنا چاہیے)

اس کی تفصیل ص ۱۸۱ پر ملاحظہ ہو۔ قرآن مجید میں یہ خاص خوبی ہے کہ وہ ہر بات میں انسانی

فطرت، طاقت اور تحمل کو ملحوظ رکھتا ہے۔ اسی لئے فرماتا ہے۔
لَا يَكْفِيكَ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وَسْعَهَا

اسی بنا پر ہم قرآن مجید کو مخاطب کر کے کہتے ہیں یہ
قرآن! کیا جانے تم میں کیلہ سے کہ لڑے سے تجھ پر جی
یوں اور کیا جہان میں کوئی حسین نہیں

آخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ط



قابل مطالعہ کتابیں

رسالہ نجاتیہ مصنفہ مولانا محمد فاخر زاہر رحہ اس میں قرآن و حدیث سے ایسے عقائد کا بیان ہے جو ہر مسلمان کے ہونے ضروری ہیں فارسی میں اردو قیمت ۱۲ آنے

مجموعہ نور السنہ (فارسی نظم) یہ دو نور رسالے بھی مولانا محمد فاخر محدث رحہ کے ہیں (۱) اور السنہ میں مسائل نماز ابوی ہوان کئے ہیں (۲) قرۃ العینوں میں سنیت رفع الیدین کے پر زور دلائل ہیں قیمت ۱۲ آنے

الایقاف مولانا زاہر موصوف کے استاد مولانا محمد حیات سندھی رحہ تقلید اور عملی بالحدیث کے موضوع پر بہترین رسالہ جس کا ترجمہ مولانا محمد حسین بشالوی رحہ کے شکفہ قلم سے ہے ابتداء میں مصنف اور مترجم کے حالات دے دیئے گئے ہیں قیمت صرف ۶ آنے

الاتباع (عربی) آٹھویں صدی ہجری کے علامہ قاضی القضاة صدر بن علی بن محمد ابن العز الحنفی کی علمی مباحث پر مشتمل لطیف تالیف جس میں انہوں نے اپنے ایک معاصر رسالہ النکت الظریفہ فی ترجیح مذہب الامام ابی حنیفہ رحہ پر ناقدانہ تبصرہ فرمایا ہے۔ پہلی دفعہ زہور طبع سے آراستہ ہوئی ہے۔ قیمت ۱۲ آنے

المکتبۃ السلفیہ شیش محل روڈ لاہور

قابل مطالعہ کتابیں

رسالہ نجاتیہ مصنفہ مولانا محمد فاخر زاہر رحہ اس میں قرآن و حدیث سے ایسے عقائد کا بیان ہے جو ہر مسلمان کے ہونے ضروری ہیں فارسی میں اردو قیمت ۱۲ آنے

مجموعہ نور السنہ (فارسی نظم) یہ دو نوری رسالے بھی مولانا محمد فاخر محدث رحہ کے ہیں (۱) اور السنہ میں مسائل نماز ابوی ہوان کئے ہیں (۲) قرۃ العینوں میں سنیت رفع الیدین کے پر زور دلائل ہیں قیمت ۱۲ آنے

الایقاف مولانا زاہر موصوف کے استاد مولانا محمد حیات سندھی رحہ تقلید اور عملی بالحدیث کے موضوع پر بہترین رسالہ جس کا ترجمہ مولانا محمد حسین بشالوی رحہ کے شکفہ قلم سے ہے ابتداء میں مصنف اور مترجم کے حالات دے دیئے گئے ہیں ۔ قیمت صرف ۶ آنے

الاتباع (عربی) آٹھویں صدی ہجری کے علامہ قاضی القضاة صدر بن علی بن محمد ابن العز الحنفی کی علمی مباحث پر مشتمل لطیف تالیف جس میں انہوں نے اپنے ایک معاصر رسالہ النکت الظریفہ فی ترجیح مذہب الامام ابی حنیفہ رحہ پر ناقدانہ تبصرہ فرمایا ہے ۔ پہلی دفعہ زہور طبع سے آراستہ ہوئی ہے ۔ قیمت ۱۲ آنے

المکتبۃ السلفیہ شیش محل روڈ لاہور

پر غور کیجئے، مشلہ چہاد کی تفصیل کتاب ہذا کے گذشتہ صفحات، رکنیت اور صومۃ وغیرہ پر ہے۔ اس موقع پر ہم معزز صاحبزادگان القرآن کے اہل نظر تعلقاً اسلامی جہاد بطور تائید کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ:-

”عقیدہ صدا کی اصلاح کرنے اور لوگوں کو تباہی کے راستے سے بچانے کے لئے اس کے راستے چلانے کے لئے اس کے سما کوئی چارہ ہی نہیں ہے کہ حکومت کے بگاڑ کو درست کیا جائے معمولی عقل کا آدمی بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ جہاں لوگوں کو زندگی آزادی حاصل ہو، وہاں زنا کے خلاف خواہ گفت ہی و خطابہ کی جائے زنا کا بند ہونا محال ہے۔ لیکن اگر حکومت کے اقتدار پر زبردستی کے زبردستی زنا کو بند کر دیا جائے تو لوگ خود کرام کے راستے کو چھوڑ کر مجال کار سے احتیاط کر لیں گے، منسوب، جوار، سود، رشوت، بخشش، تماشے، بے حیائی کے لباس، بد اخلاق بن جائیں، والی عیسیم اور ایسی ہی دوسری چیزیں اگر آپ و عطلوں سے دور کرنا چاہیں تو کامیابی ناممکن ہے، البتہ حکومت کے زور سے یہ سب بلائیں روکنی جاسکتی ہیں۔“

(ترجمان القرآن لاہور خطبات نمبر ۱۳)

آگے چل کر ۱۲۵ پر پادری صاحب نے پیر سنی دی ہے اسے استفسار کی جنت“ اس سنی کے نیچے پادری صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس سے میں بے موصوفہ ہوں۔ اس لئے صاحب نے آٹھ نمبر پر لے جا اعتراضات کئے گئے ہیں بلکہ اس لئے کہ پادری صاحب نے ایک اعتراضات کر کے نہ صرف اپنی قابلیت کو دھیر لکھا ہے۔ بلکہ اعمال نامہ کر بھی اغلاط سے چڑھ گیا ہے۔ آپ کا یہ فعل ہم نے اس راہی کے ماتحت پایا ہے۔

لیجے برہنہ شاخ بن سے برید

علاء و نسبتاں لنگاہ کرد و دید

گفتا کہ این شخص بوسے کسند

زبان کو با نفس خوردے کسند

پادری صاحب نے مذکورہ عنوان کے ماتحت بطور تہنید جو کچھ لکھا ہے وہ بالاجمال چند نمبروں میں یہ ہے لکھا ہے:-

اسلام اور مسیحیت



۱۰۴

جناب مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى



جمعیت اہل حدیث • لاہور